بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز

Weekly The NEPAL URDU TIMES

سو شمارے

جلد نمبر ۱ VOL:(1)

چیف ایڈیٹر :عبدالجبار علیمی نظامی

weeklynepalurdutimes@gamil.com

30 صفحات

31/جولائی2026، 15/صفر المظفر 1448ھ، 15 گتے ساون 2083 بکرم، بروز جمعہ مبارک

شمارہ نمبر ۱۰۰

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ادارتی ٹیم
31/جولائی 2026 مطابق 15/صفر المظفر 1448ھ/15 گتے ساون 2083

ہفت روزہ اخبار: نیپال اردو ٹائمز - ادارتی ٹیم، مختصر تعارف

عہدہ: چیف ایڈیٹر

اسم گرامی: عبد الجبار
مشہور نام: مولانا عبد الجبار علیمی نظامی
ولادت: ۲۰ جولائی ۱۹۹۷ء
مکمل پتہ: بھیرہواں، ضلع روپندیہی
لمبنی پردیس، نیپال
علمی لیاقت: مولوی، قاری، عالم، فاضل، مفتی، کمپیوٹر ڈپلوما۔
ہائی اسکول، انٹر میڈیٹ، بی اے۔ بی ایڈ اردو، چار سالہ صحافتی ٹریننگ
موجودہ خدمت:۔ نیپال اردو ٹائمز کی ادارت، اور علما فاؤنڈیشن نیپال کے مرکزی رکن۔
مختصر حالات و کوائف و دینی، ملی، سماجی خدمات:
پانچ سالہ مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر کی ذمہ داری، دار العلوم جمداشاہی کے شعبہ نشر و اشاعت کا رکن، تنظیم ابنائے علیمیہ مرکزی رکن، و مدیر وغیرہ۔
تحریری خدمات: درجن کتابوں کی ترتیب و تخریج، حالات حاضرہ پہ مقالہ نویسی، نیپال اردو ٹائمز کی ہر ہفتہ اداریہ جاری کرنا، وقتا فوقتا امت مسلمہ کی شرعی رہنمائی کرنا۔
+9779701714929

عہدہ: نائب ایڈیٹر

اسم گرامی: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
مشہور نام: مفتی کلام الدین نعمانی۔
ولادت: ۱۹ مئی ۱۹۹۴ء
مکمل پتہ: بلوا نگر پالیکا، وارڈ نمبر ۷، بنوٹا، تھانہ جلیشور
ضلع: مہوتری، مدھیش پردیش، نیپال
علمی لیاقت: مولوی، قاری، عالم، فاضل، مفتی، کمپیوٹر ڈپلوما۔
موجودہ خدمت:۔ نیپال اردو ٹائمز نائب ایڈیٹر و قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے نائب صدر۔
مختصر حالات و کوائف و دینی، ملی، سماجی خدمات:
چار سالہ امامت و خطابت کی ذمہ داری، ضلع مہوتری کے نائب قاضی، تین مکاتب و مساجد کا قیام وغیرہ۔
تحریری خدمات: تقریبا ایک درجن کتابوں کی ترتیب و تخریج، چار کتابوں کی تالیف، اور گاہے بگاہے حالات حاضرہ پہ مقالات نویسی، وقتا فوقتا امت مسلمہ کی شرعی رہنمائی کی خاطر فتوی نویسی کرنا۔
رابطہ نمبر: +9779817619786

مجلس مشاورت

ڈاکٹر محمد عبد السمیع صاحب اورنگ آباد مہاراشٹرا
ڈاکٹر سلیم انصاری صاحب جھاپا، نیپال
ڈاکٹر گوہر صدیقی شان پریہار بہار بھارت
ڈاکٹر نجم النساناز کڈپہ آندھرا پردیش بھارت
ڈاکٹر سید تابش بھارت
ابوشحمہ انصاری لکھنؤ بھارت
انجینئر محمود اقبال تلنگانہ حیدرآباد بھارت

مولانا نور محمد خالد مصباحی ازہری نیپال
مولانا شمیم احمد نوری مصباحی راجستھان
مفتی سرفراز احمد حیدرآباد تلنگانہ بھارت
قاری اخلاق احمد نظامی سنت کبیر نگر بھارت
قاری بختیار برکاتی دہلی بھارت
راشد سیف اللہ مدینہ منورہ
مفتی کمال نوری دربھنگہ بہار

ادارتی ٹیم

مولانا رضوان احمد مصباحی (صحافی)
ابوافسر مصباحی (صحافی و تجزیہ نگار)
مولانا شفیق رضا ثقافی (صحافی)
حافظ احمد رضا ابن عبد القادر اویسی (سینئر صحافی)
مولانا عبد القیوم سعدی سوشل میڈیا ڈائریکٹر

مولانا خوشبو الدین نظامی (صحافی لمبنی پردیش)
مولانا بلال احمد برکاتی (تجزیہ نگار و کالم نگار)
مولانا محمد حسنین برکاتی (صحافی و کالم نگار)
مولانا محمد عادل ارریاوی (کالم نگار)
مولانا نوشاد عالم قادری (صحافی)

عہدہ: معاون ایڈیٹر

اسم گرامی: محمد حسن انصاری
مشہور نام: سراقہ رضوی
ولادت: ۲۹ جون ۱۹۹۵
مکمل پتہ: بھیرہواں ضلع روپندیہی
لمبنی پردیس، نیپال
علمی لیاقت: فضیلت & کمپیوٹر کورس
موجودہ خدمت: درس و تدریس، نیپال اردو ٹائمز میں نمائندہ کے طور پر خدمت۔
مختصر حالات و کوائف و دینی، ملی، سماجی خدمات۔
کئی کتابوں کی ترتیب و تخریج، اور کمپوزنگ، کئی مدارس و مساجد میں درس و تدریس اور امامت کے فرائض انجام دیا۔
رابطہ نمبر: ۹۸۲۱۴۴۲۸۱۰

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ اخبار: نیپال اردو ٹائمز - ادارتی ٹیم، مختصر تعارف

تجزیہ نگار

اسم گرامی: بلال انصاری
مشہور نام: محمد بلال برکاتی نیپالی
ولادت: ۳۰/۰۵/۱۹۹۲
مکمل پتہ: ہرینگر گاؤں پالیکا۴،
ضلع: سنسری، کوشی پردیس، نیپال
علمی لیاقت: عالمیت، فضیلت، قرات، کمپیوٹر ڈپلوما A 1 کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ کاٹھمانڈو
موجودہ خدمت: البرکات دعوت الاسلام نیپال ہرینگر سنسری نیپال تنظیم میں سربراہ اعلی کی حیثیت سے دینی ملی رفاعی فلاحی خدمات،
نیپال اردو ٹائمز میں نمائندہ کے طور پر خدمت،
مختصر حالات وکوائف ودینی، ملی، سماجی خدمات:۔
تحریری خدمات: دینی اصلاحی سیاسی مضمون نگاری، اور نعتیہ منقبت۔
رابطہ نمبر: ۰۰۹۷۴۳۱۴۱۸۷۳۱

خصوصی نامہ نگار

اسم گرامی: احمد رضا ضیائی
مشہور نام: احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
ولادت: ۲۳-۶-۲۰۰۲
مکمل پتہ: پریاگ پور۔ کرجنھا۔ سرہا۔ نیپال
علمی لیاقت: حفظ۔ قرآت
موجودہ خدمت: نیپال اردو ٹائمز
تحریری خدمات:
بطور خصوصی نامہ نگار و سنئر صحافی، خبریں جمع کرنا و ارسال کرنا۔
رابطہ نمبر: ۷۷۵۰۷۳۱۱

نمائندہ صحافی

اسم گرامی: محمد رضوان احمد مصباحی
مشہور نام:
مفتی محمد رضوان احمد مصباحی
ولادت: ۱۸/اپریل ۱۹۹۶
مکمل پتہ: ادرا گوڑی، ٹھاکر گنج،
کشن گنج، بہار، انڈیا، پن کوڈ ۸۵۵۱۱۶
علمی لیاقت: فضیلت، افتا، انٹر میڈیٹ
موجودہ خدمت: تدریس وامامت۔
مختصر حالات وکوائف ودینی، ملی، سماجی خدمات:۔
رکن امان فاؤنڈیشن ٹھاکر گنج، ناظم تعلیمات: دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ، ٹھاکر گنج، کشن گنج، بہار، انڈیا، صدر مدرس: مدرسہ مظاہر العلوم صفتہ بستی، راج گڑھ، بارہ دشی ایک، جھاپا، نیپال، امام: غوث الوریٰ جامع مسجد، صفتہ بستی
تحریری خدمات: مختلف موضوعات پر متعدد مقالات + امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات کا انگریزی ترجمہ (unpublished)۔
رابطہ نمبر: ۹۸۱۶۰۴۵۰۲۲/۷۶۶۹۹۹۷۰۵۲

نمائندہ

اسم گرامی: شفیق
مشہور نام: شفیق
ولادت: ۱۹۸۹۔
مکمل پتہ: پریم نگر چندر پور مہوتری نیپال
موجودہ خدمت: آن لائن درس و تدریس و شوشل میڈیا ویڈیوز و آڈیوز کے دذریعے تبلیغی کام

نمائندہ

اسم گرامی:
محمد حسنین رضا علیمی مصباحی
مشہور نام:
محمد حسنین رضا علیمی مصباحی
ولادت: ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۳ء
مکمل پتہ: کرشنا نگر نگر پالیکا۳
چے پورواکپل وستو نیپال
علمی لیاقت: عالمیت، فضیلت، کمپیوٹر کورس، تخصص فی العقیدہ والفلسفۃ
موجودہ خدمت: متعلم امام ماتریدی انسٹی ٹیوٹ مالیگاؤں "قسم العقیدہ والفلسفۃ"
مختصر حالات وکوائف ودینی، ملی، سماجی خدمات:۔
تعلیمی سفر طے کرتے ہوئے وقتا فوقتا علاقے میں تحریر و تقریر اور تنظیمی امور سے متعلق خدمات انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔
تحریری خدمات: مختلف علمی، فکری، تحقیقی مضامین۔
رابطہ نمبر: ۹۸۲۱۵۲۵۷۸۶

نمائندہ

اسم گرامی: عبد القیوم انصاری
مشہور نام: عبد القیوم سعدی
ولادت: ۲۸/۴/۱۹۹۵
مکمل پتہ:
منرا سسوا نگر پالیکا۔ ۸، مقام سہسرام ضلع مہوتری مدھیش پردیش نیپال
علمی لیاقت: قاری، مولوی، عالم، عربی ڈپلوما۔
(اسکول نیپال سے) ایس ای ای، انگلش اسپیکنگ کورس اور بیسک کمپیوٹر کورس۔
موجودہ خدمت:
بحیثیتِ خطیب وامام چھ سال سے
مدرسہ اسلامیہ رضویہ بھرہے چورا بھٹنی دیوریا یوپی
تحریری خدمات:
بطور نامہ نگار وصحافی، خبریں جمع کرنا وارسال کرنا۔
رابطہ نمبر: ۹۷۰۱۳۱۴۴۸۲

صحافی

اسم گرامی: سید ظہیر احمد فنا
مشہور نام: سید ظہیر احمد فنا
ولادت:۔ ۲۰ جون
مکمل پتہ: ۱۰۰ فٹ روڈ
تیسرا کراس الیاس نگر نیو منڈلی شیموگہ کرناٹک انڈیا
دیگر خدمات:۔
صدر۔ احساس ایجوکیشنل ویلفیئر اینڈ چاریٹبل ٹرسٹ۔
اردو شاعر۔ کل ہند مشاعروں میں نظامت کے فرائض۔
تخلص فنا۔ ویراٹ ساہتیہ سنگھ ویراٹ نگر نیپال سے ساہتیہ ایوارڈ اڈیس ابابا ایتھوپیا سے انٹر نیاشن ل پوائٹ کانفرنس میں شرکت، انڈو پاک بزم جدہ سعودی عرب میں بحیثیت ناظم وشاعر شمولیت۔۔ الجہرا کویت کے مشاعرے میں شرکت۔ ہندوستان بھر کے کم وبیش ریاستوں کے مشاعروں میں شرکت۔
رابطہ نمبر: 9901288134

نمائندہ صحافی

نام۔ محمد عادل ارریاوی
ولدیت۔ محمد ابن الحق
مقام: سیسونا جامع مسجد
پوسٹ جوکی ہاٹ
ضلع ارریہ، صوبہ بہار
تعلیم۔ حافظ وعالم
تصانیف۔ (۱) سوغاتِ رمضان (۲) سوغاتِ حج وعمرہ
۔ عہدہ کالم نگاری وایڈمن صدائے قلم
محرر کے بارے میں
موصوف کہنہ مشق محرر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی مخلص ہیں آپ اپنی تحریروں سے عوام وخواص کو روشناش کراتے رہتے ہیں ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد و اخبارات میں اپ کی تحریر کو قابل قدر جگہ دی جاتی ہے۔
آپ نیپال اردو ٹائمز کے مخصوص کالم نگار ہیں۔
آپ نے حال میں حجاج کرام کی سہولیات کے لیے نہایت ہی آسان لب ولہجے میں حج کے طریقے کے نام سے نہایت ہی عمدہ کتاب تحریر فرمائی ہے۔
نیپال اردو ٹائمز کے شمارہ ۴ سے سے شمارہ نمبر ۱۰۰ تک کا آپ رفیق سفر ہیں اور آگے بھی رہنے کی امید رکھتے ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال میں اردو صحافت کا ارتقائی سفر اور نیپال اردو ٹائمز۔ ایک تجزیاتی مطالعہ

از قلم: مفتی محمد رضا قادری مصباحی نقشبندی

آج سے تقریبا بیس روز قبل کی بات ہے میں چمنستان حضور حافظ ملت، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں واقع اپنے حجرے میں ٹہل رہا تھا اور سوچ و فکر کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا، بار بار ہند و نیپال کے مسلمانوں کے مستقبل کو سوچ کر دل و دماغ کرب کے عالم سے دوچار ہو رہا تھا، کہ دفعتا ذہن کے پردے پر روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی وہ کرن یہ تھی کہ مایوسیوں کی شب دیجور میں امید کا ایک چراغ جلا دیا جائے۔ تاریکیوں کو بار بار کوسنے سے تاریکی ختم نہیں ہو سکتی، تاریکی ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ایک شمع روشن کر دیا جائے ہم نے حضور حافظ ملت کے فیضان کے سہارے اس پہلو پر سوچنا شروع کیا، یوں تو تقریبا گزشتہ تین سالوں سے میرا دل و دماغ مسلسل اس پہلو پر سوچ رہا تھا کہ نیپال جیسے وسیع و عریض ملک سے ہمارا اپنا اخبار جاری ہونا چاہیے، دو سال قبل ہم نے صحافیوں کی ایک ٹیم بھی جمع کر لی تھی مگر حسن اتفاق یہ سب نیپالی زبان ہی تک محدود رہنے والے صحافی تھے، ہم ان سے فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر ان کو ڈیل کرنا اور اپنے پلان کے مطابق ان سے کام لینا اس وقت میرے لیے ممکن نہ تھا اس لیے وقت کا انتظار کرتا رہا اور اردو زبان میں صحافت کے ابتدائی سفر کے بارے میں سوچتا رہا۔

نیپال جیسی سنگلاخ زمین اور اردو کے حوالے سے بے آب و گیاہ صحرا سے اردو زبان میں ہفت روزہ یا روزنامہ نکالنے کے بارے میں سوچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا؛ کیوں کہ اس زمین کی مٹی نے سوائے نیپالی، ہندی اور مقامی زبانوں کے کسی بھی غیر ملکی زبان کو پنپنے کا موقع نہیں دیا، نہ حکومتی سطح پر اردو، فارسی اور عربی جیسی بین الاقوامی زبانوں کی پذیرائی کی گئی، یہی وجہ ہے کہ اردو، فارسی اور عربی اپنی قدامت کے باوجود نیپال کی وادیوں میں اجنبی زبانیں بنی رہیں، کسی بھی زبان کو زندہ رکھنے کے لیے وہاں کے حکومتی مزاج کا بڑا دخل ہوتا ہے، وہاں ایسے مواقع پیدا کیے جاتے ہیں جن سے زبانوں کو فروغ ملے مثلا یونیورسٹیوں، کالجوں میں اردو، عربی اور فارسی کے ڈیپارٹمنٹ قائم کئے جاتے، زبان و ادب کو فروغ دینے کے لیے اکیڈمیاں قائم کی جاتیں، اسکولوں اور مدرسوں میں حکومت کی طرف سے اردو اساتذہ مقرر کیے جاتے تو ان زبانوں کو اس دیار میں فروغ و توسع حاصل ہوتا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، اس لیے یہ زمین غیر ملکی زبانوں کی آبیاری کے حوالے سے عقیم (بانجھ) اور بنجر واقع ہوئی ہے، یہاں اردو کے نام پر جو کچھ نظر آرہا ہے وہ نیپالی اور ہندوستانی مسلمانوں کی اپنی کاوش ہے، یہاں کے مسلم باشندوں نے اپنی مذہبی ضروریات کے پیش نظر مدرسوں کا جال بچھایا اور اس میں ذریعہ تعلیم اردو کو بنایا، یوں ہی علمانے نیپالی، اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں اپنی نگارشات کا سلسلہ قائم رکھا، شعراء و ادبا نے اپنے ذوق شعری و ادبی کی بنیاد پر طرحی و غیر طرحی مشاعروں کا انعقاد کیا جس سے وادی ہمالہ میں اردو کو بحیثیت زبان پنپنے کا تھوڑا سا موقع مل سکا۔ ۹۰ کی دہائی میں سفیر پاکستان کے تعاون سے کاٹھمانڈو میں شعبۂ اردو کے قیام کی تجویز پیش کی گئی، جس کو تری بھون یونیورسٹی کے وائس چانسلر مہیش کمار اپادھیاے نے منظور کیا پھر نصاب اور دیگر انتظامات کے سلسلے میں دو سال تک بات چیت ہوتی رہی بالآخر سفیر پاکستان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور ۱۹۸۵ میں تری بھون یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کا قیام عمل میں آگیا، اور اسی سال ۱۰ نومبر ۱۹۸۵ کو کراچی یونیورسٹی کی پروفیسر ڈاکٹر طاہر نکہت کو اس شعبے کا سربراہ بنایا گیا ۱۹۹۰ء میں پروفیسر عبد الرؤف صاحب (پاکستان) اس کے سربراہ رہے ان کے بعد یہ شعبہ کب تک چلا اس کا حال معلوم نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے "نیپال میں اسلام کی تاریخ"۔ مصنفہ مفتی محمد رضا قادری)

اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس کے ذریعے ملازمت کا کوئی کوٹہ نہیں رکھا گیا، رہی بات اردو صحافت کی تو حکومت نیپال کی طرف سے اس کے لیے بھی کسی قابل ذکر کوشش کا نشان نہیں ملتا، جبکہ ہمسایہ ملک ہندوستان سے اس کے قدیم تعلیمی، تجارتی، سفارتی اور سیاسی تعلقات ہمیشہ قائم رہے، حکومت نیپال کی بے حسی اور لاشعوری کا یہ عالم ہے کہ خلیجی ممالک میں جہاں تقریبا ۱۰ لاکھ سے زیادہ نیپالی شہری کام کر رہے ہیں وہ چاہتی تو نیپال عرب تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے اور بہتر سے بہتر روزگار اور تجارتی تعلقات کے مواقع فراہم کرنے کے لیے یہاں کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان و ادب اور ثقافت کا شعبہ ضرور قائم کر سکتی تھی، مگر اس سے یہ بھی نہ ہو سکا، یہی وجہ ہے کہ ہم ہر سال لاکھوں مزدوروں کی جماعت نیپال سے عرب ملکوں میں ایکسپورٹ کرتے ہیں، ہم یہاں سے دانشورز، پروفیسرز، تھنکرز، ہنرمند، ڈاکٹرز اور انجینیئرز ایکسپورٹ کرنے کے اہل نہیں بن سکے، یہ وہ اسباب و علل ہیں جو نیپال جیسے انسانی وسائل سے مالامال ملک کو پسماندگی کی طرف لے جاتے ہیں، جب ہم نیپال میں اردو صحافت کا نقطۂ آغاز تلاش کرتے ہیں تو نیپال میں اردو زبان و ادب کے محقق، اردو ادب کے زلف برہم کی مشاطگی کرنے والے استاد شاعر ڈاکٹر وصی احمد مکرانی کی تحقیق کے مطابق ۲۰۲۸ بکرمی مطابق ۱۹۷۱ کو اس کا نقطۂ آغاز پاتے ہیں، ممکن ہے مزید تحقیق کرنے پر اس کا سرا اور قبل سے جوڑا جا سکے۔

ذیل کی سطور میں ہم نیپال سے جاری ہونے والے اردو رسائل و جرائد کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

(۱) سہ ماہی اصلاح، نیپال سے شائع ہونے والا یہ اردو زبان کا پہلا رسالہ ہے جو ۱۹۷۱ میں انجمن اصلاح المسلمین کے زیر اہتمام معروف سیاسی مسلم رہنما احمد دین مرحوم سابق ممبر آف پارلیمنٹ کی سربراہی میں جاری ہوا یہ کب تک جاری رہا اس کا صحیح علم نہ ہو سکا۔

(۲) ماہنامہ نور توحید ۱۹۸۸ مطابق ۱۴۰۸ ہجری میں دارالسلام کرشنا نگر کپل وستو نیپال سے مولانا عبد اللہ مدنی جھنڈا نگری کی ادارت میں جاری ہوا۔

(۳) ہمالہ کی آواز، نیپال میں اردو کا یہ پہلا ۱۵ روزہ اخبار ہے جو ۲۸ ستمبر ۱۹۹۰ء مطابق ۱۲ گتے ۲۰۴۷ بکرمی کو منظر عام پر آیا۔ یہ اخبار نیپال کی تنظیم ڈیموکریٹک مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن باغ بازار کاٹھمانڈو کی طرف سے نکالا گیا، جس کے مدیر ایس ایم پروفیسر حبیب اللہ صاحب تھے ملکی علاقائی اور عالمی خبروں کے ساتھ اسلامی افکار و نظریات کی بھی اس میں اشاعت ہوتی تھی۔ یہ اخبار بھی زیادہ دنوں تک قلت قارئین اور لوگوں کی عدم دلچسپی کے باعث زندہ نہ رہ سکا۔

(۴) ماہ نامہ فیض النبی نیپال گنج، یہ رسالہ ۱۴۱۱ ہجری مطابق ۱۹۹۱ کو شیر نیپال مفتی جیش محمد برکاتی کی سرپرستی اور مولانا عبد الجبار منظری کی ادارت میں جاری ہوا، اور کئی سالوں تک اپنی آن و بان اور شان کے ساتھ نکلتا رہا۔ یہ رسالہ نیپال میں افکار اہل سنت و جماعت یعنی مسلک اعلی حضرت کا مؤید و ترجمان رہا، جس میں علامہ بدر القادری ہالینڈ، مولانا قمر بستوی امریکہ، سکندر علی قادری پاکستان اور مفتی اشرف القادری نیپال جیسے قلم کاروں کے مضامین چھپتے تھے، منظری صاحب کے مدرسہ فیض النبی سے علیحدگی کے بعد یہ بند ہو گیا۔

(۵) ماہنامہ السراج، جھنڈا نگر کرشنا نگر، ضلع کپل وستو سے تقریبا آج سے ۳۰ سال قبل جاری ہونے والا جامعہ سراج العلوم السلفیہ کا فکری ترجمان ہے اس کے بانی مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری، بانی مدرسہ سراج العلوم سلفیہ ہیں، یہ آج بھی جاری ہے۔ دینی و اسلامی نظریات پر جدید اسلوب میں مضامین شائع کرنے والا ایک معیاری رسالہ ہے۔ ابتدائی مدیر کا پتہ نہ چل سکا جبکہ اپریل ۲۰۲۱ کے شمارہ کے مطابق اس کے مدیر مسئول مولانا محمد شمیم احمد ندوی جبکہ معاون مدیر مسعود اختر سلفی ہیں۔

(۶) سہ ماہی پیغام، رسالہ ۱۴ ہجری مطابق ۱۹۹۴ء میں الحرا ایجوکیشن سوسائٹی کاٹھمانڈو کے زیر اہتمام جاری ہوا۔ یہ نیپال میں جماعت اسلامی، فلاحی افکار و نظریات کا نمائندہ ہے، اردو زبان کا یہ ایک معیاری سالہ ہے معلوم نہیں اس وقت جاری ہے یا نہیں اس کے چیف ایڈیٹر محمد حسن فلاحی جبکہ ایڈیٹر محمد عزیز فلاحی مرقوم ہیں۔

(۷) ماہانہ شاہین ۱۴۱۵ھ میں کاٹھمانڈو سے محمد خالد صدیقی کی ادارت میں شائع ہوا، یہ زیادہ دنوں تک اپنا وجود قائم نہ رہ سکا۔

(۸) لوک تنتر، ملنگواں، سرلاہی سے ہفتہ وار شائع ہوتا تھا، جس میں ایک صفحہ اردو کے لیے مختص تھا، راقم السطور نے بھی اس اخبار کو ۲۰۰۱ میں پڑھا تھا، اس کے اردو پیج کے مدیر اور کالم نگار ڈاکٹر وصی احمد مکرانی تھے، بعد میں اردو صفحہ ختم کر کے مکمل نیپالی میں کر دیا گیا۔

(۹) ماہ نامہ اسلامی آواز یہ رسالہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں دارالعلوم صدیقیہ انوار العلوم، ضلع کپلوستو سے جاری ہوا، یہ ماہنامہ افکار اہل سنت و جماعت کا ترجمان تھا، اس کے ادارتی بورڈ میں مولانا عبد اللہ عارف صدیقی مدیر اعلیٰ، مولانا جعفر شمس قادری مدیر، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم نئی دہلی، مفتی عبد المبین نعمانی چریاکوٹ، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بریلی شریف جیسے لوگ مجلس ادارت کے ارکان تھے، کئی سالوں تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

(10) صدائے عام، ہفت روزہ (اخبار) ۲۰۰۹ میں جامعہ سلفیہ جنک پور سے جاری ہوا، اس وقت یہ چھ ورقی اخبار ہے جو بند ہونے کے بعد پھر سے جاری ہو گیا ہے، ملک و بیرون ملک کی تازہ ترین صورت حال اور دینی و ادبی معلومات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) اسلام کا ترجمان شش ماہی 'الھادی' اس کا پہلا شمارہ مئی ۲۰۱۴ کو مولانا مبشر حسن مصباحی اور مولانا رضا الحق علیمی علیگ کی ادارت میں منظر عام پر آیا، اس میں حالات حاضرہ، مسائل شرعیہ اور اصلاح معاشرہ جیسے موضوعات پر اچھے مضامین شائع

(۱۲) سہ ماہی سنی پیغام غالبا ۱۴۳۹ھ ۲۰۱۷ء کو جنک پور نیپال سے فخر ملت فاؤنڈیشن نے شائع کیا، اس کے مدیر اعلیٰ مولانا عطاء النبی حسینی مصباحی اور مدیر مولانا عبد الرحیم ثمر مصباحی ہیں، اب یہ رسالہ برقی صورت میں چند سالوں سے شائع ہو رہا ہے۔ افکار سنیت اور دینی و عصری موضوعات پر وقیع مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، اس موضوع پر اطلاعات فراہم کرنے کے لیے راقم السطور نے دیگر مصادر سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر وصی احمد مکرانی کے مضمون "نیپال میں اردو صحافت کا آغاز" سے بھی استفادہ کیا ہے، تفصیل کے لیے الہادی کا شمارہ مئی 2015 کا مطالعہ کریں۔

(۱۳) سہ ماہی "ندائے برکات" یہ مجلہ مارچ ۲۰۱۶ء میں تلمیذ حضور حافظ ملت، شیر نیپال مفتی جیش محمد برکاتی رحمہ اللہ کی سرپرستی اور مولانا عبد السلام امجدی برکاتی کی ادارت میں لوہنہ، ضلع دھنوشا سے جاری ہوا۔ تین سال تک جاری رہنے کے بعد ۲۰۱۹ء میں بند ہو گیا۔

(۱۴) ششماہی برکات ابدالیہ، یہ میگزین ۱۴۴۱ھ ۲۰۲۰ء میں دیپرا شاہ محلہ، جنک پور سے مولانا عبد السلام امجدی برکاتی کی ادارت اور مولانا جمال الدین ابدالی کی ادارت و قیادت میں جاری ہوا۔ جس میں اہل سنت و جماعت کے افکار و نظریات پر ہر سال عمدہ مضامین کا مجموعہ شائع کیا جاتا ہے، ۲۰۲۳ء ۱۴۴۴ھ اس کا ساتواں شمارہ شائع ہو چکا ہے۔

(۱۵) "ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" یہ ہمالیہ کے افق سے ہلال عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یکم ربیع النور ۱۴۴۶ھ مطابق پ ۵، ستمبر ۲۰۲۴ء کو طلوع ہونے والا ہفت روزہ برقی اخبار ہے جو راقم سطور کی نگرانی میں حضرت مولانا عبد الجبار علیمی نیپالی اور مولانا مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی کی ادارت میں شائع ہوا ہے، یہ اخبار ہمارے برسوں پر محیط سنہرے خواب کی تعبیر ہے یہ اس اعتبار سے منفرد المثال ہے کہ نیپال میں جماعت اہل سنت کی طرف سے شائع ہونے والا یہ پہلا اردو اخبار ہے، جب اللہ تعالیٰ نے خاص توجہ فرمائی، اس فقیر کے دل میں اردو اخبار نکالنے کا خیال ڈالا اس کے ساتھ ہی ہمارا دماغ برق کی رفتار سا کام کرنے لگا، فورا اس کی خاکہ بندی کی، ایڈیٹر، سب ایڈیٹر، کالم نگار، مضمون نگار ان سب کی تلاش کی طرف ذہن دوڑتا رہا، کہتے ہیں کہ جب نیت خالص ہوتی ہے تو اللہ تعالی غیب سے انتظام فرما دیتا ہے، فورا میرے دماغ میں ایک نام گردش کرنے لگا وہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کے قابل فخر فرزند اور میرے عزیز نیپال کے ضلع روپندیہی سے تعلق رکھنے محنتی عالم دین مولانا عبد الجبار علیمی نیپالی تھے، روپندیہی ضلع کے ایک دورے میں جناب عبد الرؤف خان صاحب، سابق ضلعی تعلیمی آفیسر کے گھر پر بغرض عیادت ہم اور حضرت سید غلام حسین مظہری صاحب موجود تھے اتنے میں ایک ۲۵ سے ۳۰ سال کے درمیان کا متوسط قد نوجوان عالم، پیشانی پر ہوش مندی کی لکیریں لیے ملاقات کے لیے حاضر ہوا، باتوں باتوں میں ان کی صلاحیتوں کا میں نے اندازہ لگا لیا، پھر کہا اب جب کہ آپ نے ہندوستان کو استعفیٰ سونپ دیا ہے تو اپنے ملک کے لیے کام کیجیے علماء کونسل آپ کی ہر طرح سے خدمت کے لیے تیار ہے مگر یہ بھی منجھے ہوئے کھلاڑی نکلے اتنی جلدی ماننے کو کہاں تیار تھے، کہا اب بدیس جانے کا ارادہ ہے میں نے خفگی کے لہجے میں جواب دیا "تب تو آپ کا یہ پڑھنا لکھنا سب بے کام ہے" ہمارے سیکڑوں با صلاحیت علماء کی صلاحیتیں کسب معاش کی خاطر پردیسی زندگی کی نذر ہو چکی ہیں، مجھے خبر ملی کہ علیمی صاحب اردو، عربی، انگریزی کئی زبانوں میں کمپوزنگ اور ایڈیٹنگ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ میں اندر سے خوش ہوا جا رہا تھا، مگر یہ سی مرغ قطر جانے کے لیے پر تول چکا تھا، اب کیا کرتا بہر حال دن گزرتے گئے، اب جبکہ دفعتا حالات کی سنگینی کے سبب اخبار نکالنے کا خیال آیا تو ان کا نام ذہن میں گردش کرنے لگا، میں نے اسی وقت ان کو فون کیا، علیک سلیک کے بعد کہا اب آپ کو ایک بڑے کام کے لیے تیار ہونا ہے، اور کرنا پڑے گا، میں نے اپنا پورا پلان ان کے سامنے رکھ دیا۔

علیمی صاحب! نیپال میں کیا سیاسی، تعلیمی، اقتصادی اور ثقافتی سرگرمیاں چل رہی ہیں، ہمارے ۹۵ فیصد علماء نہیں جانتے؛ کیونکہ یہ اخبارات کا مطالعہ نہیں کرتے، وجہ ظاہر ہے نیپالی زبان سے نابلد ہیں۔ امت کا یہ طبقہ جس پر امت مسلمہ کی قیادت، امامت اور سیادت کی ذمہ داری رکھی گئی ہے وہی آج ملکی حالات سے بے خبر ہے، نیز ہر سال ہم لوگ سینکڑوں کی تعداد میں جلسے اور مذہبی و تعلیمی تقریبات منعقد کرتے ہیں جن کی خبریں کسی بھی اخبار یا روزناموں کا حصہ نہیں بنتیں، اس طرح تو ہماری تاریخ ضائع ہو رہی ہے، ہمارے یہاں قلم کاروں کی ایسے بھی قلت ہے پلیٹ فارم نہ ہونے کی وجہ سے نئے قلم کار نہیں پیدا ہو رہے ہیں، اس لیے اردو اخبار کا نکالنا ہم سب کے حق میں بے حد مفید ہوگا اس کے ذریعے وسیع پیمانے پر افکار اہل سنت، اعلی حضرت امام عشق و محبت امام احمد رضا خان قدس سرہ کی تعلیمات، افکار و نظریات کی درست اشاعت ہوتی رہے گی باطل افکار و نظریات کا سد باب بھی ہوتا رہے گا۔

میری باتیں سن کر مولانا علیمی صاحب سراپا حیرت و استعجاب کا پیکر بن گئے، انہوں نے بہت ہی خوش دلی کے ساتھ ایڈیٹر کا عہدہ قبول کر لیا، اس کے بعد ضرورت تھی معاون ایڈیٹر کی تو بفضلہ تعالی اس کے لیے میری نگاہ انتخاب مدھیس پردیش کے مہوتری ضلع سے تعلق رکھنے والے ابھرتے ہوئے قلم کار جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ہونہار لائق و فائق فرزند مفتی محمد کلام الدین مصباحی نعمانی پر جا ٹھہری، یہ بھی ایسے چھپے رستم کہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں کمپوزنگ، ڈیزائننگ اور ایڈیٹنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں، ان سے رابطہ کیا اور اپنی پلاننگ سے آگاہ کیا پھر کہا میں آپ کو اپنے اخبار کا سب ایڈیٹر منتخب کرتا ہوں، کیا یہ پیشکش قبول ہے؟ انہوں نے بھی بلا تامل اس عہدے کو قبول کر لیا، بات آگے بڑھی، فردا فردا ہم نے اپنے جاننے والے احباب پر غور کیا کہ ان میں کون لوگ ہیں جو نیپال کی خبروں کو اردو میں رپورٹ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، کئی چہرے سامنے آئے ان میں نمایاں نام مولانا شفیق رضا ثقافی، مقیم حال دوحہ قطر، یہ نیپالی زبان میں تحریر و تقریر کی مہارت رکھتے ہیں، ساتھ ہی فکر میں بیداری ہے۔ مولانا بلال برکاتی سنسری، مقیم حال دوحہ قطر، یہ بھی نیپالی خبروں کے حوالے سے بہت سنجیدہ رہتے ہیں، زود نویس اور تفکیری مزاج کے حامل، روشن خیال واقع ہیں۔ مولانا عبد القیوم سعدی مہوتری کا یہ درنایاب بھٹنی اسٹیشن یوپی میں خدمت دین کرتے ہوئے نیپالی خبروں کو رپورٹ کرتے رہتے ہیں، اسی طرح جھاپہ ضلع سے ہمیں متحرک فعال عالم دین مولانا رضوان مصباحی مل گئے، جو وہاں کی خبروں کو رپورٹ کرتے ہیں سیتامڑی بہار سے ہم نے اپنی رفیق محترم مولانا اشفاق احمد مصباحی زید مجدہ کو اخبار کا نمائندہ منتخب کر دیا، اسی طرح لمبنی پردیش سے حضرت مولانا محمد حسن المعروف سراقہ رضوی کو نامہ نگار منتخب کیا گیا، جو حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اس طرح سے ہماری ایک متحرک اور فعال ٹیم تیار ہو گئی علیمی صاحب نے ہمارے بتائے ہوئے خاکے پر کام کرنا شروع کر دیا، سب سے پہلے تو انہوں نے اخبار کا فارمیٹ تیار کیا جس کو تیار کرنے میں دو سے تین دن لگ گئے، فارمیٹ تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے میرے بھائی، یہ تو پوری بلڈنگ کا اسٹرکچر تیار کرنا ہے، اخبار کی خاکہ بندی کے بعد مضامین کی سیٹنگ کا کام چلتا رہا، جمعرات کو اخبار نکلنا تھا منگل کی رات تک علیمی صاحب نے اخبار کا نوے فیصد کام کر دیا تھا کہ بدھ کی شام میں ایک بڑا حادثہ رونما ہوا، ان کی مین سیٹنگ اور اخبار کا پورا فارمیٹ فائنل فائل اوپن کرتے ہوئے مضامین اڑ گئے، اب تک کے پورے ہفتے کی محنت پہ پانی پھر گیا، ایڈیٹر صاحب ایک سخت صدمے سے دوچار ہو گئے۔

شعر

اس کے دل سے پوچھیے ناکامیوں کی لذتیں
جو مسافر لٹ گیا ہو جا کے منزل کے قریب

صبح میرے نمبر پہ میسج آیا کہ پورے اخبار کا مضمون اڑ گیا ہے۔ میں نے تین منٹ کی وائس ریکارڈ کر کے بھیجی جس میں کہا مشہور سائنسداں تھامس الوا ایڈیشن نے جب بلب ایجاد کیا تھا تو ۹۹۹ مرتبہ بلب جلانے میں ناکام رہا مگر ہمت نہیں ہاری سویں مرتبہ میں بلب جل گیا، کسی نے اس سے پوچھا آپ ۹۹۹ مرتبہ ناکام ہو گئے، تو تھامس نے بہت پیارا جواب دیا، میں ناکام نہیں ہوا بلکہ میں نے ۹۹۹ ایسے طریقے دریافت کر لیے جن سے بلب نہیں جل سکتا تھا۔ یہ مثال پیش کرتے ہوئے میں نے کہا آپ ناکام نہیں ہوئے ہیں بلکہ وہ طریقہ دریافت کر لیا ہے جس سے فائل تیار نہیں ہو سکتی تھی، اب ہمت سے کام لیں پھر محنت کریں، ابھی علیمی صاحب غور و فکر کے سمندر میں گم تھے کہ ایک مصباحی شاہین اٹھا اس نے کہا آپ کے پاس جو محفوظ فارمیٹ ہے اس کو بھیجیے باقی کام کی تکمیل میں کرتا ہوں، وہ شاہین جس کا نام بحیثیت سب ایڈیٹر تاریخ کے پنوں پر ثبت ہو چکا ہے مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی۔ انہوں نے صبح سے شام تک مسلسل کئی گھنٹے لگا کر دوبارہ مضامین کی سیٹنگ تیار کر دی، دونوں شاہینوں کی مدد سے ہمارا یہ اخبار وقت مقرر پر نکلنے میں کامیاب ہوا، کس مضمون کو کہاں رکھنا ہے؟

ہر صفحہ پر خبروں اور مضامین کی ترتیب کیا ہوگی، اس کی نشاندہی فقیر نے کی، پھر پورے اخبار پر اجمالی نظر ڈال کر اس کی تصحیح کی۔ قارئین کرام ابھی یہ ہماری ٹیم کا نیا تجربہ ہے اس میں کوئی بھی پروفیشنل آدمی نہیں ہے مگر یقین ہے کہ چند مہینوں میں ان کا یہ کام پروفیشنل لوگوں کے کاموں اور ان کے معیار کو چیلنج کرے گا یہ تھی ہلکی سی ایک سرگزشت جو قارئین کی معلومات میں اضافے کی خاطر اور اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی کے لیے راقم سطور نے سپرد قرطاس کر دی تا کہ آنے والا مورخ جب بھی قلم اٹھائے تو وہ رطب یابس سے پاک ہو کر اعتراف حقیقت کرے اور حقدار کو اس کا حق انصاف سے دے۔

ایک بات اور بڑی دلچسپ ہے وہ یہ کہ اخبار کی تیاری کو انتاراز میں رکھا گیا کہ ہمارے علماء کونسل کے کسی بھی بڑے ذمہ دار کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جب یہ اخبار منظر عام پر آگیا، اچانک اس کی اشاعت سے بہت سے لوگوں کے لئے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ واقعی نیپال سے اردو زبان کا کوئی سنی اخبار بھی نکل سکتا ہے!! آخر میں بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس مرد درویش اور قلندر صفت بزرگ کا ذکر نہ کروں جن کی دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی نے اس خاکسار کو یہ حوصلہ و قوت بخشی یعنی میرے مرشد کریم، مظہر کمالات، امام ربانی، مجمع الفضائل والبرکات حضور شیخ العالم پیر احمد رضا نقشبندی مجددی کمال پوری دامت برکاتہم العالیہ، آپ کا وجود اس روحانی زوال کے زمانے میں غربائے اہل سنت کے اوپر ایک شجر سایہ دار کے مانند ہے، امام ربانی مجدد الف ثانی کی استقامت اور حضور مفتی اعظم ہند کی کرامت اس دور زوال میں اگر دیکھنی ہو تو آپ کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھی جا سکتی ہے، راقم سطور کا تو یہ اذعان ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی ولایت پر قسم کھالے تو وہ حانث نہیں ہوگا، الحمد للہ نیپال اردو ٹائمز کو حضرت کی روحانی سرپرستی اور توجہ حاصل ہے۔

اس اخبار کی اشاعت کے بعد ملک و بیرون ملک سے علما و مشائخ کے جو گراں قدر تبصرے اور حوصلہ افزا تاثرات موصول ہوئے وہ ایک مستقل باب کا تقاضا کرتے ہیں آپ ان کو اسی شمارے میں ملاحظہ کریں گے۔ لیکن ان تاثرات میں دو ایسے تھے جنہوں نے ہمارے ناتواں کاندھوں اور کمزور بازوؤں میں قوت و توانائی کا جوش بھر دیا۔ ایک شخصیت کا نام مفکر قوم و ملت، فاضل صدام یونیورسٹی بغداد، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، ضلع بستی کے سابق پرنسپل، عربی زبان و ادب کے نابغۂ روزگار ناقد و محقق، علامہ ڈاکٹر انوار احمد خان البغدادی، پروفیسر بلغاریہ اسلامک اکیڈمی، روس کی ہے۔ اخبار نکلنے کی خبر جب اخبار کے ایڈیٹر مولانا عبد الجبار علیمی نیپالی کے توسط سے ان تک پہونچی، اخبار پڑھا تو ڈاکٹر صاحب کی باچھیں کھل گئیں، روس سے فون کیا اور بے پناہ دعاؤں سے نوازا، اور مالی معاونت کی یقین دہائی کروائی، دوسری شخصیت کا تعلق مرکز اہل سنت بریلی شریف سے ہے، وہ شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے نہایت لائق و فائق فرزند، معتمد حضور سبحانی میاں، ایڈیٹر ماہنامہ اعلی حضرت بریلی شریف، مولانا مفتی محمد سلیم بریلوی دام اقبالہ ہیں، جب ان تک یہ اخبار پہونچا تو ان کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی، فورا ایک مکتوب ہمارے کونسل کے مرکزی صدر حضرت مولانا سید غلام حسین مظہری کے نام لکھا اور مبارکباد پیش کرتے ہوئے مبلغ اکیس ہزار روپئے انڈین ہفت روزہ اخبار کے لئے پیش فرمایا۔ اگر اس طرح ہمارے مرکز سے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جماعت اہل سنت میں آج جو علمی و فکری گراوٹ آگئی ہے اس کا سد باب ہو سکتا ہے۔

ان کے علاوہ جن علما و مشائخ نے اس اخبار کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کی ان میں جانشین حضور شیخ الاسلام سید محمد حمزہ میاں دام ظلہ العالی، کچھوچھہ شریف، حضرت مولانا سید محمد جامی اشرف دام ظلہ العالی، کھمبات، گجرات، حضرت مفتی اعظم بہار مفتی ثناء اللہ خان صاحب سیتامڑھی، بہار، (حضرت نے اپنے نیک خواہشات کا اظہار کے ساتھ خوب دعاؤں سے نوازا)، قاضی نیپال حضرت مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی، جنکپور، ڈاکٹر محمد افضل مصباحی اسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو بنارس ہند، یونیورسٹی، حضرت مولانا برکت علی صاحب پرنسپل کاملیہ مفتاح العلوم، مہراج گنج، مفتی اعظم ہالینڈ مفتی شفیق الرحمن علیمی صاحب، مفتی کہف الوری مصباحی، نیپال گنج، مولانا حسنین رضا برکاتی علیمی، مفتی زاہد رضا منظری نقشبندی، مہوتری، مفتی مجیب قادری لہان، حجاز مقدس، مولانا شہاب الدین حنفی سمردہی، حجاز مقدس، مفتی حسنین رضا مصباحی، پھکولی شریف، مولانا مظہر حسین علیمی، مولانا ضیاء اللہ بخاری شمسی، مہوتری، مولانا عبد السلام امجدی برکاتی، قطر، حضرت مولانا نظام الدین قادری، بانی تحریک پیغام انسانیت، مہراج گنج، حضرت مولانا قاری بشیر القادری گلاب پوری، مولانا محمد فرقان فیضی،، حضرت مولانا الیاس علیمی، حضرت مولانا محمد رضا علیمی، مولانا آصف جمیل امجدی صحافی شان سدھارتھ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ بقیہ ہمارے وہ مشائخ اور علمائے کرام جنہوں نے لسانی یا قلمی طور پر ہمارا حوصلہ بڑھایا، تاثرات پیش فرمائے ہیں یہ گدائے قادری و نقشبندی سب کا شکریہ ادا کرتا ہے، آئندہ بھی وہ اپنے نیک مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے رہیں۔

محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی

* نیپال اردو ٹائمز جماعتِ اہل سنت کی صبح نو *

آج میر انوکِ قلم معطر ہو رہا ہے کہ نیپال اردو ٹائمز کی کچھ باتیں اس کی زبان پر آ رہی ہیں۔ کبھی وہ دن تھے کہ جماعتِ اہل سنت کی نمائندگی کرنے والا اخبار ہمارے لیے صرف سنہرا خواب تھا، دلوں میں مچلنے والی حسرت تھی، آنکھوں کے دائرے میں سجنے والا سپنا تھا، ہم دل مسوس کر رہ جاتے تھے جب بد مذہبوں کے کئی کئی اخبارات کا سنتے تھے۔ مگر جب پہلا شمارہ "نیپال اردو ٹائمز" کا نظر نواز ہوا تو آنکھیں محوِ حیرت رہ گئیں، دل کو پھر بھی یقین نہیں تھا کہ یہ سلسلہ چل بھی سکے گا، کیوں کہ اس سے قبل بھی ہمیں اپنی جماعت کے اخباروں کا حال یہاں سے ہندوستان تک معلوم تھا، مگر جب اس اخبار نے، اس کے زندہ دل و متحرک ارکان نے اپنا استحکام اور اس راہِ پر خار پر اپنی تیز گامی دکھلائی، اور اب اس اخبار کا سوواں (۱۰۰) شمارہ اپنی پوری توانائی و جلوہ سامانی کے ساتھ افقِ امید پر نمودار ہونے ہی والا ہے، تو خوشگوار جھونکوں کے ساتھ نسیمِ سحری نے اپنے سحر انگیز نغمے کانوں میں گھول دیے۔

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

یہ اخبار اب ہم سنیوں کے دل کی آواز بن چکا ہے اور ہمارے لیے باعثِ افتخار ہے۔ خداوندِ متعال اسے دوام بخشے، اور اس کی پوری ٹیم کو خصوصاً جواں سال عالمِ دین، سیال قلم کے مالک، صاحبِ فکرِ وسیع حضرت مولانا عبد الجبار علیمی اور باکمال مفتی و ماہرِ میراث حضرت مفتی کلام الدین نعمانی صاحب کو تمام غمِ دنیا سے آزادی بخشے، عمر میں برکت دے، تاکہ زیادہ سے زیادہ سنیت کی خدمت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترجمانی کر سکیں۔ آمین

محمد عثمان برکاتی مصباحی
بانی: مرکزی ادارہ شرعیہ پنج کشمیری تکیہ جامع مسجد، کاٹھمنڈو
وبانی و مہتمم: دار العلوم فیضانِ مدینہ، جنکپور ۱۶
جولائی ۲۰۲۶ء 29

نیپال اردو ٹائمز کے سو شمارے پر مخلص العلما * عالی جناب الحاج وصی الدین نورانی کا پیغام نیپال * اردو ٹائمز ادارتی ٹیم کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبد الجبار نیپالی صاحب کو میں بہت بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں جو آپ نے نیپال اردو ٹائمز شروع کیا یہ نیپال کے مسلمانوں کے لیے بہت اچھا کام ہو رہا ہے خاص طور سے اہلسنت و جماعت کا بہت بڑا کام ہو رہا ہے اس پلیٹ فارم سے جو میسج لوگوں کو پہونچتا ہے اس پر لوگ زیادہ یقین کرتے ہیں آپ لوگ بہت محنت کر رہے ہیں آپ کے اخبار صرف نیپال ہی نہیں ہندوستان میں بھی چرچہ ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

عبد الجبار علیمی صاحب آپ کا سوواں شمارہ خوبصورت انا چاہیے آپ جو کام کر رہے ہیں وہ بہت بڑا کارنامہ ہے ہم اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ کریم آپ سب کو سلامت رکھے۔

حاجی وصی الدین نورانی۔
ممبئ مہاراشٹرا
سابق صدر اعلیٰ جامعہ علیمیہ جمدا شاہی بستی

تاثر ادیب شہیر علامہ تنویر رضا ازہری حفظہ اللہ

اللہ جلّ مجدہٗ نے انسان کو اظہارِ بیان کی جو بے بہا نعمتیں عطا فرمائی ہے، اس کی ایک نہایت مؤثر اور اہم صورت پرنٹ میڈیا اور اخباری صحافت ہے۔ یہی وہ عظیم ذریعہ ہے جس کے توسط سے انسان اپنے افکار و خیالات کو نسل در نسل منتقل کرتا، اور حق و صداقت کی شمع کو فروزاں رکھتا ہے۔ اخبار محض خبروں کی ترسیل یا معلومات کے مجموعے کا نام نہیں، بلکہ یہ حقائق کی امانت دارانہ ترجمانی، قوموں کے فکری شعور کی آبیاری اور معاشروں کی اصلاح و رہنمائی کا ایک عظیم فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ زمانے کی رفتار کو قلم بند کر کے حق و صداقت کی آواز کو اربابِ اقتدار سے لے کر عام انسان تک پہنچانے کا مؤثر ترین پلیٹ فارم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں کے پس منظر میں ہمیشہ ایک بیدار صحافت اور باوقار اخبار کی کار فرمائی رہی ہے۔

تاہم یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اخبار و رسائل کی تصدیر کوئی معمولی کام نہیں، بلکہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کسی اخبار یا رسالے کا ایک شمارہ شائع کرنا بھی شبانہ روز محنت، فکری بصیرت، غیر متزلزل عزم و ارادت کا متقاضی ہوتا ہے۔ ایسے میں جب کوئی ادارہ مسلسل جد و جہد اور استقلال واستقامت کے ساتھ سو شماروں کی اشاعت کا اعزاز حاصل کر لیتا ہے تو یہ محض ایک عددیار سمی کامیابی نہیں رہتا، بلکہ علم و ادب، فکر و آگہی اور خدمتِ خلق کی ایک روشن اور تابندہ داستان بن جاتا ہے۔ یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ ادارے نے تمام تر مشکلات اور فکری و زمانی چیلنجز کے باوجود اپنے نصب العین کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔

اسی تناظر میں نیپال اردو ٹائمز کے سو شماروں کی تکمیل ایک معمولی یا اتفاقی کامیابی نہیں، بلکہ یہ عزم مسلسل، فکری استقامت اور علمی و صحافتی خدمت کا ایک درخشاں سنگِ میل ہے۔ اس کے یہ سو قیمتی شمارے در حقیقت سو ایسے روشن چراغ ہیں، جو ہند و نیپال میں یکساں طور پر علم و آگہی کی روشنی بکھیرتے رہے ہیں اور قوم و ملت کی فکری و اصلاحی رہنمائی کے فریضے کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے آئے ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز، ان خدمات کے اثرات آئندہ نسلوں تک محسوس کیے جاتے رہیں گے اور یہ صحافتی سفر آنے والے زمانوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہو گا۔

اس پُر مسرت اور مبارک موقع پر نیپال اردو ٹائمز کی پوری ٹیم، خصوصاً اس کے مدیرِ محترم حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب بجا طور پر ہدیۂ تبریک اور خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی ذاتی مصروفیات کے باوجود جس عزم و حوصلے، محنت و جذبے اور اخلاص و استقلال کے ساتھ اس صحافتی سفر کو جاری رکھا، وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ آج جبکہ صحافت کا ایک بڑا حصہ تجارتی مفادات اور سطحی رجحانات کی نذر ہوتا جا رہا ہے، ایسے میں علمی، فکری اور اصلاحی صحافت کے چراغ کو روشن رکھنا نہایت حوصلہ افزا اور لائقِ تقلید عمل ہے۔ سو شماروں تک اس سفر کو پوری آب و تاب کے ساتھ پہنچانا اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ مدیرِ محترم نے صحافت کو محض ایک پیشہ نہیں، بلکہ ایک دینی، ملی اور سماجی خدمت سمجھ کر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعیِ مسلسل فرمائی ہے۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مدیرِ محترم کی علمی و صحافتی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے قلم کو مزید قوت، تاثیر اور دوام بخشے، نیپال اردو ٹائمز کو حق و صداقت، علم و حکمت اور اصلاح و بیداری کا مؤثر ترجمان بنائے، اور اسے ملت و معاشرے کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنائے رکھے۔ آمین یارب العالمین۔ ✍️ تنویر رضا الازھری
خادم اشاعت الاسلام پرتاول مہراج گنج

سوویں شمارے کی اشاعت پر قاضی نیپال فاؤنڈیشن کا تہنیتی پیغام

مخیر قوم حضرت علامہ محمد سلامت علی رضوی صاحب قبلہ
صدر، قاضی نیپال فاؤنڈیشن

نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ شائع ہونا اردو صحافت، علمی و ادبی خدمات اور ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک تاریخی، قابلِ فخر اور خوش آئند سنگِ میل ہے۔ اس مبارک اور یادگار موقع پر قاضی نیپال فاؤنڈیشن کی جانب سے بانی و مہتمم حضرت علامہ مفتی محمد رضا قادری مصباحی صاحب، چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب، نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب، معاون ایڈیٹر حضرت مولانا سراقہ حسن رضوی صاحب، حافظ احمد رضا صاحب اور پوری ادارتی ٹیم کو دلی مبارکباد، نیک تمنائیں اور خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز نے اپنے آغاز سے لے کر آج تک اخلاص، محنت، بصیرت اور صحافتی دیانت داری کے ساتھ جس انداز میں خدمات انجام دی ہیں، وہ یقینا قابلِ ستائش ہیں۔ اس اخبار نے نہ صرف اردو زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے بلکہ نیپال اور بیرونِ ملک مقیم نیپالی مسلمانوں کے مسائل، احساسات، دینی و سماجی سرگرمیوں اور قومی و ملی خدمات کو مؤثر انداز میں عوام تک پہنچانے کا اہم فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

سو شماروں کی کامیاب اشاعت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نیپال اردو ٹائمز نے مختصر مدت میں اہلِ علم، اہلِ قلم اور عوام الناس کے درمیان اپنا ایک معتبر مقام قائم کیا ہے۔ یہ کامیابی ادارے کی استقامت، عوامی اعتماد اور پوری ٹیم کی شبانہ روز محنت کا ثمرہ ہے۔

قاضی نیپال فاؤنڈیشن کو اس بات پر بھی مسرت ہے کہ نیپال اردو ٹائمز کے آغاز سے لے کر آج تک، اپنی استطاعت کے مطابق اس کے ساتھ تعاون، حوصلہ افزائی اور خیر خواہی کا تعلق بر قرار رکھا ہے۔ اس ادارے کو آگے بڑھانے، عوامی سطح پر متعارف کرانے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے اور اردو صحافت کے میدان میں ایک مؤثر اور مضبوط آواز کے طور پر پیش کرنے کے لیے فاؤنڈیشن نے مختلف مواقع پر اپنا بھرپور تعاون پیش کیا ہے۔ ہم یہ اعادہ کرتے ہیں کہ قاضی نیپال فاؤنڈیشن ماضی کی طرح آج بھی نیپال اردو ٹائمز کے ساتھ کھڑی ہے اور مستقبل میں بھی اس کی ترقی، استحکام اور کامیابی کے لیے ہر ممکن تعاون جاری رکھے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی، مقبولیت اور استحکام عطا فرمائے، اس کے ذمہ داران، مدیران، قلمکاروں اور کارکنان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، اور اس ادارے کو ملتِ اسلامیہ، اردو زبان و ادب اور ملک و قوم کی خدمت کا ایک مضبوط، مؤثر اور قابلِ اعتماد ذریعہ بنائے۔
ہم تمام معاونین، قلمکاروں، قارئین اور خیر خواہوں کو بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں جن کی محبت، اعتماد اور تعاون سے یہ مبارک سفر اپنے سوویں شمارے تک پہنچا ہے۔
نیپال اردو ٹائمز کی سوویں اشاعت پر ہم اپنی جانب سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ روشن سفر آنے والے دنوں میں مزید کامیابیوں، کامرانیوں اور تاریخی سنگِ میلوں سے ہمکنار ہو۔

منجانب:
قاضی نیپال فاؤنڈیشن، نیپال
محمد سلامت علی رضوی
صدر، قاضی نیپال فاؤنڈیشن

کلمات تحسین

علامہ عبد القیوم صاحب قادری نائب مرکزی صدر علما فاؤنڈیشن نیپال

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب چیف ایڈیٹر اردو ٹائمز نیپال کو علماء فاؤنڈیشن نیپال اور تمام اراکین و ممبران کے جانب سے 💯 شمارہ اردو ٹائمز نیپال کے موقع پر آپ کی بے مثال صحافتی خدمات علمی صلاحیت اعلیٰ اخلاق اور غیر معمولی ادارتی قیادت پر دلی خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

آپ کی مدبرانہ مضامین نے اخبار کو وقار اور عوامی مقبولیت کی نئی بلندیوں تک پہنچایا ہے اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں آپ کی قدر قابل تعریف ہے آپ کی خدمت ہمیشہ یاد رکھی جائے گی
فاؤنڈیشن آپ کی انتھک محنت قومی و سماجی شعور جگانے کی کوششوں کی قدر دان ہے اور آپ کے لئے مزید کامیابی و صحت اور استقامت کی دعا گو ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کے قلم کو مزید اثر و قبول عطا فرمائے
آمین

عبد القیوم قادری سینیئر مرکزی نائب صدر علماء فاؤنڈیشن نیپال
فردوس بیگ اینڈ سپلائرس مرچیا ضلع سرہا نیپال ۹۸۵۲۸۴۰۷۸۶

کلمات تحسین

نازش صحافت ادیب شہیر حضرت علامہ و مولانا عبد الجبار علیمی صاحب قبلہ!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں گے۔

یہ خبر انتہائی مسرور کن ہے کہ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز اپنے صحافتی سفر کا عظیم سنگ میل عبور کرتے ہوئے ۱۰۰ واں شمارہ شائع کرنے جا رہا ہے اس دور قحط الرجال میں کسی اردو ہفت روزہ کا ۱۰۰ واں شمارے کا نکلنا ایک عظیم کارنامہ ہے جو آپ نے اپنی ٹیم کے ساتھ کر دکھایا ہے۔ اس کے لئے آپ اور آپ کی ٹیم قابل صد مبارک باد ہے

جیسا کہ قارئین پر عیاں ہے کہ، نیپال اردو ٹائمز، نے ہم تک صرف خبر نہیں پہنچائی ہیں بلکہ اس کے ذریعے صحافتی ادب کے فروغ کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کی بھی کوششیں کی ہیں۔ ہر شمارہ اسلامی تاریخ، سیرت، اور اسلامی شخصیات کے اہم گوشوں سے روشناس کراتا رہا۔ امت مسلمہ کے کرنٹ ایشوز پر آوازیں اٹھاتا رہا۔ اور اپنے صفحات کو جہاں کہنہ مشق قلم کاروں کے فکری مضامین سے مزین کیا وہیں نو آموز طلبہ کے لیے بھی اپنا دامن دل پھیلائے رکھا جس سے طلبہ کے اندر پختگی آئی اور ان کے حوصلے ٹوٹنے سے بچ گئے۔ میں جانتا ہوں یہ سب اتنا آسان نہیں رہا ہو گا لیکن وہ شاہین ہی کیا جو باد مخالف سے گھبرا کر پرواز ترک کر دے۔ آپ ہر طرح کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے ۱۰۰ واں شمارہ نکال رہے ہیں مجھے امید ہے کہ آگے کی منزلیں بھی پورے حوصلے کے ساتھ طے کرتے رہیں گے۔

ایک بار پھر آپ کو اور اپ کے سبھی شرکائے سفر کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں مولیٰ تبارک و تعالی نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی عطا فرمائے اور حاسدوں کی حسد سے محفوظ فرمائے آمین یارب العلمین۔

دعا گو: محمد رمضان امجدی
تنظیم المکاتب والمساجد مہراج گنج

کلمات تحسین

مخیر قوم و ملت حضرت علامہ سجاد احمد القادری مرکزی رکن علما فاؤنڈیشن نیپال

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ جملہ احباب گروپ باخبر ہوں گے

بہت ہی شادمانی کی بات ہے کہ نیپال اردو ٹائمز کا آنے والا شمارہ بحسن خوبی 💯 سو شمارہ پورا ہو رہا ہے اس 💯 شمارے پورا ہونے پر میں سجاد احمد القادری صمیم قلب کے ساتھ نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر بہت ہی مخلص کرم فرما محب گرامی و قار حضرت علامہ مولانا عبد الجبار علیمی صاحب قبلہ اور انکی پوری ٹیم کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے کثیر تر مصروفیات کے باوجود بے لوث خدمات انجام دیے ہیں جس کیلیے ہم علماء فاؤنڈیشن نیپال کے جملہ اراکین بہت بہت مشکور ہیں اللہ رب العالمین اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور سب کو صحت و سلامتی کے ساتھ درازی عمر بالخیر عطاء فرمائے نیپال اردو ٹائمز کو اللہ تعالیٰ مزید بام عروج عطاء فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

سجاد احمد القادری مدینہ جامع مسجد بٹول نیپال

چیف ایڈیٹر مولانا عبد الجبار علیمی صاحب کی خدمات پر خراجِ تحسین
مخلص العلما حضرت علامہ اکبر علی قادری فیضی صاحب

قلم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم امانت ہے، اور جب یہی قلم دین، ملت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے استعمال ہو تو وہ صدقۂ جاریہ بن جاتا ہے۔ آج کے اس پُر فتن دور میں ایسے افراد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے جو حق، سچائی اور اتحاد کا پیغام عام کریں۔ نیپال اردو ٹائمز اسی عظیم مقصد کی ایک روشن مثال ہے، جس کے چیف ایڈیٹر مولانا عبد الجبار علیمی صاحب اپنی علمی بصیرت، خلوص اور انتھک محنت کے ساتھ خدمت انجام دے رہے ہیں۔
مولانا عبد الجبار علیمی صاحب نے محدود وسائل کے باوجود اردو صحافت کو نیپال میں زندہ رکھنے اور اہلِ علم و ادب کو ایک مؤثر پلیٹ فارم فراہم کرنے کی قابلِ قدر کوشش کی ہے۔ نیپال اردو ٹائمز محض ایک اخبار نہیں بلکہ علم، شعور، اتحاد اور دینی و سماجی بیداری کا ترجمان ہے۔ اس کے ذریعے ملت کے مسائل کو اجاگر کرنا، علماء کی خدمات کو عوام تک پہنچانا اور نئی نسل کو اردو زبان و ادب سے جوڑنا ایک عظیم کارنامہ ہے۔
ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبد الجبار علیمی صاحب کو صحت، عافیت، استقامت اور مزید اخلاص عطا فرمائے، ان کے قلم میں برکت دے، ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور علماء فاؤنڈیشن نیپال اور نیپال اردو ٹائمز کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔
ملت کے تمام اہلِ علم، قلم کاروں اور نوجوانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس علمی و صحافتی مشن کا بھرپور تعاون کریں تاکہ سچائی، اتحاد اور اصلاح کا یہ سفر مزید مضبوطی کے ساتھ جاری رہے۔
اللہ تعالیٰ آپ کی تمام دینی، علمی اور صحافتی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

:: اکبر علی قادری فیضی
ضلع انچارج علماء فاؤنڈیشن روپندیہی نیپال
خادم.. مدرسہ اسلامیہ قادریہ اہل سنت فیض العلوم روہنی گاؤں پالیکا وارڈ نمبر ا بنی پور روپندیہی نیپال

مولانا عبد الجبار علیمی نظامی (چیف ایڈیٹر، نیپال اردو ٹائم) —خدمات و تاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحافت کسی بھی قوم کی فکری رہنمائی، سماجی اصلاح اور علمی بیداری کا اہم ذریعہ ہوتی ہے۔ نیپال میں اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے والے ممتاز صحافیوں میں مولانا عبد الجبار علیمی نظامی کا نام احترام سے لیا جاتا ہے، جو نیپال اردو ٹائم کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔
مولانا عبد الجبار علیمی نظامی نے اپنی ادارت کے ذریعے نیپال میں اردو صحافت کو نئی جہت عطا کی ہے۔ ان کی تحریروں اور ادارتی بصیرت میں دیانت، اعتدال، قومی یکجہتی، دینی شعور اور سماجی اصلاح کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے نیپال اردو ٹائم کو محض ایک اخبار نہیں بلکہ اردو زبان، اسلامی تہذیب اور عوامی مسائل کی مؤثر آواز بنایا ہے۔
نیپال اردو ٹائم اپنے قارئین تک مستند خبریں، علمی مضامین، دینی رہنمائی، ادبی تحریریں اور سماجی شعور پہنچانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس اخبار نے نیپال میں اردو زبان کے فروغ اور نئی نسل کو اپنی زبان و ثقافت سے جوڑنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔
ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبد الجبار علیمی نظامی کو صحت، عافیت اور استقامت عطا فرمائے، ان کے قلم میں مزید تاثیر پیدا فرمائے، اور نیپال اردو ٹائم کو ترقی، مقبولیت اور قبولیت کی نئی منزلیں عطا فرمائے تاکہ یہ ادارہ ہمیشہ حق، سچائی اور علم کی شمع روشن رکھے۔
آمین یارب العالمین۔

محمد ارشاد نوری

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

نیپال اردو ٹائمز کے جشنِ صد ہفتہ پر دلی مبارکباد

سید غلام حسین مظہری حفظہ اللہ
مرکزی صدر علما فاؤنڈیشن نیپال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ! یہ نہایت مسرت، فخر اور شکر کا مقام ہے کہ "نیپال اردو ٹائمز" نے کامیابی کے ساتھ اپنے مسلسل سو ہفتے مکمل کر لیے ہیں۔ یہ صرف ایک اخباری سفر نہیں بلکہ نیپال میں اردو زبان، اسلامی فکر، علمی شعور، ملی بیداری اور صحافتی دیانت کی ایک روشن تاریخ ہے، جس نے مختصر مدت میں عوام وخواص کے دلوں میں اپنی منفرد شناخت قائم کی۔

کسی بھی اخبار یا رسالے کے لیے مسلسل سو ہفتوں تک پابندی، معیار اور اعتماد کے ساتھ اشاعت جاری رکھنا معمولی کارنامہ نہیں بلکہ اخلاص، محنت، قربانی، بصیرت اور عزمِ صمیم کا ثمر ہے۔ نیپال اردو ٹائمز نے نہ صرف اردو زبان کی خدمت کی بلکہ دینی، تعلیمی، سماجی، ملی اور قومی مسائل کو بھی ذمہ داری اور جرأت کے ساتھ اجاگر کیا، جس کے لیے پوری ٹیم مبارکباد کی مستحق ہے۔

اس تاریخی موقع پر میں بالخصوص چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب قبلہ کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، جن کی دور اندیش قیادت، صحافتی بصیرت اور علمی ذوق نے اس ادارے کو ایک معتبر مقام عطا کیا۔ اسی طرح حضرت مولانا کلام الدین نعمانی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا حسن سراقہ رضوی صاحب قبلہ کی علمی وفکری خدمات، قیمتی مشاورت اور مسلسل تعاون بھی اس کامیابی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نیپال اردو ٹائمز کے تمام مدیران، معاونین، قلم کاروں، نامہ نگاروں، تکنیکی عملے، سرپرستوں، اشتہار دہندگان اور قارئین کو بھی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، کیونکہ کسی بھی صحافتی ادارے کی کامیابی پوری ٹیم کے اجتماعی اخلاص اور محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

آج جب اردو زبان مختلف چیلنجز سے دوچار ہے، ایسے میں نیپال اردو ٹائمز کا یہ کامیاب سفر اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اگر عزم مضبوط ہو، نیت خالص ہو اور مقصد ملت وزبان کی خدمت ہو تو وسائل کی کمی بھی راستہ نہیں روک سکتی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی، استحکام، مقبولیت اور وسعت عطا فرمائے، اس کے قلم کو حق وصداقت کا ترجمان بنائے، اس کے تمام ذمہ داران کو صحت، عافیت اور اخلاص کے ساتھ مزید خدمتِ دین، ملت اور اردو زبان کی توفیق عطا فرمائے، اور اس ادارے کو آئندہ بھی علم، ادب، اتحاد اور اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنائے۔

جشنِ صد ہفتہ کی اس تاریخی کامیابی پر ایک بار پھر چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب قبلہ، حضرت مولانا کلام الدین نعمانی صاحب قبلہ، حضرت مولانا حسن سراقہ رضوی صاحب قبلہ اور نیپال اردو ٹائمز کے تمام اراکین کو دلی مبارکباد، نیک تمنائیں اور دعائیں۔

مبارک ہو! صد ہفتہ سے ہزاروں ہفتوں تک کامیابیوں کا یہ سفر یونہی جاری رہے۔ آمین۔

خیر اندیش:
سید غلام حسین مظہری
مرکزی صدر، علماء فاؤنڈیشن نیپال

حوصلہ افزا کلمات

خلیفۂ برہان ملت حضرت مفتی محمد مصلح الدین قادری برہانی صاحب قبلہ*

ملک نیپال سے شائع ہونے والا اردو زبان و ادب کا واحد ہفتہ وار اخبار اپنی تمام تر کامیابیوں کے ساتھ مختلف مراحل سے گزر کر سوواں شمارہ آب و تاب کے ساتھ منظرِ عام پر آرہا ہے یہ اخبار شعبہ ہائے زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرتا ہے اور نیپال میں اردو زبان و ادب کا ایک نایاب تحفہ ہے بغیر کسی خلل کے مسلسل سو شماروں کا نکلنا اپنے آپ میں ایک مثال ہے نیپال جیسے سنگلاخ ملک میں زبانِ اردو کے فروغ کے لیے ادبائے نیپال کا یہ کارنامہ تاریخ رقم کر رہا ہے

ہم اس کے بانی، سرپرست، مدیر، معاونین، متعلقین اور متوسلین کی خدماتِ عالیہ میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور متمنی ہیں کہ یہ اخبار یوں ہی آب و تاب کے ساتھ منصۂ شہود پر آتا رہے اور شائقین فیض یاب ہوتے رہیں۔

اس اخبار نے چند معتبر نمبر بھی نکالے ہیں جو ریکارڈ میں موجود ہیں بالخصوص مخدوم نیپال حضرت علامہ مفتی محمد حنیف القادری بیلاوی ثم گلاب پوری کی حیات و خدمات پر شائع ہونے والا وقیع نمبر بہت مقبول و مشہور ہوا اور اہلِ ہند کے ادباء نے بھی اسے پسند فرمایا

اس اخبار کے توسط سے بیک وقت مذہبی، سیاسی، سماجی، ادبی، علمی، ملی اور ثقافتی خدمات انجام دی جارہی ہیں مؤرخِ نیپال حضرت مولانا مفتی محمد رضا مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور و حضرت مولانا مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب اور حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب اور اس جریدہ کے جملہ محررین، اہل قلم کی بارگاہ ناز میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں، جن کی انتھک جدوجہد اور کاوشوں کے نتیجے میں یہ علمی و ادبی مرقع پروان چڑھ رہا ہے۔

* اس دور کی علمی و ادبی خدمات کی روشنی میں یہ کہا جانا بجا ہے کہ یہ عصر علمی انحطاط کا نہیں ہے بلکہ علمی انبساط کا ہے *

نیپال کے نوجوان اہل قلم کا یہ ادبی ذوق ملاحظہ کر کے میں بہت خوش ہوں اور مجھے اب اطمنان قلبی حاصل ہے کہ سلف کے چھوڑے ہوئے نقوش کو بام عروج پر لے جانے میں یہ ادباء پیش پیش نظر آرہے ہیں

ساتھ ہی دعا گو ہوں کہ یہ ہفتہ وار اخبار ترقی کرتے ہوئے یومیہ اخبار بن جائے اور اردو زبان و ادب کی خدمت کا یہ مبارک سفر اسی طرح کامیابی و کامرانی کے ساتھ جاری وساری رہے

از قلم:
محمد مصلح الدین قادری رضوی برہانی
شیخ الحدیث، مدرسہ حبیبیہ اسلامیہ، لعل گوپال گنج، الہ آباد، یوپی
۲۸/۷/۲۰۲۶ء، بروزِ منگل، قبل از عصر

سوویں تاریخی شمارے کے موقع پر قارئین کے نام

بڑی مسرت اور قلبی اطمینان کے ساتھ نیپال اردو ٹائمز کے سوویں تاریخی شمارے کے موقع پر اپنے تاثرات پیش کر رہا ہوں۔ کسی بھی اخبار کے لیے سو شماروں کی مسلسل آن لائن اشاعت محض ایک عددی کامیابی نہیں بلکہ عزم، استقامت، دیانت، فکری پختگی اور اپنے مشن سے غیر متزلزل وابستگی کا زندہ ثبوت ہوتی ہے۔ یہ سفر اس بات کی علامت ہے کہ ادارے نے تمام تر مشکلات کے باوجود اپنے قارئین کے اعتماد کو برقرار رکھا اور اردو صحافت کے چراغ کو روشن رکھنے کی ذمہ داری بخوبی نبھائی۔

اس اخبار کی سب سے نمایاں خوبی اس کا متوازن اندازِ صحافت ہے۔ اس کے صفحات پر عالمی اور ملکی خبریں، اداریے، سیاسی و سماجی تجزیے، علمی و تحقیقی مضامین، ادبی تخلیقات، مذہبی مباحث، شخصیات کا تعارف اور مختلف النوع معلوماتی مضامین مسلسل شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہی تنوع اسے صرف ایک اخبار نہیں بلکہ ایک علمی و ادبی دستاویز بناتا ہے، جس سے مختلف عمر اور مختلف فکر کے قارئین یکساں طور پر استفادہ کرتے ہیں۔

مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ برادرِ محترم عبد الجبار علیمی نظامی کی دعوت پر گزشتہ کئی ماہ سے اس کے اداریہ صفحہ میں مختلف موضوعات پر لکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ میری کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ ایسے موضوعات کا انتخاب کروں جو محض وقتی تبصرے نہ ہوں بلکہ قوم، معاشرے اور نئی نسل کے لیے فکری رہنمائی کا ذریعہ بن سکیں۔ تعلیم، سماجی اصلاح، قومی ہم آہنگی، نوجوانوں کی ذمہ داریاں، اردو زبان کی بقا، دینی واخلاقی اقدار اور عصری تقاضوں جیسے موضوعات پر اظہارِ خیال کرنا میرے لیے باعثِ سعادت رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ صحافت کی اصل طاقت صرف خبر پہنچانے میں نہیں بلکہ شعور پیدا کرنے، اختلاف کو تہذیب میں ڈھالنے، حقائق کو دیانت کے ساتھ پیش کرنے اور معاشرے میں امید اور اعتماد کی فضا قائم کرنے میں مضمر ہے۔ ایک ذمہ دار اخبار وہی ہوتا ہے جو عوام کی آواز بھی بنے، معاشرے کا آئینہ بھی ہو اور اصلاح کا ذریعہ بھی۔ نیپال اردو ٹائمز نے اس سمت میں قابلِ قدر پیش رفت کی ہے اور امید ہے کہ آئندہ بھی یہ روایت مزید مضبوط ہوگی۔

اس کامیابی کا سب سے بڑا سہرا اس کے چیف ایڈیٹر، برادرِ محترم عبد الجبار علیمی نظامی کے سر جاتا ہے، جنہوں نے محدود وسائل کے باوجود غیر معمولی محنت، اخلاص، استقامت اور اردو زبان سے بے لوث محبت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔ کسی بھی اخبار کو مسلسل جاری رکھنا آسان کام نہیں، خصوصاً ایسے ماحول میں جہاں علاقائی زبانوں اور ڈیجیٹل ذرائع ابلاغ کا غلبہ بڑھ رہا ہو۔ ایسے حالات میں نیپال اردو ٹائمز کا مسلسل شائع ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اخلاص اور عزم کے سامنے مشکلات اپنی حیثیت کھو دیتی ہیں۔

تاہم یہ سفر ابھی مکمل نہیں ہوا۔ آنے والے برسوں میں اس اخبار کو تحقیق، نوجوان قلم کاروں کی تربیت، آرکائیوز کی تیاری، خواتین اور نوجوانوں کی نمائندگی، اور نیپال میں اردو کی علمی و ادبی تاریخ کے تحفظ جیسے میدانوں میں بھی نمایاں کردار ادا کرنا چاہیے۔

میں تمام اہلِ قلم، اساتذہ، طلبہ، محققین، شعراء، ادباء اور اردو زبان سے محبت رکھنے والے ہر فرد سے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ نیپال اردو ٹائمز کو اپنا اخبار سمجھیں۔ اپنی معیاری تحریروں، قیمتی آراء، تعمیری تنقید اور عملی تعاون کے ذریعے اس قومی و علمی مشن کو مزید مضبوط بنائیں۔ زبانیں صرف بولنے سے زندہ نہیں رہتیں بلکہ لکھنے، پڑھنے، شائع کرنے اور نئی نسل تک منتقل کرنے سے زندہ رہتی ہیں۔

سوویں شمارے کا یہ تاریخی موقع ہمیں صرف ماضی کی کامیابیوں پر خوش ہونے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ آئندہ سو شماروں کے لیے نئے عزم، نئی توانائی اور وسیع تر وژن کے ساتھ آگے بڑھنے کا پیغام بھی دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نیپال اردو ٹائمز آنے والے برسوں میں بھی حق، علم، اعتدال، تہذیب اور قومی خدمت کی اسی روشن روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نیپال میں اردو صحافت کی تاریخ میں اپنا منفرد مقام مزید مستحکم کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی، استحکام، مقبولیت اور وسعت عطا فرمائے، اس کے مدیر، قلم کاروں، معاونین اور قارئین کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، اور اس ادارے کو نیپال میں اردو زبان وادب، صحافت اور قومی ہم آہنگی کی خدمت کا مضبوط اور دیرپا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
مشیر، نیپال اردو ٹائمز

اخبار اردو ٹائمز کے سوویں شمارے کی اشاعت پر دلی مبارکباد ونیک خواہشات

مکرمی
چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب نائب ایڈیٹر حضرت مفتی کلام الدین نعمانی صاحب قبلہ مد ظلہما العالی
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والا یہ پہلا اردو اخبار جس طرح کم وقت میں اردو داں طبقہ میں اپنا معیار قائم کیا ہے اور اپنا ایک مقام حاصل کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس میں آپ حضرات کی بے لوث محنت وکدو کاوش کار فرما ہے جس کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالامال فرمائے۔۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والا یہ پہلا اخبار ہے جو قائین کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے اور جس کا انتظار قارئین کو ابتدا ہی سے رہتا ہے۔۔سچ کہوں تو ابتدا سے ہی مجھے بھی اس سے بے لوث محبت ہے اور میں بھی اس کا بے صبری سے انتظار کرتا رہتا ہوں۔۔

اور جیسے ہی یہ موبائل کے اسکرین پہ نمودار ہوتا ہے سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کے مشمولات کو پڑھا جائے۔ اخبار کے مشمولات بے حد معلوماتی ہوتے ہیں اب جبکہ اس کا سوواں شمارہ نکلنے جارہا ہے تو بے حد خوشی ہو رہی ہے اور دل سے دعا نکل رہی ہے کہ مولا تعالیٰ اس اخبار اردو ٹائمز کو اوج ثریا کی بلندی پر پہونچائے، حاسدین کے حسد بد نظروں کی نظر بد سے بچائے اور اس کے ایڈیٹر نائب ایڈیٹر اور پوری ٹیم کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا فرمائے۔۔۔

* دعا گو *
* محمد نعیم الدین قادری گلاپوری ۸۸۴۰۱۵۸۹۰۰ *

اظہار حقیقت

اظہارِ خیال کے مختلف ذرائع میں تحریر کو ہمیشہ ایک مرکزی اور مؤثر حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کی تاثیر صرف حال تک محدود نہیں رہتی بلکہ مستقبل میں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ تاہم تحریر کی مؤثر ترسیل کے لیے ایک منظم، باوقار اور ذمہ دار پلیٹ فارم ناگزیر ہوتا ہے، جہاں سماجی، معاشرتی، اقتصادی، عائلی، ملی اور شرعی مسائل کو صحیح انداز میں پیش کیا جاسکے۔

اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مؤرخِ نیپال حضرت علامہ مفتی محمد رضا مصباحی نقشبندی نے بالخصوص نیپال اور اس کے سرحدی علاقوں، اور بالعموم عالمِ اسلام کے لیے "نیپال اردو ٹائمز" کی صورت میں ایک ایسے مؤثر پلیٹ فارم کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد سماجی، معاشرتی، اقتصادی، عائلی، ملی اور شرعی مسائل کی درست ترجمانی اور ان کی مؤثر ترسیل کو یقینی بنانا ہے۔

الحمدللہ! اپنے یومِ تاسیس سے لے کر آج تک یہ ادارہ پوری ذمہ داری، دیانت داری، حسنِ انتظام اور صحافتی وقار کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا چلا آرہا ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسی عزم، استقامت اور خلوص کے ساتھ اپنی علمی، فکری اور ملی خدمات کا سفر جاری رکھے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ ۳۰ جولائی، بروز جمعرات، ۲۰۲۶ء کو "نیپال اردو ٹائمز" کا سوواں شمارہ منظرِ عام پر آنے جارہا ہے، جو اس کے صحافتی سفر کا ایک اہم اور قابلِ فخر سنگِ میل ہے۔

اس ادارے کو اس مقام تک پہنچانے میں اربابِ قرطاس و قلم کی مخلصانہ کاوشیں شامل رہی ہیں، خصوصاً حضرت علامہ عبد الجبار علیمی چیف ایڈیٹر، حضرت علامہ مفتی کلام الدین نعمانی نائب ایڈیٹر اور معاون ایڈیٹر مولانا سراقہ حسن رضوی کی مسلسل جدوجہد، علمی معاونت اور اخلاص قابلِ تحسین ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے علم و قلم میں مزید برکتیں نازل فرمائے، اور "نیپال اردو ٹائمز" کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مزید مفید، مؤثر اور بابرکت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

ابو الامجد محمد ظاہر حسین مصباحی نوناہی، سیتامڑھی بہار

سو شماروں کا سفر...

تاثرات:- ابو خالد قاسمی
خادم جامعہ اسلامیہ گلزار قرآنیہ کلچھینہ غازی آباد۔

چراغِ راہ نہ جلتے تو کارواں نہ چلتے
جو لوگ خود ہی جلے ہیں، وہی اجالے

وقت ہمیشہ شور مچانے والوں کو یاد نہیں رکھتا، وہ خاموشی سے اپنا کام کرنے والوں کے نام بھی محفوظ کر لیتا ہے۔ "نیپال اردو ٹائمز" کا سوویں شمارے تک پہنچ جانا اسی خاموش استقامت کی ایک دل آویز مثال ہے۔

کتنے ہفتے بیت گئے، کتنے موسم گزر گئے، کتنی سرخیاں آئیں اور فراموش ہو گئیں؛ مگر ایک قافلہ تھا جو بغیر کسی ہنگامے کے اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ ہر جمعرات، ہر ہفتہ، ہر شمارہ... گویا عہد کی پیشانی پر ثبت ایک نئی سطر۔ آج وہی سطریں مل کر ایک ایسی کتاب بن گئی ہیں جس کا عنوان ہے: سو شماروں کی امانت۔

صحافت کی دنیا میں ابتدا کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، لیکن اپنے مزاج، اپنے وقار اور اپنی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے مسلسل سفر کرتے رہنا ہر شخص کے حصے میں نہیں آتا۔ یہ سعادت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کے لیے قلم روزگار کا وسیلہ نہیں، کردار کی ترجمانی ہوتا ہے۔

مولانا عبد الجبار علیمی صاحب نے اس سفر میں ایک مدیر کی حیثیت سے کم، ایک امین کی حیثیت سے زیادہ کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے لفظوں کی حفاظت بھی کی، زبان کی آبرو بھی سنبھالی اور قارئین کے اعتماد کو بھی کبھی ٹھیس نہیں پہنچنے دی۔ یہی وہ سرمایہ ہے جو کسی اخبار کو عمر بخشتا ہے۔

سوواں شمارہ کسی ہدف کا اختتام نہیں؛ یہ تو اس درخت کی پہلی گھنی شاخ ہے جس کی جڑوں میں برسوں کی محنت، اخلاص اور خاموش خدمت کا پانی ڈالا گیا ہے۔ آج اس کی چھاؤں میں اہلِ اردو بیٹھ کر اطمینان محسوس کرتے ہیں، اور یہ اطمینان کسی ایک دن کی کمائی نہیں، ایک طویل ریاضت کا ثمر ہے۔

دعا ہے کہ "نیپال اردو ٹائمز" کا یہ قافلہ یونہی منزلیں طے کرتا رہے، اس کے صفحات ہمیشہ فکر کی تازگی، قلم کی دیانت اور زبان کی شائستگی سے معطر رہیں، اور آنے والے برسوں میں جب اس کے دو سو، تین سو اور اس سے آگے کے شمارے منظرِ عام پر آئیں تو تاریخ بھی گواہی دے کہ نیپال کی سرزمین پر ایک چراغ ایسا بھی تھا جس نے روشنی بانٹنے کے لیے کبھی اپنے آپ کو تھکنے نہیں دیا۔

بعض کامیابیاں جشن نہیں مانگتیں، احترام چاہتی ہیں۔ نیپال اردو ٹائمز۔ کا سوواں شمارہ بھی انہی کامیابیوں میں سے ایک ہے۔

قدم قدم پہ نئے مرحلے، نئی منزل
سفر کی شان یہی ہے کہ کارواں چلتا رہے۔

ہم قید میں ہیں اب بھی، چہرے بدل گئے ہیں!

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ:8099695186

دہلی کے جنتر منتر پر ان دنوں تاریخ کا سب سے بڑا احتجاج جاری ہے، پیپر لیکس کے خلاف لاکھوں طلباء اور نوجوان ملک کے مختلف شہروں میں سڑکوں پر ہیں۔ دارالحکومت دلی کے جنتر منتر اور پارلیمنٹ تک جانے والی سڑکوں پر جو مناظر دیکھے جارہے ہیں، اس بارے میں کہا جارہا ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں میں نوجوانوں کا ایسا ہجوم حکومت سے سوال کرنے کے لیے سڑکوں پر نہیں نکلا، لاکھوں نوجوان کسی سیاسی جماعت کی کال پر نہیں بلکہ موجودہ چیف جسٹس کے ایک طنز سے وجود میں آنے والی جماعت، کاکروچ جنتا پارٹی کی کال پر ملک کے مختلف شہروں سے اپنے مستقبل کو لیکر پریشان حال طلباء اور کم عمر بچیاں اس انقلابی تحریک کا حصہ بن رہے ہیں، اسی لئے غیر ملکی میڈیا میں اسطرح کے سوال اٹھائے جارہے ہیں کہ کیا اِن مظاہروں کو انڈیا کی "جین زی" تحریک کہنا درست ہو گا؟ کیا اب بھارتی وزیرِ اعظم نریندر مودی سے سخت سوال اور انکا محاسبہ ہونے لگا ہے؟ کیا اب ملک کے لوگوں کو غلامی کا احساس ہو چلا ہے؟ کیا لوگ اب سمجھنے لگے ہیں کہ ہم اب بھی قید میں ہیں، ہمیں غلام بنالیا گیا اور ہماری آزادی کو سلب کرلیا گیا ہے؟ ہر طرف تبصرے ہورہے ہیں۔ کوئی اسے طلبہ کی جیت قرار دے رہا ہے، کوئی حکومت کی ناکامی تو کوئی مختلف تنظیموں کے کردار پر گفتگو کر رہا ہے اور بہت سے لوگوں کی نگاہیں پارلیمنٹ کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں ملک کے حالات ایک نئی کروٹ لیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کی دیوار کمزور ہوتی ہے تو سڑکیں آباد ہو جاتی ہیں اور سوالوں سے بھر جاتی ہیں، کیونکہ پارلیمنٹ کا راستہ اسی سڑک سے ہو کر گذرتا ہے، شاہین باغ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہ سے اٹھنے والی آواز کو آہنی پنجوں سے کچل کر یہ پیغام دیا گیا کہ ہماری حکومت میں آواز اٹھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ اسی طرح کچل دئے جاؤگے اور پھر یہ سمجھ لیا گیا کہ اب بھارت ہمارے باپ کی جاگیر ہے، ہم جو چاہیں گے، کریں گے، کوئی ہمارے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا اور اب جنتر منتر یہ صرف مقامات نہیں، بلکہ وہ نام ہیں جو ہندوستان میں احتجاج، اختلافِ رائے اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی بحث کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، جنتر منتر پر طلبہ اور مظاہرین کے خلاف پولیس کارروائی کی تصاویر اور ویڈیوز جب منظرِ عام پر آتی ہیں تو یہ لوگوں کو ماضی کے ان واقعات کی یاد دلاتی ہیں جن میں مختلف احتجاجی مقامات پر طاقت کے بے جا استعمال کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ ایسے مناظر کسی بھی حساس معاشرے کے لیے باعثِ تشویش ہوتے ہیں، کیونکہ اختلافِ رائے کو جمہوریت کا ایک بنیادی حصہ سمجھا جاتا ہے، تحریک شاہین باغ ہو، طلبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مظاہرے ہوں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے واقعات ہوں، کسان آندولن، یا پھر کوئی اور تحریک ہو، ان ساری تحریکوں نے ایک بنیادی سوال کھڑا کیا تھا کہ اگر یہ ملک آزاد ہے، یہاں جمہوریت اور جمہوری نظام قائم ہے تو پھر شہریوں کو اپنی بات پر امن انداز میں رکھنے کا پورا موقع ملنا چاہیے؟ دوسری طرف حکومت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ امن و امان برقرار رکھے اور اسکے لئے ایسے تمام حادثات کی غیر جانبدارانہ تحقیق اور قانون کے مطابق احتساب ضروری ہے تاکہ اگر کہیں اختیارات کا ناجائز استعمال ہوا ہو تو اسکے ذریعہ انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے اور اگر کہیں قانون شکنی ہوئی ہو تو اس کا مناسب قانونی جواب دیا جائے، جمہوریت کی اصل طاقت صرف انتخابات نہیں، بلکہ اس بات میں ہے کہ ملک کے شہری اختلافِ رائے کا اظہار آزادانہ طور پر کر سکیں، اپنی حکومت سے سوال پوچھ سکیں، اسکی جواب دہی طے کر سکیں اور اپنی آواز بلند کر سکیں۔ جب سوال پوچھنے والے خوف محسوس کرنے لگیں تو سماج زنگ آلود اور کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح احتجاج کرنے والوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مطالبات پر امن اور آئینی طریقوں سے پیش کریں، تاکہ ان کی آواز زیادہ مؤثر اور باوقار انداز میں سنی جاسکے، ظاہر ہے یہ چیزیں کسی ایک جماعت، ایک مذہب، ایک زبان یا ایک نظریے کی نہیں ہیں۔ آج اگر کسی ایک طبقے کی آزادیِ اظہار متاثر ہوتی ہے تو کل یہی خطرہ کسی دوسرے طبقے کے سامنے بھی آسکتا ہے۔ اس لیے شہری آزادیوں کا دفاع اصولوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ صرف اس وقت جب متاثر ہونے والا ہمارا ہم خیال ہو اور ہم مذہب ہو، ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زندہ اور حساس معاشرہ وہی ہے جہاں اختلاف کو دشمنی نہیں سمجھا گیا، بلکہ مکالمے کا ذریعہ بنایا گیا۔ نفرت کے بجائے دلیل، تشدد کے بجائے قانون، اور خاموشی کے بجائے آئینی آواز ہی ایک جمہوری سماج کو مہذب و ترقی یافتہ بناتی ہے اور آگے لے جاتی ہے۔ آج اگر کہیں کسی طالب علم، مزدور، کسان، صحافی یا عام شہری کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے تو اس کے لئے آواز اٹھانا صرف اس شخص کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا اخلاقی فریضہ ہے۔ انصاف کا اصول یہی ہے کہ وہ سب کے لیے یکساں ہو، چاہے متاثرہ شخص کسی بھی مذہب، ذات، زبان یا سیاسی نظریے سے تعلق رکھتا ہو، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود انسانی وقار، آئین کی بالادستی، قانون کی حکمرانی اور پرامن جمہوری اظہار کے حق کا احترام کریں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ایک مضبوط اور آزاد معاشرے میں سانس لیں تو ہمیں انصاف، مکالمہ اور دستوری راستے کو ہی اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنانا ہو گا۔ آواز اٹھانا ہر کسی کا جمہوری حق ہے، مگر اس کے ساتھ ذمہ داری، تحمل اور قانون کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ایک بہتر ہندوستان اسی وقت ممکن ہے جب ہر شہری بلاخوف و دہشت اپنی بات کہہ سکے اور ہر ادارہ اپنے آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے۔ جنتر منتر کے علاوہ ملک کے کئی شہروں میں ہونے والے طلبا مظاہرین پر پولس نے لاٹھی چارج کیا، انتہائی بے رحمی سے انھیں پیٹا گیا، آنسو گیس کے گولے چھوڑے گئے، انکے ساتھ ظلم و بربریت کی تمام حدیں پار کی گئیں، ان سب کے باوجود ان طلبا کا اپنے حق کیلئے اٹھنا اور پولیس تشدد کے خلاف ڈٹ جانا ایک بہت اچھی خبر کہی جاسکتی ہے، جس نے ملک کے دیگر تمام طبقات، سیاسی جماعتوں انفلوئنسرز کو بھی ان کی حمایت کرنے پر مجبور کردیا، ملک کی تقریبا ساری اپوزیشن پارٹیاں کھل کر انکی حمایت کررہی ہیں، کیونکہ طلبا جب سڑکوں پر نکلتے ہیں تو پھر قافلے بنتے چلے جاتے ہیں، اس سے قبل سری لنکا، بنگلہ دیش اور نیپال وغیرہ میں طلبا انقلاب کے سارے مناظر اپنی آنکھوں سے ہم سب ابھی حال ہی میں دیکھ چکے ہیں، جنتر منتر پر طلباء کے ساتھ ہوئی پولس کی غنڈہ گردی اور لاقانونیت کو لیکر ایک وکیل نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس آف انڈیا سوریہ کانت کی قیادت والی بنچ کے سامنے اس معاملے کو رکھا اور اسکی حساسیت کے پیش نظر عدالت عظمی کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا کہ قومی دارالحکومت میں کاکروچ جنتا پارٹی کے سنسد چلو مارچ کے دوران دہلی پولیس نے جس بے رحمی سے طلباء کو اس لئے مارا پیٹا کہ انھوں نے امتحان کا پرچہ لیک ہونے پر مرکزی وزیر تعلیم دھرمیندر پردھان سے استعفیٰ مانگا، وکیل نے سی جے آئی کی سربراہی والی سہ رکنی بنچ کے سامنے استدلال کیا کہ پولیس نے طلباء کو مارا پیٹا۔ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا اسلئے یہ معاملہ انتہائی حساس ہے، اس پر توجہ دی جائے اور اسے سنا جائے، بنچ میں جسٹس سوریہ کانت کے علاوہ جسٹس جویمالیہ باغچی اور وی موہنا بھی شامل تھے۔ وکیل نے زور دیا کہ مظاہرین کے خلاف آنسو گیس اور دیگر اقدامات کا استعمال کیا گیا تو چیف جسٹس آف انڈیا سوریہ کانت نے وکیل سے کہا، "ہمارے پاس ویڈیو دیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے، ہمارا وقت ضائع نہ کریں اور اپنا وقت بھی ضائع نہ کریں۔ آپ کا وقت ہمارے وقت سے زیادہ قیمتی ہے۔" وکیل نے دلیل دی کہ طلباء کچھ اہم مطالبات کر رہے ہیں: ایک، یہ کہ نیٹ کا امتحان مفت اور منصفانہ ہونا چاہئے؛ نیشنل ٹیسٹنگ ایجنسی کو تحلیل کردیا جائے، لیکن سی جے آئی نے واضح کیا کہ بنچ ان کی درخواست پر غور کرنے کا خواہاں نہیں ہے اور ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسکا سیدھا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عدالت عظمی اور چیف جسٹس کو اتنے اہم معاملے کی حساسیت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، کیا ایک آزاد ملک کی عدالت عظمی اور چیف جسٹس کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے؟ کیا کسی آزاد ملک میں بروقت انصاف کی فراہمی اسی طرح ہوتی ہے؟ ملک کے لاکھوں طلبا اور نوجوان سڑکوں پر ہوں، اپنے مطالبات کا اعلان کر رہے ہوں، تعلیمی نظام میں پیدا ہونے والی بے راہ روی اور من مانی کا ذکر کر رہے ہوں لیکن سپریم کورٹ کے لئے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے آخر ایسا کیوں؟ حالانکہ ان جیسے حساس معاملے پر عدالت کو خود ہی ایکشن لینا چاہئے تھا اور سوموٹو کے ذریعے اپنے اختیارات کا استعمال کرنا چاہئے تھا، لیکن یہ سب تو کسی آزاد اور جمہوری ملک میں ہوتا ہے، بھارت جب آزاد ہی نہیں ہے تو یہاں یہ سب کیونکر ممکن ہو؟ میں پچھلے کئی برسوں سے یہ لکھتا رہا ہوں کہ اب بھارت کو غلام بنا لیا گیا، دستور کو پیروں تلے روند کر یہاں جمہوریت کا جنازہ کئی سال پہلے پڑھا جاچکا ہے اور ملک سے جمہوریت بہت پہلے ختم ہو چکی ہے، یہ بات ہمارے جیسے بہت سارے لوگ کہتے اور لکھتے رہے ہیں، ابھی کل ہی کانگریس پارٹی کی قائد پرینکا گاندھی نے جنتر منتر کے طلبا سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا کہ ملک سے جمہوریت ختم ہو چکی ہے، پارلیمنٹ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غیر جمہوری ہے، ایوان میں طلباء کے مسائل پر بحث نہیں ہونے دیا جارہا ہے، جبکہ جمہوریت میں سب سے بڑی چیز اظہار رائے کی آزادی اور پرامن احتجاج کا حق ہوتی ہے، انھوں نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر کو پارلیمنٹ میں بولنے نہیں دیا جاتا، ہم لوگ جب بھی بولنے کے لئے اپنی نشست سے اٹھتے ہیں ہمیں روک دیا جاتا ہے، عوامی مسائل کے لئے اسپیکر سے رجوع کرتے ہیں اور بحث کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ حکومت سے پوچھ کر بتائیں گے، یہ سب کیا ہے؟ یہ کیسی جمہوریت ہے؟ جمہویت تو ملک سے ختم کر دی گئی ہے۔ کاکروچ جنتا پارٹی کے مارچ میں 20 جولائی کو جو کچھ ہوا، تاریخ بتاتی ہے کہ پولس کی ایسی بربریت، انگریز بہادر کے راج میں بھی نہیں ہوا وہ دور غلامی تھا لیکن انگریز حکمراں کچھ نہ کچھ آزادیِ رائے کا خیال رکھتے تھے۔ آج کی طرح زبان بندی سے اجتناب کرتے تھے، 19 جولائی کی شام سے ہی جنتر منتر پر نوجوان، سیاسی وغیر سیاسی لیڈران اور کارکنان کے علاوہ بڑی تعداد میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں وہاں جمع ہوگئے، فٹ پاتھ اور سڑکوں پر پوری رات لڑکے، لڑکیوں نے جاگ کر گزارا، صبح سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مارچ کی تیاری کرنے لگے۔ 9 بجے صبح سے ہی مارچ کا آغاز ہوگیا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک نہ ہوں اس کے لئے حکومت نے دہلی کی بس سروسز اور میٹرو ریل کو بند کر دیا تھا۔ آج جبکہ یہ تحریر لکھی جارہی ہے دہلی بند ہے کم از کم بیس میٹرو اسٹیشن اور درجنوں بسیں اب بھی بند ہیں، سڑکوں پر جگہ جگہ بیریکیٹ اور بلاکیڈ لگا دیا گیا تھا۔ اسکے باوجود نوجوانوں، بزرگوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ بیریکیڈ توڑدئے گئے۔ مارچ کرنے والے پارلیمنٹ کی طرف رواں دواں ہوگئے۔ روکنے کے لئے ٹیئر گیس کا گولا داغا گیا، پانی کی بوچھار کی گئی اور لاٹھی چارج کیا گیا جس کی زد میں آکر کئی لڑکے لڑکیاں بے ہوش ہوگئے۔ درجنوں زخمیوں کو علاج کے لئے ہاسپٹل منتقل کیا گیا۔ دہلی پولس جس بے رحمی سے نوجوانوں پر لاٹھیاں برسا رہی تھی اس کے سارے مناظر سوشل میڈیا اور یوٹیوبر پیش کر رہے تھے۔ پولس کی وردی سے نام پلیٹ غائب تھے، سول ڈریس میں پولس کے ظالمانہ اقدام کو دنیا بھر کے لوگ دیکھ رہے تھے۔ پولس اور ریزرو فورسز کے لوگوں کی نادانی اور حماقت دیکھئے کہ جو نوجوان اپنا گھر بار، اپنی ڈیوٹی، اپنے کاروبار اور کام کاج چھوڑ کر بھوکے، پیاسے شہریوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے آئے تھے، جس میں پولس یا ریزرو فورسز کے لڑکے اور لڑکیاں بھی شامل ہیں لیکن ان سپاہیوں کا ضمیر اتنا مردہ ہوچکا ہے کہ وہ جس پر بے دریغ لاٹھیاں برسا رہے ہیں وہ حقیقت میں اپنے بچے بچیوں کے مستقبل پر ضرب لگا رہے ہیں اور انھیں خطرے میں ڈال رہے ہیں، اگر ملک میں اظہارِ رائے کی آزادی ہوتی اور احتجاج و مظاہرے کا حق سلب نہیں کیا گیا ہوتا تو 20 جولائی کو دہلی اور آس پاس کے مظاہرین اور احتجاجیوں سے جنتر منتر بھر جاتا، خوف و ہراس کا ماحول اور جگہ جگہ رکاوٹوں کے باوجود لاکھوں لوگوں کا سیلاب صرف چند گھنٹے میں دارالحکومت میں جس طرح ٹھاٹھیں مارنے لگا اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر لاکھوں لوگ ظلم و ستم سہتے ہوئے پارلیمنٹ کی گیٹ تک، لاٹھیاں کھاتے ہوئے پہنچ گئے، اس طرح پورے دہلی میں افراتفری کا ماحول تھا اور اب تو پورے ملک میں بے اطمینانی کی فضا بنی ہوئی ہے، سڑک سے لیکر پارلیمنٹ تک سب ٹھپ پڑا ہے، پارلیمنٹ کا آج چوتھا دن ہے لیکن کوئی کام وہاں پچھلے چار دنوں سے نہیں ہو رہا ہے، طلبا کا یہ ملک گیر احتجاج کسی بڑے انقلاب کی آہٹ تو نہیں؟ ملک کے ہر فرد کو اس تاریخ ساز مظاہرے کی حمایت کرنی چاہئے، ہر پارٹی کو اسکا خیر مقدم کرنا چاہئے، اس میں شریک ہو کر آمریت اور فسطائیت کی دیوار کو ہمیشہ ہمیش کے لئے منہدم کر دینا چاہئے تاکہ ملک میں جنگل راج کے بجائے قانون کا راج قائم ہو، ہر ایک کو یہاں مکمل حقوق حاصل ہوں، سب کے ساتھ انصاف ہو، حکومت کوئی بھی ہو وہ تاناشاہی کے بارے میں کبھی سوچنے کی غلطی نہ کر سکے، شہریوں کو پریشان نہ کرے بلکہ لوگوں کو سہولت اور آسانی مہیا کرنے کی کوشش کرے۔ 'ایس آئی آر'، 'این آر سی' وغیرہ کی کارروائی سے عام لوگوں کی زندگی اجیرن نہ بنائی جائے۔ لہذا آپ بھی اٹھئے، اپنے گھروں سے نکلئے، لاکھوں نوجوانوں کی فکرمندی و انکی پکار کو سنئے اور حقیقی آزادی تک ایک بار پھر اس میں حتی الامکان اپنی حصے داری ادا کیجئے۔ کیونکہ بقول شاعر ملک کے ہر شہری کے دل کی آواز یہی ہے کہ

ہم قید میں ہیں اب بھی، پہرے بدل رہے ہیں
بس ظلم کرنے والے چہرے بدل رہے ہیں
اب تک ہماری چیخوں کی داستاں وہی ہے
ہم ان سنے ہیں اب بھی، بہرے بدل رہے ہیں

(مضمون نگار معروف صحافی اور سیاسی تجزیہ نگار ہیں)

sarfarazahmedqasmi@gmail.com

نیپال اردو ٹائمز: ہمارے ارمانوں کی دنیا۔ نائب ایڈیٹر

ہملاؤ اور مہا بھارت کے برف پوش سلسلوں کی آغوش میں بسا نیپال اپنی قدرتی خوبصورتی، تہذیبی تنوع اور امن و آشتی کا گہوارہ ہے۔ یہ سرزمین جہاں سندرتا اور روحانیت کا حسین امتزاج ہے، وہاں یہ مختلف زبانوں اور ثقافتوں کا مسکن بھی رہی ہے۔ اس تکثیری سماج میں اردو زبان کی موجودگی اور اس کی حلاوت ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

صحافت کسی بھی بیدار معاشرے کی روح اور اس کی آواز ہوتی ہے۔ یہ محض خبروں کی رسائی کا ذریعہ نہیں بلکہ قوموں کا ضمیر، ان کی بیداری اور تہذیبی بقا کا علمبردار ہے۔ جہاں مواصلات کے ذرائع محدود ہوں اور اقلیتی زبانوں کے لیے مواقع کی کمی ہو، وہاں صحافت کا راستہ اختیار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ نیپال جیسے خطے میں اردو صحافت کی مشعل روشن رکھنا کسی عجوبے سے کم نہیں، کیوں کہ اردو یہاں کے دلوں میں تو بساتی ہے لیکن اسے ایک منظم صحافتی صورت دینا ہمیشہ ہمت، ایثار اور لازوال جذبے کا تقاضا کرتا رہا ہے۔

*** ابتدائی شمارے سے سوویں شمارے تک ***

"نیپال اردو ٹائمز" محض ایک اخبار کا نام نہیں، بلکہ ہمارے ارمانوں کی وہ دنیا ہے جس کی بنیاد خوابوں، امیدوں اور انتھک محنت کے پتھروں پر رکھی گئی۔ پہلے شمارے کی اشاعت سے لے کر سوویں شمارے کی منزلِ مقصود تک کا سفر آسان نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا پرخار راستہ تھا جہاں مالی بحران کی تند و تیز ہوائیں تھیں، اور تکنیکی وسائل کا شدید فقدان۔

ابتدائی ایام میں اخبار کو پریس ریلیز کرنا، اور ہر شمارے کو وقت پر قارئین کی حضور پہنچانا ایک ہفتہ وار کا معرکہ تھا۔ بعض اوقات وسائل کی کمی نے حوصلوں کو آزمانا چاہا، تو کبھی نامساعد حالات نے رکاوٹیں کھڑی کیں، لیکن نیپال میں اردو کا علم بلند رکھنے کا جنون ہر دشواری پر غالب آیا۔ مشکلات آئیں، آزمائشیں ہوئیں، لیکن "نیپال اردو ٹائمز" کا کارواں تھما نہیں۔ پہلا شمارہ اگر ایک نادیدہ خواب کی تعبیر کا آغاز تھا، تو سوواں شمارہ اس استقامت اور عزیمت کی بین دلیل ہے جو محنت اور خلوصِ نیت کے بل بوتے پر حاصل ہوئی۔

*** ادارتی ٹیم کی مساعی جمیلہ ***

کسی بھی میڈیا ہاؤس یا اخبار کی بقا اس کی پشت پر کھڑی اس ٹیم کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو پسِ پردہ رات دن خونِ جگر جلاتی ہے۔ "نیپال اردو ٹائمز" کی اس شاندار کامیابی اور سو شماروں کی منزل تک رسائی میں ہمارے سرپرستِ اعلیٰ کی باوقار سرپرستی، اور رہنما خطوط کا ہمارے ایڈیٹر کی شب و روز کی محنت، بصیرت اور صحافتی وقار کا تحفظ اس اخبار کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی قائدانہ صلاحیتوں نے اخبار کو نہ صرف معیاری بنایا بلکہ اس کے لیے ایک مضبوط فکری رخ بھی متعین کیا۔ اسی طرح معاون ایڈیٹرز اور جملہ ادارتی ٹیم کی مساعی جمیلہ، جن کا ایک ایک قطرۂ عرق اس اخبار کے اوراق کو جلا بخشتا رہا، قابلِ صد تحسین ہے۔ رپوڈنگ سے لے کر لے خبریں، اور مواد کے انتخاب سے لے کر حتمی شکل دینے تک، اس پوری ٹیم نے جس لگن، ڈسپلن اور قربانی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب مقصد سچا ہو تو وسائل کی کمی بھی آڑے نہیں آتی۔

ایک اخبار اپنے لکھنے والوں کی فکر اور اپنے پڑھنے والوں کے اعتماد کے بغیر بے روح ہوتا ہے۔ ہم تہہ دل سے ممنون ہیں اپنے ان تمام گرامی قدر قلم کاروں اور دانشوروں کے، جنہوں نے اپنے علمی، ادبی اور فکری مضامین سے "نیپال اردو ٹائمز" کے صفحات کو وقار اور حسن بخشا۔ ان کی قلمی معاونت ہی اس اخبار کی اصل توانائی ہے۔

ہم اپنے تمام نامہ نگاروں اور نمائندوں کے بھی بے حد ممنون ہیں جو دور دراز علاقوں میں بیٹھ کر خبروں کی بروقت فراہمی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے محترم قارئین جو اس اخبار کا حقیقی اثاثہ اور ہماری ارمانوں کی دنیا کے اصل مکین ہیں۔ ان کی محبت، تجاویز، اصلاحی تنقید اور مسلسل پذیرائی نے ہی ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں اس اخبار کا ہونا ہی ہماری محنت کا اصل صلہ ہے۔

سو شماروں کا یہ سفر محض ایک ہندسہ نہیں بلکہ ایک عہد کی کہانی ہے۔ استقامت کی، اردو زبان سے محبت کی، اور صحافتی اقدار کے تحفظ کی کہانی۔ "نیپال اردو ٹائمز" نے تمام تر نامساعد حالات کے باوجود نیپال کی سرزمیں پر اردو کا جو دیپ جلایا ہے، وہ ان شاء اللہ اسی طرح روشن رہے گا۔

یہ اخبار نیپال میں اردو بولنے، پڑھنے اور سمجھنے والوں کے جذبات کا آئینہ دار تھا، ہے اور رہے گا۔

یقیناً یہ وہی ارمانوں کی دنیا ہے، جس کا خواب ہماری ٹیم نے پہلے شمارے سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ آزمائشوں اور دشواریوں کے طویل سفر کے بعد، آج الحمد للہ وہ خواب سوویں شمارے کی جاذبِ نظر صورت میں ہمارے سرپرست اعلی، چیف ایڈیٹر اور جملہ اراکینِ ادارہ کی مساعیِ جمیلہ، خلوصِ نیت اور جہدِ مسلسل کے ذریعہ شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ یہ محض ایک شمارے کی اشاعت نہیں، بلکہ ہماری اجتماعی کاوشوں کی کامیابی کا روشن ثبوت ہے۔

بارگاہِ رب العزت میں دعاگو ہوں کہ اے ربِ کریم ہمارے اس عاجزانہ جذبے اور محنت کو قبول فرما۔ "نیپال اردو ٹائمز" کو مزید ترقی، مقبولیت اور دوام عطا فرما۔ اس کارواں سے وابستہ تمام افراد، سرپرستوں، ایڈیٹرز، قلم کاروں اور قارئین کو صحت، سلامتی اور ہمت عطا کر تاکہ یہ علمی و صحافتی سفر اسی ذوق و شوق کے ساتھ جاری و ساری رہے۔ اردو زبان کا پرچم نیپال کی وادیوں میں ہمیشہ فروزاں رہے۔

اردو زبان کا پرچم نیپال کی وادیوں میں ہمیشہ فروزاں رہے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامین الکریم ﷺ

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز
بنوٹا، مہوتری، نیپال

۱۴/ صفر المظفر ۱۴۴۸ھ
۱۴ گتے ساون ۲۰۸۳ بکرم
۲۰۲۶/۰۷/۳۰ بروز جمعرات

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

*نیپال میں اردو صحافت کا تاریخی ارتقاء، چیلنجز اور مستقبل

*✍ مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی *خادم التدریس دارالعلوم رحیمیہ پیلیر آندھرا پردیش

ہفت روزہ *"نیپال اردو ٹائمز"* کا سوواں شمارہ شائع ہونا ایک جریدے کا سفر نہیں، سوویں قدم کی کامیابی کی روشن دلیل ہے۔ اس تاریخ ساز موقع پر ہم ادارے کے سرپرستوں، مدیران اور تمام تعاون کرنے والوں کو دل کی عمیق گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ بالخصوص چیف ایڈیٹر عبدالجبار علیمی، معاون ایڈیٹرز محمد حسن سراقہ رضوی اور عبدالمصطفیٰ عارفی، نیز نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمان اور ان کی تمام انتظامی و ادارتی ٹیم مبارکباد کی مستحق ہے جن کی محنت سے یہ جریدہ قارئین کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب رہا۔ نیپال کی سرزمین سے اردو زبان کا یہ پرچم بلند رکھنا ایک عظیم علمی و اخلاقی خدمت ہے۔

اردو زبان کی آفاقیت کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ یہ جغرافیائی حدود میں مقید رہنے کے بجائے جہاں بھی پہنچی، وہاں کے مقامی ماحول اور تہذیب کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک نیا رنگ اختیار کر گئی۔ نیپال اور ہندوستان کے درمیان صدیوں سے کھلی سرحدیں، مشترکہ ثقافتی رشتہ اور دوستانہ تعلقات قائم رہے ہیں۔ اسی جغرافیائی و تہذیبی قربت کے نتیجے میں اردو زبان نیپال کی وادیوں اور ترائی کے علاقوں میں پہنچی۔

ہندوستان کے شمالی حصوں بالخصوص اتر پردیش اور بہار سے لوگوں کی آمد و رفت اور تجارتی تعلقات نے نیپال میں اردو کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ ابتدائی دنوں میں اردو کا استعمال تجارت، باہمی مکالمے اور مذہبی تعلیم تک محدود تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ زبان مقامی لوگوں کے احساسات، جذبات اور فکر کے اظہار کا ایک خوبصورت ذریعہ بن گئی۔ نیپال کے مسلمان شہریوں نے نہ صرف اس زبان کو اپنے سینوں سے لگایا، ترجیح دی اور سنبھالا، سوان کے علاوہ یہاں کے دیگر برادری کے افراد نے بھی اس کی شائستگی اور شیرینی سے متاثر ہو کر اسے اپنایا۔

کسی بھی خطے میں جب کوئی زبان نفوذ کرتی ہے تو وہ وہاں کی مقامی بولیوں کے ساتھ گھل مل کر اپنا وجود قائم کرتی ہے۔ نیپال میں بھی اردو نے نیپالی، میتھلی اور بھوجپوری جیسی مقامی زبانوں کے ساتھ باہمی ہم آہنگی پیدا کی۔ علم و ادب کے شائقین نے یہاں شعر و سخن کی محفلیں سجائیں، مشاعرے منعقد کیے اور علمی نشستوں کا اہتمام کیا۔

نیپال کی ادبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسے بیدار مغز قلمکار اور شعراء پیدا ہوئے جنہوں نے محدود وسائل کے باوجود اردو ادب کے دامن کو وسیع کیا۔ انہوں نے نہ صرف روایتی غزلیہ شاعری کی، سو اس کے ساتھ ساتھ اپنے خطے کے مسائل، نیپال کی قدرتی خوبصورتی اور وہاں کے انسانوں کے دکھ درد کو بھی اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔

جب کسی زبان میں ادبی اثرات گہرے ہو جاتے ہیں، تو اس کے بعد ذرائع ابلاغ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نیپال میں بھی اردو ادب کا فکری سفر آہستہ آہستہ صحافت کی سمت بڑھا۔ تحریر کو عوامی سطح پر پہنچانے، معاشرتی بیداری پیدا کرنے اور اقلیتی حقوق و مسائل کو حکومتی ایوانوں تک پہنچانے کے لیے اخبارات و رسائل کی اہمیت دوچند ہو گئی۔

اردو صحافت کی شروعات نیپال میں ایک دشوار گزار مرحلہ تھا، کیونکہ وسائل کی کمی اور قارئین کی محدود تعداد کے باعث کسی اخبار کا باقاعدگی سے نکلنا آسان نہ تھا۔ اس کے باوجود یہاں کے مخلص اہل القلم نے ہمت نہ ہاری اور اپنے جذبے کے ساتھ اس صحافتی سفر کا آغاز کیا۔

ابتدائی صحافتی کوششیں اور سرفروشانہ جذبہ

نیپال میں اردو صحافت کی شروعات کسی تجارتی یا منافع بخش منصوبے کے تحت نہیں ہوئی تھی، اس کے پیچھے اردو زبان کی محبت، قومی بیداری اور دینی و ملی احساسات کارفرما تھے۔ ابتداء میں مختصر صفحات پر مشتمل ماہنامے اور ہفت روزے منظر عام پر آئے جن کا مقصد مقامی آبادی میں تعلیمی و سماجی شعور بیدار کرنا تھا۔ ان رسائل نے ناگفتہ بہ حالات اور شدید مالی بحران کے باوجود اپنا وجود برقرار رکھا۔

ان ابتدائی مطبوعات کو ٹائپ نگاری، طباعت اور کاغذ کی فراہمی کے شدید ترین مسائل کا سامنا تھا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ ایک جریدہ چند شماروں کی اشاعت کے بعد بند ہو گیا، مگر اہل قلم کا جذبہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ کسی ایک اخبار کا بند ہونا دوسرے نئے جریدے کی ولادت کا سبب بن جاتا۔ اس دور کے صحافیوں نے اپنی ذاتی گرہ سے رقم خرچ کر کے اردو کے چراغ کو روشن رکھا اور یہ ثابت کیا کہ نظریاتی وابستگی تمام ظاہری رکاوٹوں پر غالب آجاتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیپال کی سیاست اور معاشرت میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ جمہوریت کی آمد اور ذرائع ابلاغ کی آزادی کے بعد اردو صحافت کو بھی ایک نیا تنفس ملا۔ اس نئے دور میں اردو صحافیوں نے اپنے دائرہ کار کو صرف مذہبی یا ادبی خبروں تک محدود نہیں رکھا، سو ملکی سیاست، معیشت، تعلیم اور سماجی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کیا۔

اس ارتقائی سفر میں نیپال کے ترائی کے اضلاع جیسے نیپال گنج، بیر گنج، بانکے اور ویرات نگر وغیرہ اردو صحافت کے اہم مراکز بن کر ابھرے۔ ان علاقوں سے نکلنے والے اخبارات و جرائد نے نیپالی مسلمانوں کے مسائل کو حکومت کے ایوانوں تک پہنچانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ انہوں نے مقامی لوگوں کو اپنے آئینی حقوق سے آگاہ کیا اور انہیں قومی دھارے میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔

"نیپال اردو ٹائمز" کا ظہور اور تاریخی پیش رفت

اسی طویل اور کٹھن صحافتی سفر کی ایک نہایت روشن اور مستحکم کڑی ہفت روزہ *"نیپال اردو ٹائمز"* کا قیام ہے۔ یہ جریدہ اس وقت منظرِ عام پر آیا جب نیپال میں اردو صحافت کو ایک منظم، باوقار اور باقاعدہ اخبار کی شدید ضرورت تھی۔ اس کی آمد نے نیپال کے صحافتی افق پر ایک نیا باب رقم کیا۔

"نیپال اردو ٹائمز" نے ابتداء ہی سے اپنے معیار، خبروں کی صداقت اور بہترین طرزِ تحریر پر توجہ دی۔ اخبار نے صحافت کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو اپنایا اور بغیر کسی تعصب کے تمام طبقات کی نمائندگی کی۔ سو شماروں کی مسلسل اور باقاعدہ اشاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ ادارے کے منتظمین اور صحافیوں نے اسے وقت گزار مشغلہ نہیں بنایا، سو ایک بیدار مغز مشن کے طور پر آگے بڑھایا۔

خبروں سے آگے: فکری و ادبی آبیاری

"نیپال اردو ٹائمز" کی ایک بڑی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے خود کو صرف سنسنی خیز خبروں تک محدود نہیں رکھا۔ اخبار کے صفحات میں ادبی نگارشات، تحقیقی مضامین، فکری مقالات اور دینی و اصلاحی کالموں کو خصوصی جگہ دی گئی۔ اس طرزِ عمل نے قارئین کے ذوقِ مطالعہ کو جلا بخشی اور نیپال کے نئے قلمکاروں کو اپنی صلاحیتیں سنوارنے کا موقع فراہم کیا۔

اس جریدے نے جہاں ایک طرف مقامی مسائل کو اجاگر کیا، وہاں دوسری طرف عالمی و علاقائی حالات پر بھی عمیق تجزیے پیش کیے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اخبار نہ صرف عام قارئین کے لیے معلومات کا ذریعہ بنا، سو علمی و ادبی حلقوں میں بھی اسے احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

اردو صحافت کو درپیش مسائل اور چیلنجز

نیپال میں اردو صحافت کا سفر جتنا شاندار اور ایمان افروز رہا ہے، اس کی راہ میں آنے والی مشکلات بھی اتنی ہی کٹھن رہی ہیں۔ اقلیتی زبان ہونے کے سبب اسے سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود اردو کے پاسبانوں نے کبھی اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے، تاہم ان چیلنجز کا تجزیہ کرنا مستقبل کی حکمتِ عملی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

سب سے بڑی اور بنیادی رکاوٹ مالی وسائل کی عدم دستیابی رہی ہے۔ کسی بھی اخبار کو باقاعدگی سے شائع کرنے کے لیے پائیدار مالی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو اخبارات کو سرکاری اشتہارات اور تجارتی اداروں کی سرپرستی بہت کم میسر آتی ہے، جس کی وجہ سے مدیران کو اپنی ذاتی آمدنی یا محدود تعاون پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورتحال کالم نگاروں اور صحافیوں کو ان کا مناسب معاوضہ دینے میں بھی مانع بنتی ہے۔

* قارئین کی کمی اور تعلیمی مسائل *

دوسرا بڑا مسئلہ اردو پڑھنے والے قارئین کی دن بہ دن کم ہوتی ہوئی تعداد ہے۔ جدید دور میں مادری زبانوں کی تعلیم سے دور اور انگریزی یا مقامی زبانوں کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان نے اردو پڑھنے کی صلاحیت کو متاثر کیا ہے۔ نئی نسل اگرچہ اردو بول اور سمجھ لیتی ہے، لیکن رسم الخط سے ناواقفیت کے باعث اخبارات و رسائل سے ان کا تعلق کمزور ہوتا چلا گیا۔

اس کے علاوہ اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں اردو کی باقاعدہ تدریس کے مناسب انتظامات نہ ہونے سے بھی یہ مسئلہ شدید تر ہو گیا۔ جب تک کسی زبان کے پڑھنے والے پیدا نہیں ہوں گے، اس زبان کے اخبارات کے لیے اپنے وجود کو برقرار رکھنا اور ان کی فروخت کو بڑھانا ایک کٹھن مرحلہ بنا رہے گا۔

وسائل کی قلت اور فنی دشواریاں

طبعاتی اور فنی اعتبار سے بھی نیپال کے اردو صحافیوں کو سخت مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ معیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ اور ہائی اسپیڈ پرنٹنگ کی سہولیات کا نہ ہونا اخبار کے معیار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اردو خطاطی اور جدید سافٹ ویئر سے واقف ماہرین کی کمی کے باعث اخبار کی بروقت اور خوبصورت اشاعت میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔

تقسیم اور ترسیل کا نظام بھی ایک بڑا مسئلہ رہا ہے۔ نیپال کے پہاڑی اور دور دراز علاقوں میں اخبارات کو بروقت پہنچانا انتہائی دشوار گزار کام ہے۔ اس ترسیلی نظام کے نقائص کے سبب اکثر قارئین تک اخبار کئی روز تاخیر سے پہنچتا ہے، جس سے خبر کی تازگی اور اخبار کی افادیت پر حرف آتا ہے۔

اس تمام ترنامساعد حالات کے باوجود نیپال کے اردو صحافیوں کا جذبہ قابلِ صد تحسین ہے۔ انہوں نے ان تمام تر دشواریوں کو اپنے عزم و حوصلے کی راہ میں دیوار نہیں بننے دیا۔ وہ محدود ترین وسائل میں بھی اعلیٰ فکری اور معیاری مواد قارئین تک پہنچانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔

"نیپال اردو ٹائمز" کی پائیداری اور اس کے سو شماروں کا کامیابی سے نکلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر نیت میں سچائی اور مقصد سے خلوص ہو تو تمام ترنامساعد حالات کے باوجود بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑے جاسکتے ہیں۔ اس جریدے نے ثابت کیا کہ پختہ ارادے کے سامنے مالی و فنی رکاوٹیں عارضی ثابت ہوتی ہیں۔

* جدید ڈیجیٹل دور اور اردو صحافت *

اکیسویں صدی میں ٹیکنالوجی کے انقلاب نے پوری دنیا کے صحافتی منظرنامے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ جہاں پرنٹ میڈیا کو نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، وہیں ڈیجیٹل دنیا نے اردو صحافت کو سرحدوں سے آزاد کر کے ایک نیا وسیع افق بھی فراہم کیا۔ نیپال کی اردو صحافت نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور اپنے وجود کو مؤثر بنانے کے لیے نئے طریقوں کو اپنانا شروع کیا۔

انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور آنلائن ذرائع کی آمد سے اردو صحافیوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنی تحریریں اور اخبارات دنیا بھر میں پھیلے قارئین تک فوری پہنچا سکیں۔ نیپال جیسے ملک سے شائع ہونے والے مضامین اور خبریں اب ہندوستان، پاکستان، خلیجی ممالک اور یورپ میں بیٹھے اردو دان بھی آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔ اس نے نیپالی قلمکاروں کی تحریروں کو آفاقی پہچان بخشی۔

پرنٹ اور آن لائن صحافت کا ربط

ڈیجیٹل دور کا ایک بڑا فائدہ یہ سامنے آیا کہ کاغذی اشاعت کے اخراجات اور ترسیل کی دشواریوں کا حل نکل آیا۔ پی ڈی ایف نسخوں، ای-پیپرز اور پورٹلز کے ذریعے اخبارات کی رسائی ہزاروں قارئین تک بلا تاخیر ممکن ہو گئی۔ اس ٹیکنالوجی نے نیپال کے صحافیوں کو یہ موقع دیا کہ وہ مالی قلت کے باوجود اپنا پیغام دور تک پہنچا سکیں۔

تاہم، اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ڈیجیٹل میڈیا کے باوجود کاغذی اخبار کی اپنی ایک الگ وقعت، وقار اور دائمی حیثیت ہے۔ مطالعہ کا جو احساس ہاتھ میں اخبار یا کتاب لے کر پڑھنے میں ہے، وہ اسکرین پر میسر نہیں آتا۔ اس لیے عقلمندی اسی میں ہے کہ کاغذی اور ڈیجیٹل دونوں ذرائع کو ایک ساتھ ملا کر آگے بڑھا جائے۔

نیپال کے نئے صحافتی امکانات

نیپال میں اردو صحافت کے لیے موجودہ دور انتہائی امید افزا ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہاں کے صحافی اور ادارے جدید تکنیکوں کو اپنائیں تو وہ اپنی آواز کو مزید توانا بنا سکتے ہیں۔ ویب سائٹس، موبائل ایپلیکیشنز اور سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز کا صحیح استعمال کر کے نئی نسل کو اردو زبان و ادب کے ساتھ دوبارہ جوڑا جا سکتا ہے۔

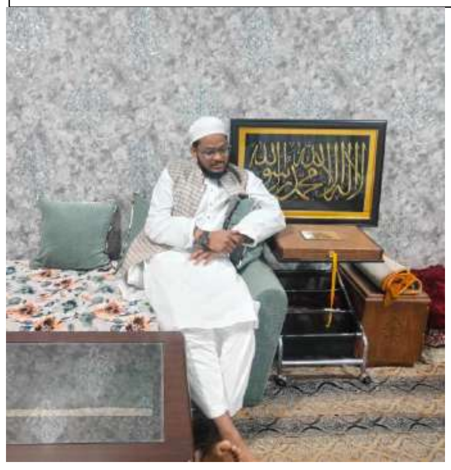

اس کے ساتھ ساتھ نیپال کے مقامی مسائل، سیاحت، ثقافت اور نیپالی مسلمانوں کے احوال پر مبنی تحریروں کو عالمی سطح پر پڑھا جا رہا ہے۔ یہ صورتحال نیپالی صحافیوں کے لیے ایک سنہری موقع ہے کہ وہ اپنے منفرد موضوعات کے ذریعے بین الاقوامی اردو دنیا میں اپنا ایک ممتاز مقام بنائیں۔

* "نیپال اردو ٹائمز" کا تجدیدِ عہد *

اس نئے دور کے تقاضوں کو پورا کرنے میں "نیپال اردو ٹائمز" کا قدم ہمیشہ آگے رہا ہے۔ اس اخبار نے نہ صرف روایتی صحافت کا معیار برقرار رکھا، سو جدید تکنیکی تقاضوں سے بھی ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ سوویں شمارے کا سنگِ میل عبور کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ادارے نے وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے رجحانات کو سمجھا اور ان کے مطابق اپنی پیش رفت جاری رکھی۔

یہ جریدہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر نیپال کے اہل قلم جدید دور کے سائنسی ذرائع کا درست استعمال کریں تو زبان و ادب کی اشاعت کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں اور صحافت کی لو کو پہلے سے بھی زیادہ روشن کیا جا سکتا ہے۔

29 جولائی ۲۰۲۶ء بروز بدھ بعد نماز عصر

گلہائے تہنیت

ہمارے ملک کا اخبار ہے نیپال اردو ٹائم
حقیقت کا علمبردار ہے نیپال اردو ٹائم

مرے مفتی محمد، عبد جبار، اور نعمانی
ہر اک نگراں ترا ہشیار ہے نیپال اردو ٹائم

قلمکارو ! تمہاری فتحیابی کے لیے بے شک
عظیم الشان اک ہتھیار ہے نیپال اردو ٹائم

تجھے پڑھ کر لب قاری سے یہ آتی صدائیں ہیں
خبر ہوتی تری دمدار ہے نیپال اردو ٹائم

فقط اک سال کے اندر تری نشر و اشاعت کا
چمکتا اوج پر مینار ہے نیپال اردو ٹائم

ہے داعی جو ترا وہ مسلک احمد رضا خاں کا
زبان و دل سے وفادار ہے نیپال اردو ٹائم

ادب کی سرزمیں ویران تھی نیپال کی لیکن
بنی تیرے سبب گلزار ہے نیپال اردو ٹائم

تو ہے نیپال کا اردو ادب بس اس لیے تجھ سے
بشیر قادری کو پیار ہے نیپال اردو ٹائم

نتیجہ فکر *محمد بشیر القادری گلاپوری*
*سسوا اکٹیا، مہوتری، نیپال

محمد محسن رضا مصباحی ٹیچر ہائی اسکول، بیگوسرائے (بہار)

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں۔

محترم و مکرم جملہ اراکین "نیپال اردو ٹائمز"
سلام.......................ورحمت

آپ حضرات نے جس احساسِ ذمہ داری، اخلاص، دیانت داری اور صحافتی اصولوں کی پاسداری کے ساتھ "نیپال اردو ٹائمز" کو ایک معتبر، باوقار اور عوامی ترجمان پلیٹ فارم بنایا ہے، وہ یقیناً ہر طرح کی تحسین اور مبارک باد کا مستحق ہے۔

ہند و نیپال کے اہم سماجی، اخلاقی، تعلیمی، دینی، ادبی اور معاشرتی مسائل کو نہایت خوش اسلوبی، غیر جانب داری اور صاف و شفاف ادارتی انداز میں عوام تک پہنچانا آپ کی صحافتی بصیرت اور خدمتِ اردو کا روشن ثبوت ہے۔ آپ کے اداریے اور رپورٹس نہ صرف قارئین کو معتبر معلومات فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کے دلوں میں اعتماد، سکون اور اطمینان کی فضا بھی قائم کرتے ہیں۔

آج کے اس دور میں، جب صحافت مختلف چیلنجوں سے دوچار ہے، ایسے میں سچائی، دیانت اور عوامی مفاد کو اپنا شعار بنانا ایک عظیم خدمت ہے۔ نیپال اردو ٹائمز نے نہ صرف اردو زبان و ادب کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے بلکہ ہند و نیپال کے درمیان اخوت، بھائی چارے، تہذیبی ہم آہنگی اور مثبت فکر و خیال کے فروغ میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سب کی ان مخلصانہ کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ادارے کو مزید ترقی، مقبولیت اور استحکام نصیب فرمائے۔

امید کرتے ہیں کہ آپ حضرات ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کرتے رہیں گے اور دونوں جہاں کی سرفرازی اپنے دامن میں کریں گے۔

آپ حضرات اس عظیم صحافتی و ادبی خدمت پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

از قلم:--- محمد محسن رضا مصباحی
ٹیچر ہائی اسکول، بیگوسرائے (بہار)

اخبار اردو ٹائمز کے سوویں شمارے کی اشاعت پر دلی مبارکباد و نیک خواہشات

....

مکرمی

چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب نائب ایڈیٹر حضرت مفتی کلام الدین نعمانی صاحب قبلہ مدظلہما العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والا یہ پہلا اردو اخبار جس طرح کم وقت میں اردو داں طبقہ میں اپنا معیار قائم کیا ہے اور اپنا ایک مقام حاصل کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس میں آپ حضرات کی بے لوث محنت و کدوکاوش کارفرما ہے جس کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالامال فرمائے۔۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والا یہ پہلا اخبار ہے جو قائین کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے اور جس کا انتظار قارئین کو ابتدا ہی سے رہتا ہے۔۔ سچ کہوں تو ابتدا سے ہی مجھے بھی اس سے بے لوث محبت ہے اور میں بھی اس کا بے صبری سے انتظار کرتا رہتا ہوں۔۔

اور جیسے ہی یہ موبائل کے اسکرین پہ نمودار ہوتا ہے سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کے مشمولات کو پڑھا جائے۔ اخبار کے مشمولات بے حد معلوماتی ہوتے ہیں اب جبکہ اس کا سوواں شمارہ نکلنے جارہا ہے تو بے حد خوشی ہو رہی ہے اور دل سے دعا نکل رہی ہے کہ مولا تعالیٰ اس اخبار اردو ٹائمز کو اوج ثریا کی بلندی پر پہونچائے، حاسدین کے حسد بد نظروں کی نظر بد سے بچائے اور اس کے ایڈیٹر نائب ایڈیٹر اور پوری ٹیم کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا فرمائے۔۔۔

دعاگو
محمد نعیم الدین قادری گلاپوری ۸۸۴۰۱۵۸۹۰۰

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کے تاریخی سوویں شمارے پر ہدیۂ تبریک

قربان قمر ہاشمی ڈائریکٹر، جامعہ گلشن فاطمہ للبنات، سیوان، بہار

قلم، انسانی تہذیب کا سب سے مہذب ہتھیار، فکرِ انسانی کا ترجمان اور شعورِ اجتماعی کا امین ہے۔ قوموں کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں تلواریں سرحدوں کی حفاظت کرتی ہیں، وہیں قلم افکار، نظریات، تہذیبوں اور اقدار کی پاسبانی کرتا ہے۔ دورِ حاضر میں جب معرکۂ فکر و نظر اپنے عروج پر ہے، جب افکار و نظریات کی جنگ میدانِ کارزار کے بجائے ذرائع ابلاغ، صحافت اور ابلاغی پلیٹ فارموں پر لڑی جارہی ہے، ایسے وقت میں صحافت کی ذمہ داری اور اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ایک باوقار، دیانت دار اور ذمہ دار صحافت نہ صرف حالاتِ حاضرہ کا آئینہ ہوتی ہے بلکہ قوموں کی فکری رہنمائی، تہذیبی شناخت کے تحفظ، دینی وملی اقدار کی نگہبانی اور آنے والی نسلوں کے ذہنی ارتقا کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے۔
شاید اسی حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مجددِ اعظم، امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شہرۂ آفاق دس نکاتی پروگرام میں صحافت اور اشاعتِ دین کی غیر معمولی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
"آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت یا بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔"
امامِ اہلِ سنت کا یہ ارشاد محض ایک نصیحت نہیں بلکہ ایک مکمل ابلاغی منشور ہے، جو آج بھی اپنی معنویت، افادیت اور دور اندیشی کے اعتبار سے زندہ و تابندہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر قلم بیدار ہو، صحافت دیانت دار ہو اور ذرائع ابلاغ حق و صداقت کے ترجمان بن جائیں تو فکری انقلاب کی راہیں خود بخود ہموار ہو جاتی ہیں۔
اسی روشن فکر اور صحافتی شعور کی ایک حسین اور کامیاب تعبیر ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، جو ہمالیہ کی دل فریب وادیوں سے طلوع ہو کر صحافت کے افق پر بدرِ کامل کی طرح اپنی ضوفشانیاں بکھیر رہا ہے۔ اپنے مختصر مگر کامیاب سفر میں اس مؤقر ہفت روزہ نے جس متانت، وقار، علمی سنجیدگی، صحافتی دیانت اور فکری توازن کا مظاہرہ کیا ہے، وہ بجاطور پر لائقِ تحسین اور موجبِ افتخار ہے۔
آج جب یہ معتبر صحافتی ادارہ اپنے تاریخی سوویں شمارے کی منزل پر پہنچا ہے تو یہ محض ایک عددی سنگِ میل نہیں بلکہ استقامت، اخلاص، محنت، فکری بصیرت اور مسلسل جدوجہد کی ایک روشن داستان ہے۔ اس بابرکت اور یادگار موقع پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چیف ایڈیٹر محترم مولانا عبدالجبار علیمی صاحب، نایب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب، معاون ایڈیٹر مولانا سراقہ حسن رضوی صاحب، حافظ احمد رضا صاحب، ادارتی بورڈ کے معزز اراکین، مجلسِ مشاورت کے دانشوران، نامہ نگاران، قلم کاران، مندوبین اور جملہ وابستگانِ نیپال اردو ٹائمز کی خدمت میں محبت کے معطر گجرے، خلوص کے رنگین گلدستے اور دعاؤں کی بیش بہا سوغات پیش کرتا ہوں۔
نیپال اردو ٹائمز کی نمایاں خصوصیات میں خبروں کی صحت، فکر کی پختگی، اسلوب کی شائستگی، تحقیق کی گہرائی، دینی و ملی موضوعات کی متوازن ترجمانی، ادبی ذوق کی آبیاری اور اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کا جذبۂ صادق شامل ہے۔ اس کے صفحات محض اطلاعات کا مجموعہ نہیں بلکہ علم و آگہی، تہذیب و ثقافت اور ملی شعور کے ایسے گلستان ہیں جہاں ہر تحریر اپنے دامن میں بصیرت کی روشنی اور فکر کی خوشبو سمیٹے ہوئے نظر آتی ہے۔
کسی بھی تحریر میں جب تحقیق کا آبِ زلال، ادب کا غازۂ جمال، فکر و نظر کی گہرائی، عقیدت و اخلاص کی حرارت، مشاہدے کی بصیرت اور زبان و بیان کی دل آویزی یکجا ہو جائیں تو وہ مضمون محض الفاظ و جملوں کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ زمانے کے حافظے پر ثبت ہونے والی ایک زندۂ جاوید دستاویز بن جاتا ہے۔ الحمد للہ! یہی اوصافِ حمیدہ اور محاسنِ جمیلہ نیپال اردو ٹائمز کے صفحات میں جابجا جلوہ گر ہیں۔ اس کے ہر شمارے سے علم و آگہی کی خوشبو، فکری سنجیدگی کی مہک، صحافتی دیانت کی روشنی اور ملی دردمندی کی حرارت پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر صفحہ قلم کی تقدیس، فکر کی بالیدگی اور اظہار کی شائستگی کا امین ہو۔
بالخصوص فخرِ صحافت، نوجوان اور باصلاحیت قلم کار مولانا عبدالجبار علیمی صاحب کا اداریہ بصیرت و دانش کا ایسا آئینہ ہے جس میں عصرِ حاضر کے مسائل، ملی تقاضے اور سماجی حقائق پوری آب و تاب کے ساتھ منعکس ہوتے ہیں۔ قوم و ملت کو درپیش سلگتے ہوئے مسائل، عصری چیلنجز اور کرنٹ ایشوز پر ان کا بے باک، بے لاگ، متوازن اور مدلل تبصرہ نہ صرف قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے بلکہ اسے اپنے گرد و پیش کے حالات کو نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کا شعور بھی عطا کرتا ہے۔ ان کی تحریروں میں جذبات کی شورش کے بجائے استدلال کی متانت، مصلحت کی دبیز نقاب کے بجائے حق گوئی کی جرأت اور تنقید کی تلخی کے بجائے خیر خواہی کی مٹھاس نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ! ان کے اداریے اس ہفت روزہ کی شناخت، اس کا وقار اور اس کی امتیازی پہچان بن چکے ہیں۔
اسی طرح اس مؤقر ہفت روزہ کے متنوع مشمولات اس کی علمی و صحافتی عظمت کو مزید جلا بخشتے ہیں۔ عالمی و ملکی خبریں، عمومیات، ذوقِ قلم، دینی و سماجی سرگرمیاں، ادارتی صفحہ، فکر و نظر، ادبیات، متفرقات اور دیگر معلوماتی و تحقیقی گوشے قارئین کی علمی تشنگی بجھانے، فکری افق کو وسعت دینے اور انہیں زمانے کے نشیب و فراز سے باخبر رکھنے کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان صفحات میں خبر بھی ہے، نظر بھی؛ ادب بھی ہے، شعور بھی؛ تحقیق بھی ہے اور تہذیبی احساس بھی۔
بلاشبہ نیپال کی سرسبز و شاداب وادیوں اور ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیوں کے دامن سے طلوع ہونے والا یہ صحافتی آفتاب آج اردو صحافت کے افق پر اپنی منفرد ضوفشانیوں کے ساتھ درخشاں ہے۔ یہ محض ایک ہفت روزہ نہیں بلکہ علم و ادب کا سفیر، فکر و آگہی کا پیامبر، تہذیبی شعور کا محافظ اور ملی ترجمانی کا ایک معتبر و مستند پلیٹ فارم ہے، جس نے مختصر مدت میں اہلِ قلم، اربابِ دانش اور محبانِ اردو کے دلوں میں ایک ممتاز اور قابلِ رشک مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس کے ذریعے فروغِ اردو، اشاعتِ دین، تحفظِ عقائدِ اہلِ سنت اور بیداریِ شعور کا جو مبارک فریضہ انجام دیا جارہا ہے، وہ یقیناً قابلِ قدر اور مستحقِ تحسین ہے۔
تاہم ہر کامیاب تحریک، ہر روشن ادارے اور ہر درخشاں صحافتی سفر کے پسِ منظر میں ایک صاحبِ فکر، صاحبِ عزم اور صاحبِ درد شخصیت کارفرما ہوتی ہے۔ نیپال اردو ٹائمز کی اس تابناک داستان کے پسِ پردہ بھی ایک ایسی ہی عبقری، دور اندیش اور ہمہ جہت شخصیت موجود ہے، جن کے فکر و عمل نے اس خواب کو تعبیر اور اس تصور کو حقیقت کا روپ عطا کیا۔ وہ شخصیت مؤرخِ نیپال، ماہرِ درسیات، حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری محمد رضا مصباحی نقشبندی صاحب، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی ہے۔
حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب نے تقریباً دو برس قبل خلوصِ نیت، وسعتِ فکر اور دردِ ملت کے جذبے کے ساتھ "علماء فاؤنڈیشن نیپال" کی داغ بیل ڈالی۔ بظاہر یہ ایک تنظیم تھی، مگر حقیقت میں یہ ایک فکری تحریک، ایک ملی بیداری اور ایک علمی انقلاب کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ اسی زرخیز فکر کی کوکھ سے صحافت و ابلاغ کے دو درخشاں چراغ طلوع ہوئے؛ ایک عربی زبان میں "الفجر" کی صورت میں اور دوسرا اردو زبان میں "ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" کی شکل میں، جنہوں نے مختصر مدت میں علمی و صحافتی افق پر اپنی روشن شناخت قائم کرلی۔
یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر علماء فاؤنڈیشن نیپال اس مبارک شجر کی جڑ ہے تو حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب اس کے مالی، معمار اور نگہبان ہیں۔ ان کی دور اندیش قیادت، علمی بصیرت، تنظیمی مہارت اور بے لوث محنت نے ایک خواب کو حقیقت اور ایک خیال کو تحریک میں بدل دیا۔ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ دراصل اسی اخلاص، استقامت اور مسلسل جدوجہد کی روشن دلیل ہے۔ حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب اُن سعادت مند اہلِ علم میں سے ہیں جو صرف تاریخ نہیں پڑھتے بلکہ تاریخ رقم بھی کرتے ہیں؛ جو صرف خواب نہیں دیکھتے بلکہ تعبیر کے چراغ بھی روشن کرتے ہیں؛ جو صرف فکر نہیں دیتے بلکہ فکر کو اداروں، تحریکوں اور کارناموں کی صورت بھی عطا کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت علم و تحقیق کی سنجیدگی، تصوف و روحانیت کی لطافت، قیادت و تنظیم کی بصیرت اور خدمتِ ملت کے جذبۂ صادق کا حسین سنگم ہے۔
سوویں شمارے کا یہ تاریخی سنگِ میل درحقیقت ایک منزل نہیں بلکہ ایک نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ گزشتہ دو برسوں کی یہ درخشاں داستان اس بات کی شاہد ہے کہ اخلاصِ نیت، استقامتِ عمل اور وسعتِ فکر کے ساتھ اٹھایا گیا قدم بالآخر منزلِ مراد تک پہنچتا ہے۔ امید واثق ہے کہ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز آئندہ بھی اسی آب و تاب کے ساتھ علم و آگہی کے چراغ روشن کرتا، اردو زبان و ادب کی آبیاری کرتا، اہلِ سنت و جماعت کی ترجمانی کرتا اور نیپال سمیت پورے برصغیر میں فکری و صحافتی خدمات کے نئے باب رقم کرتا رہے گا۔
آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب، مولانا عبدالجبار علیمی صاحب، حضرت مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب قبلہ نائب قاضی مہوتری ونائب ایڈیٹر، پوری ادارتی ٹیم، تمام قلم کاروں، معاونین اور وابستگانِ نیپال اردو ٹائمز کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے، ان کے علم و عمل، فکر و نظر، قلم و قرطاس اور دینی و ملی خدمات میں روز افزوں برکتیں عطا فرمائے، اس صحافتی قافلے کو مزید استحکام، وسعت، مقبولیت اور اثر آفرینی نصیب فرمائے، اور قلم و قرطاس کی اس مقدس امانت کو صداقت، دیانت اور خدمتِ ملت کا روشن استعارہ بنائے رکھے۔
آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

ہمالیہ کی چوٹی سے اردو کی کرن طلوع ہوئی

رئیس التحریر علامہ مولانا شہاب الدین حنفی حفظہ اللہ

ایک خیال کو تحریک میں بدل دیا۔ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ دراصل اسی اخلاص، استقامت اور مسلسل جدوجہد کی روشن دلیل ہے۔ حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب اُن سعادت مند اہلِ علم میں سے ہیں جو صرف تاریخ نہیں پڑھتے بلکہ تاریخ رقم بھی کرتے ہیں؛ جو صرف خواب نہیں دیکھتے بلکہ تعبیر کے چراغ بھی روشن کرتے ہیں؛ جو صرف فکر نہیں دیتے بلکہ فکر کو اداروں، تحریکوں اور کارناموں کی صورت بھی عطا کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت علم و تحقیق کی سنجیدگی، تصوف و روحانیت کی لطافت، قیادت و تنظیم کی بصیرت اور خدمتِ ملت کے جذبۂ صادق کا حسین سنگم ہے۔
سوویں شمارے کا یہ تاریخی سنگِ میل درحقیقت ایک منزل نہیں بلکہ ایک نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ گزشتہ دو برسوں کی یہ درخشاں داستان اس بات کی شاہد ہے کہ اخلاصِ نیت، استقامتِ عمل اور وسعتِ فکر کے ساتھ اٹھایا گیا قدم بالآخر منزلِ مراد تک پہنچتا ہے۔ امید واثق ہے کہ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز آئندہ بھی اسی آب و تاب کے ساتھ علم و آگہی کے چراغ روشن کرتا، اردو زبان و ادب کی آبیاری کرتا، اہلِ سنت و جماعت کی ترجمانی کرتا اور نیپال سمیت پورے برصغیر میں فکری و صحافتی خدمات کے نئے باب رقم کرتا رہے گا۔
آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ محمد رضا مصباحی صاحب، مولانا عبدالجبار علیمی صاحب، حضرت مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب قبلہ نائب قاضی مہوتری ونائب ایڈیٹر، پوری ادارتی ٹیم، تمام قلم کاروں، معاونین اور وابستگانِ نیپال اردو ٹائمز کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے، ان کے علم و عمل، فکر و نظر، قلم و قرطاس اور دینی و ملی خدمات میں روز افزوں برکتیں عطا فرمائے، اس صحافتی قافلے کو مزید استحکام، وسعت، مقبولیت اور اثر آفرینی نصیب فرمائے، اور قلم و قرطاس کی اس مقدس امانت کو صداقت، دیانت اور خدمتِ ملت کا روشن استعارہ بنائے رکھے۔
آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

نیپال اردو ٹائمز" کے ذمہ داران و منتظمین قوم کے عظیم سرمایہ

نیپال کی سنگلاخ وادیوں سے اردو اخبار کا باقاعدہ اجراء اپنے آپ میں کسی معجزے اور تاریخ ساز کارنامے سے کم نہیں ہے۔ ایک ایسے خطے میں جہاں نیپالی، انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں کا طوطی بولتا ہو، وہاں اردو زبان کا پرچم بلند کرنا اور اسے صحافتی افق پر روشن رکھنا یقیناً عزیمت اور جرات کا مظاہرہ ہے۔
تمام تر نامساعد حالات، گوناگوں مشکلات اور محدود وسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے مورخِ نیپال حضرت مفتی محمد رضا مصباحی صاحب نے سرزمینِ نیپال پر فروغِ اردو کی ایک مضبوط اور پائیدار بنیاد رکھی۔ ان کے اس باوقار مشن کو ان کی فعال ٹیم بالخصوص ایڈیٹر حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب اور نائب ایڈیٹر، ماہرِ علمِ میراث، بہترین فقیہ حضرت مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی صاحب نے اپنی انتھک محنت، شبانہ روز کوششوں اور کامل ذمہ داری سے سینچا، اور آج اس سفرِ عزیمت کو سویں (۱۰۰ویں) شمارے یعنی کامیابی کی ایک شاندار اور تاریخی منزل تک پہنچا دیا ہے۔
اس مسرت بخش اور تاریخی موقع پر اخبار کے بانی و سرپرست مفتی محمد رضا مصباحی صاحب، تمام ادارتی اراکین اور پوری ٹیم تہِ دل سے لائقِ مبارک باد اور مستحقِ تحسین ہیں۔
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ "نیپال اردو ٹائمز" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس کے صحافتی سفر کو لازوال وسعت بخشے اور اسے ملک و ملت اور اردو زبان و ادب کا عظیم اور ناقابلِ فراموش سرمایہ بنائے۔ آمین

از قلم: محمد زاہد رضا منظری نقشبندی، سرپلو
ناظم اعلی: دارالعلوم فیضان مدینہ، جنکپور، نیپال

نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ لائقِ صد مبارک باد ہے
نیپال کے دشوار گزار سماجی وسیاسی ماحول میں، جہاں مسلمانوں اور زبانِ اردو کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے، ایک باقاعدہ اردو اخبار کا قیام اور پھر اس کے ۱۰۰ شمارے مکمل ہونا نیپال کی دینی و ادبی تاریخ کا عظیم سنگِ میل ہے۔ یہ سوواں شمارہ محض ایک عدد نہیں، بلکہ خلوص، محنت اور بقائے زبان کی ایک لازوال داستان ہے۔
بہت سے مشکلات و رکاوٹوں کے باوجود، مورخِ نیپال حضرت علامہ مفتی محمد رضا مصباحی قادری صاحب قبلہ نے اپنی سرپرستی و نگرانی میں دو سال پہلے ربیع الاول کے موقع سے "نیپال اردو ٹائمز" کا باضابطہ آغاز فرمایا۔ اور اب بھی آپ اس کے بانی و سرپرست ہیں۔
اسی طرح آج دو سال کے مختصر عرصے میں یہ اخبار اپنے ۱۰۰ویں شمارے تک پہنچ کر دنیا بھر کے اردو حلقوں میں سراہا جارہا ہے۔ اس کامیابی کے پیچھے ایک مخلص ٹیم کا خونِ جگر شامل ہے:
ایڈیٹر: حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب۔ نائب ایڈیٹر: فقیہِ عصر، ماہر علم میراث، حضرت مفتی محمد کلام الدین نعمانی مصباحی صاحب۔
معاون ایڈیٹر: حضرت مولانا سراقہ صاحب اور ان کی تمام ٹیم کی بے لوث محنت ہے۔
"نیپال اردو ٹائمز" صرف خبر رساں ذریعہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی آواز، علماء کا ترجمان اور نیپال میں اردو کی بقا کا ضامن بن چکا ہے۔
میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس اخبار کو مزید ترقیاں عطا فرمائے، پوری ٹیم اور قارئین کو اس ۱۰۰ویں شمارے کی اشاعت پر دلی مبارک باد۔

:اسیر حضور قاضیٔ نیپال
محمد ارشاد عالم رضوی رقیبی، سہسرام

نیپال اردو ٹائمز کا سوواں کوہِ نور

رشحات قلم: مولانا محمد نعیم الدین قادری کنز مصلحی

لک الحمد یا اللہ
ملک نیپال سے نکلنے والا اردو زبان وادب کا عظیم شہکار، مرقع پر انوار، ہفتہ وار "نیپال اردو ٹائمز" تقریباً دو برس سے تسلسل کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہونے والا اخبار اب اپنے "سوویں خصوصی شمارہ" کی اشاعت ایک قابل تحسین علمی وادبی خدمت ہے۔
یہ سوواں خصوصی شمارہ ادارتی استقامت، علمی ذوق اور اردو زبان و ادب سے مخلصانہ وابستگی کی علامت ہے۔ گزشتہ دو سال کی مدت میں اس اخبار نے ارباب علم و دانش، عوام وخواص اور شائقین اردو کے درمیان اپنی ایک معتبر شناخت قائم کرلی ہے۔ اس کے علمی، ادبی، دینی، سماجی، سیاسی، روحانی مضامین کو قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا گیا، علمی حلقوں میں اسے پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کی مقبولیت روز افزوں ہوتی جارہی ہے۔
مذکورہ اخبار کا ہر شمارہ معیاری، معلوماتی اور قابل دید ہوتا ہے۔ ہر ہفتہ تمام تر رعنائیوں اور زیبائیوں سے مرصع ہو کر قارئین و ناظرین کے مطالعاتی میز پر معرض وجود میں آتا ہے۔ امید ہے کہ یہ "سوواں خصوصی شمارہ" بھی اسی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے قارئین کے لیے مفید اور یادگار ثابت ہوگا۔
اس موقع پر بانی وسرپرست، نمونۂ اسلاف، محقق عصر، مؤرخ نیپال، استاذ العلما والفقہا، نازش فکر و قلم حضرت علامہ مفتی محمد رضا قادری مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ، وچیف ایڈیٹر ماہر فکر و قلم حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب زید حبہ، نائب ایڈیٹر گوہر علم و ادب، پیکر اخلاص و محبت حضرت علامہ مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی زید مجدہ، معاون مدیر حضرت مولانا محمد حسن سراقہ رضوی صاحب اور تمام اراکین ادارہ کو صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ان کا اخلاص، جہد وجہد اور حسن انتظام یقیناً لائق تحسین ہے۔
دعا گو ہوں کہ مولیٰ کریم مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، وغوث اعظم، اوراعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہم کے تصدق علما فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام نکلنے والا "نیپال اردو ٹائمز" کو مزید استحکام، مقبولیت اور دوام عطا فرمائے، ملک نیپال میں اردو زبان وادب کی خدمت کا مؤثر ذریعہ بنائے، پوری ادارتی ٹیم کو دارین میں فرخندہ اور کونین میں خورشید رکھے، حاسدوں کی نظر بد سے محفوظ فرمائے۔
آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ابو البرہان محمد نعیم الدین قادری کنز مصلحی
خانقاہ قادریہ رضویہ برہانیہ مصلحیہ
لکھنؤ روڈ، لعل گوپال گنج، الہ آباد
28 جولائی ۲۰۲۶، بروز منگل

اردو ٹائمز نیپال عزم وخدمت کا روشن سفر

بموقع سوواں شمارہ
از قلم محمد سمیع الدین برہان القادری گلاپوری

مشہور و معروف ہفتہ وار اخبار "اردو ٹائمز نیپال" اپنے متنوع اور گوناگوں کارناموں کے باعث مختلف مکاتب فکر اور مسالک سے وابستہ افراد کے قلوب پر زریں نقوش ثبت کر چکا ہے جیسا کہ اس اخبار کے مشمولات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں، اور یہی اس ہفتہ وار جریدے کی مقبولیت کی روشن دلیل بھی ہے
چوں کہ صحافت نام ہی اس چیز کا ہے کہ اسے صرف ایک ہی قفس میں قید نہیں کیا جا سکتا، ورنہ مخصوص قیود و شرائط کی وجہ سے کوئی بھی اخبار چند ماہ کے اندر ایک محدود طبقے تک سمٹ کر رہ جائے گا۔ اس گہما گہمی اور مصروف ترین زندگی کے اس دور میں کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ اپنی معاشی مصروفیات سے فراغت حاصل کر کے ملک و ملت کے لیے گراں قدر، بے بہا اور انمول خدمات انجام دے؟ مگر مجھے "اردو ٹائمز نیپال" کے اراکین، معاونین، سرپرستوں اور اس کے نوجوان قلم کاروں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ بلا ناغہ، مسلسل ہر ہفتہ اپنے مقررہ وقت پر قارئین کی بارگاہ میں حسنِ صوری و معنوی اور مکمل تزئین و آرائش کے ساتھ اخبار پیش کرتے ہیں۔
کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اللہ پاک نے دین و ملت کے ان جیالوں کے وقت میں کتنی برکتیں عطا فرمائی ہیں کہ نہ آندھی، نہ بارش اور نہ ہی کسی بلاخیز طوفان کا خوف ان کے عزم و حوصلے کو متزلزل کر سکتا ہے بلکہ اس کے سپاہی اپنے دھن میں مست ہو کر ملک و ملت کے لیے بڑے سے بڑا کام انجام دینے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں اور اس میں مکمل کامیابی بھی حاصل کر رہے ہیں۔ وہ میدان پر میدان فتح کرتے ہوئے مسلسل کامیابی کی نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں
دین وملت اور ملکِ نیپال کے ان جیالوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں
* قائدِ ملت حضرت علامہ سید غلام حسین مظہری* *صاحب قبلہ اپنی قائدانہ فکر و صلاحیت کے ذریعے قیادت کا حق ادا کر رہے ہیں*
علوم وفنون کے بحرِ بیکراں، ممتاز مصنف، مدرس، قاری، حافظ اور عظیم محقق حضرت مولانا مفتی محمد رضا مصباحی صاحب قبلہ، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، بانی و سرپرست اردو ٹائمز نیپال اپنی علمی و فکری بصیرت سے نیپال کے نوجوان علما و ادبا کے فکری شعور کو مزید نکھار رہے ہیں اور اس کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں
* آفتابِ فکر و قلم حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب قبلہ اور ماہرِ شعر و سخن، علمِ میراث کے غواص حضرت مولانا مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی* صاحب قبلہ اپنی ادارت اور صحافت کا حق ادا کرتے ہوئے اس ہفتہ وار اخبار کو افق صحافت کا ایک درخشاں مینار بنا رہے ہیں
اللہ پاک اس کے جملہ معاونین کو عمرِ خضری کے ساتھ صحت و سلامتی اور دوام عطا فرمائے، اور اس اخبار کا ہر نیا شمارہ اپنے گزشتہ شمارے سے خوب سے خوب تر ہو آمین
میں اس سوویں شمارے کی اشاعت پر اس کے جملہ متعلقین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں

از محمد سمیع الدین برہان القادری گلاپوری
استاذ، شعبۂ درس نظامیہ و شعبۂ تجوید مدرسہ حبیبیہ اسلامیہ لعل گوپال گنج الہ آباد
۲۸ جولائی ۲۰۲۶ء، شب بدھ، بعد نماز مغرب

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

نیپال اردو ٹائمز ماضی سے وفاداری، حال کی ترجمانی اور مستقبل کی قیادت

تحریر: محمد رضوان احمد مصباحی

قلم جب دیانت کا امین بن جائے، الفاظ جب قوم کی آواز بن جائیں، اور صحافت جب ذاتی مفادات سے بلند ہو کر عوامی خدمت کا عنوان بن جائے، تو پھر وہ محض ایک اخبار نہیں رہتا، بلکہ ایک تحریک، ایک فکر اور ایک تاریخ بن جاتا ہے۔ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ اسی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ یہ سو شمارے صرف وقت کی گردش کا حساب نہیں، بلکہ مسلسل محنت، استقامت، قربانی، سچائی اور عوامی اعتماد کی وہ داستان ہیں جسے ہزاروں قارئین نے اپنے ہاتھوں میں تھاما، اپنی نگاہوں سے پڑھا اور اپنے دلوں میں جگہ دی۔ ہم نے کبھی صحافت کو تجارت نہیں سمجھا، بلکہ اسے ایک امانت، ایک ذمہ داری اور ایک قومی خدمت کا ذریعہ جانا۔ اسی لیے ہمارے صفحات پر خبر کے ساتھ کردار، تجزیے کے ساتھ توازن، اور اختلاف کے ساتھ احترام ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کا سفر بھی ایک ایسی فکر کا آئینہ دار ہے کہ اس نے اپنے آغاز سے ہی اس عزم کو اپنایا کہ خبر محض اطلاع نہ ہو، بلکہ معاشرے کی رہنمائی کا ذریعہ بنے؛ قلم صرف واقعات بیان نہ کرے، بلکہ سچائی، انصاف اور قومی مفاد کی آواز بھی بنے۔

ہمیں اپنے ماضی پر ضرور فخر ہے، کیونکہ یہی وہ سرمایہ ہے جس نے ہمیں شناخت دی۔ ہم ان تمام قلم کاروں، اساتذہ، علماء، ادباء، سماجی کارکنوں، نمائندگان اور قارئین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس سفر کو میں ایک ذمہ دار اخبار وہی ہے جو حقائق کو دیانت داری کے ساتھ پیش کرے، عوامی مسائل کو آواز دے، تعلیم، ثقافت، سماجی ہم آہنگی اور قومی ترقی کے ممکن بنایا۔ ان کی محبت، اعتماد اور تعاون ہی ہماری اصل دولت ہے۔

لیکن تاریخ ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ جو ادارے صرف اپنی کامیابیوں پر مطمئن ہو جائیں، وہ وقت کی رفتار سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے ہم اپنے سوویں شمارے کو منزل نہیں، بلکہ ایک نئی ابتدا سمجھتے ہیں۔ ہم ایک ایسے مستقبل کا خواب دیکھتے ہیں جہاں نیپال میں اردو صحافت مزید مضبوط، باوقار اور باأثر ہو؛ جہاں نوجوان صحافی تحقیق، دیانت اور اعلیٰ صحافتی اقدار کے ساتھ آگے آئیں؛ جہاں اردو زبان علم، تہذیب اور قومی ہم آہنگی کی علامت بن کر نئی نسل تک پہنچے؛ اور جہاں نیپال اردو ٹائمز صرف ایک اخبار نہیں بلکہ ایک معتبر قومی ادارے کے طور پر اپنی خدمات انجام دے۔

کیوں کہ حال کی ترجمانی صحافت کی اصل ذمہ داری ہے۔ آج کا دور تیز رفتار اطلاعات، بدلتے حالات اور نت نئے چیلنجز کا دور ہے۔ ایسے موضوعات کو اہمیت دے اور ہر طبقے کی نمائندگی کرے۔ نیپال اردو ٹائمز نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اس کے صفحات عوام کے احساسات، امیدوں اور مسائل کی حقیقی ترجمانی کریں۔ ہم اپنے قارئین سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہماری وفاداری ہمیشہ سچ سے ہوگی، ہماری ترجمانی ہمیشہ عوام کی ہوگی، اور ہماری قیادت ہمیشہ مثبت فکر، قومی اتحاد اور تعمیری صحافت کے لیے ہوگی۔ آج اس تاریخی موقع پر ہم اپنے رب کریم کے حضور سربسجود ہیں کہ اس نے ہمیں یہ سعادت عطا فرمائی۔ ہم دعا گو ہیں کہ آئندہ بھی ہمارا قلم حق و انصاف کا علمبردار، ہماری آواز مظلوموں کی ترجمان، اور ہماری صحافت معاشرے کی تعمیر کا مؤثر ذریعہ بنی رہے۔ یاد رکھیں نیپال اردو ٹائمز ایک اخبار نہیں، بلکہ ایک عہد ہے، ایک امانت ہے، ایک ذمہ داری ہے۔ اور ایک ایسا سفر ہے جو ان شاء اللہ آنے والی نسلوں تک علم، شعور، دیانت اور خدمت کا چراغ روشن رکھے گا۔

ہمارا یقین ہے کہ ایک اخبار کی اصل طاقت اس کے صفحات کی تعداد میں نہیں، بلکہ اس کے کردار، دیانت، عوامی اعتماد اور فکری اثر میں ہوتی ہے۔ یہی وہ سرمایہ ہے جس نے نیپال اردو ٹائمز کو اپنے قارئین کے دلوں میں ایک معتبر مقام عطا کیا ہے۔

آج جب ہم اپنے تاریخی سفر کے ایک اہم سنگ میل پر کھڑے ہیں تو ہمارا عزم پہلے سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہم ماضی کی روشن روایات کے امین رہیں گے، حال کی سچی ترجمانی کرتے رہیں گے اور مستقبل کی صحافت میں مثبت قیادت کا کردار ادا کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

نیپال اردو ٹائمز صرف ایک اخبار نہیں، بلکہ ایک عہد، ایک ذمہ داری اور ایک مسلسل سفر کا نام ہے—ایسا سفر جو قلم کی دیانت، فکر کی روشنی اور قوم کی خدمت کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا۔ ماضی سے وفاداری ہماری پہچان، حال کی ترجمانی ہماری ذمہ داری، اور مستقبل کی قیادت ہمارا عزم ہے۔" یہی ہمارا سفر ہے۔ یہی ہمارا پیغام ہے۔ یہی نیپال اردو ٹائمز کی پہچان ہے۔

دینی اور ملی خدمات میں علماء کا اہم کردار

محمد حسن علیمی خادم مدرسہ عربیہ اہل سنت قمر العلوم پالہی نندن گاؤں پالیکا وارڈ نمبر 4 لہرلی نوپراسی نیپال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی ہدایت کے لیے ہر دور میں انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے بعد دین کی حفاظت، تبلیغ، اشاعت اور امت کی رہنمائی کی ذمہ داری علماء کرام کے سپرد ہوئی۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں علماء کو "انبیاء کے وارث" قرار دیا گیا ہے۔ علماء کرام نے ہر زمانے میں دینِ اسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھا، قرآن وحدیث کی تشریح کی، مسلمانوں کی دینی، اخلاقی اور سماجی تربیت کی اور ملتِ اسلامیہ کی قیادت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ان کی خدمات صرف مذہبی امور تک محدود نہیں بلکہ قومی، سماجی، تعلیمی، اخلاقی اور اصلاحی میدانوں میں بھی نمایاں ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی ترقی، اتحاد اور بقا میں علماء کرام کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

علماء کرام کی دینی خدمات

علماء کرام کی سب سے بڑی خدمت دینِ اسلام کی حفاظت اور اس کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی تفسیر، احادیثِ نبویہ کی تشریح، فقہ کی تدوین اور اسلامی علوم کی ترویج میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ ہر دور میں جب بھی اسلام پر فکری یا عملی حملے ہوئے، علماء نے دلائل، تحقیق اور حکمت کے ذریعے ان کا جواب دیا اور امت کے ایمان کی حفاظت کی۔

جامعات اور دینی مراکز میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ بچوں کو قرآنِ پاک پڑھاتے ہیں، نوجوانوں کی دینی تربیت کرتے ہیں اور بڑوں کو دین کی صحیح سمجھ فراہم کرتے ہیں۔ ان کی محنت سے لاکھوں حفاظ، قراء، محدثین، مفتیان اور مفسرین تیار ہوتے ہیں جو دین کی خدمت کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہیں۔

تبلیغِ اسلام علماء کرام کی اہم ذمہ داریوں

میں شامل ہے۔ وہ خطباتِ جمعہ، دینی اجتماعات، دروسِ قرآن، اصلاحی بیانات اور دعوتی پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اکرم ﷺ کی سنت اور اسلامی اخلاق کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کی محنت کے نتیجے میں بے شمار لوگ دین کی طرف راغب ہوتے ہیں، برائیوں سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالتے ہیں۔

علماء صرف اپنے ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کی دعوتی کوششوں کے ذریعے بہت سے غیر مسلم بھی اسلام قبول کرتے ہیں اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف ہوتے ہیں۔

اسلامی مدارس کا قیام اور ان کا نظام علماء کرام کی عظیم خدمات میں شمار ہوتا ہے۔ مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ، عربی زبان، تفسیر، عقائد اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ادارے نہ صرف دینی تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ اخلاقی کردار، نظم وضبط، تقویٰ اور خدمتِ خلق کا جذبہ بھی پیدا کرتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں ہزاروں مدارس دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء مختلف علاقوں میں جا کر دینی خدمات انجام دیتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو عام کرتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ میں علماء کا کردار

علماء کرام معاشرے کی اصلاح میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو جھوٹ، دھوکہ، رشوت، سود، ظلم، بدعنوانی، فحاشی اور دیگر برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ سچائی، دیانت داری، عدل، امانت، صبر، شکر، حسنِ اخلاق اور بھائی چارے کی تعلیم دیتے ہیں۔

خاندانی مسائل، ازدواجی اختلافات، وراثت کے تنازعات اور سماجی جھگڑوں کے حل میں بھی علماء اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں اور لوگوں کو صلح، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔

ملی خدمات میں علماء کا کردار

ملی خدمات سے مراد وہ خدمات ہیں جو پوری ملت اور قوم کی بھلائی کے لیے انجام دی جائیں۔ علماء کرام نے ہر دور میں مسلمانوں کے اتحاد، یکجہتی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی ہے۔ جب بھی ملتِ اسلامیہ کو کسی بحران، ظلم یا آزمائش کا سامنا ہوا، علماء سب سے آگے نظر آئے۔

انہوں نے عوام میں اتحاد، اخوت، صبر اور برداشت کا جذبہ پیدا کیا اور فرقہ واریت، تعصب اور نفرت سے بچنے کی تلقین کی۔ قومی مسائل میں انہوں نے ہمیشہ مثبت رہنمائی فراہم کی اور امن واستحکام کو فروغ دیا۔

آزادی کی تحریکوں میں علماء کی خدمات۔ اسی طرح دیگر اسلامی ممالک میں بھی علماء نے آزادی، انصاف اور حق کے لیے آواز بلند کی اور قوموں کی رہنمائی کی۔

فلاحی اور سماجی خدمات

علماء کرام صرف مذہبی تعلیم تک محدود نہیں رہتے بلکہ معاشرے کی فلاح و بہبود میں بھی بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ قدرتی آفات، سیلاب، زلزلوں اور دیگر مشکلات کے وقت وہ امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، متاثرین کی مدد کرتے ہیں اور مخیر حضرات کو خدمتِ خلق کی طرف راغب کرتے ہیں۔ بہت سے علماء یتیم خانوں، دینی مدارس، رفاہی اداروں، اسپتالوں اور فلاحی تنظیموں کے ذریعے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ضرورت مند افراد کی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی ہمدردی اور تعاون کو فروغ دیتے ہیں۔

جدید دور میں علماء کی ذمہ داریاں

آج کا دور سائنسی ترقی، ٹیکنالوجی، سوشل میڈیا اور نت نئے فکری چیلنجز کا دور ہے۔ اس دور میں علماء کرام کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ جدید تقاضوں کو سمجھتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں۔

علماء کو نوجوان نسل کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے چاہییں، اعتدال، برداشت اور حسنِ اخلاق کو فروغ دینا چاہیے اور سوشل میڈیا کے ذریعے دین کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا چاہیے۔ اسی طرح انتہا پسندی، گمراہی، بے دینی اور اخلاقی زوال کے خلاف حکمت اور بصیرت کے ساتھ کام کرنا بھی ان کی اہم ذمہ داری ہے۔

علماء کی شخصیت خود ایک عملی نمونہ ہونی چاہیے۔ جب عالم اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کی بات لوگوں کے دلوں پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ سادگی، تقویٰ، دیانت، اخلاص، عاجزی، صبر اور خدمتِ خلق جیسی صفات علماء کی پہچان ہونی چاہییں۔ تاریخ کے عظیم علماء نے ہمیشہ اپنے کردار سے لوگوں کو متاثر کیا اور اپنے عمل کے ذریعے اسلام کی خوبصورتی کو نمایاں کیا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کرام دینِ اسلام کے محافظ، امت کے رہنما اور معاشرے کے مصلح ہیں۔ انہوں نے ہر دور میں دین کی حفاظت، اسلامی تعلیمات کی اشاعت، قوم کی رہنمائی، اصلاحِ معاشرہ، ملی اتحاد، تعلیمی ترقی، فلاحی خدمات اور قومی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی امت مسلمہ کو ایسے مخلص، باعمل اور صاحبِ علم علماء کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں، نوجوان نسل کو دین سے جوڑیں اور معاشرے میں امن، محبت، اخوت اور عدل کو فروغ دیں۔ اگر علماء کرام اور عوام باہمی تعاون، اخلاص اور اتحاد کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں تو ایک مضبوط، باوقار، ترقی یافتہ اور اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ یہی علماء کی دینی اور ملی خدمات کا اصل مقصد ہے اور یہی امتِ مسلمہ کی کامیابی اور فلاح کا راستہ ہے۔

کلماتِ تحسین

٭بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین٭

یہ نہایت خوش آئند اور باعث مسرت امر ہے کہ نیپال اردو ٹائمز اپنے کامیاب صحافتی سفر کا سواں شمارہ شائع کر رہا ہے. بلاشبہ نیپال کی تاریخ میں اردو صحافت کے ایک نئے باب کا اضافہ اس اخبار کی اشاعت سے ہوا ہے. مختصر مدت میں اس نے دینی، ملی، علمی، ادبی اور سماجی میدان میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ قابل تحسین اور لائق تقلید ہیں. یہ اخبار نیپال سے باہر رہنے والے اہل نیپال کے لیے اپنے وطن کے دینی، علمی، سماجی، ملی اور ملکی حالات سے باخبر رہنے کا ایک بہترین معتبر اور مؤثر ذریعہ بن چکا ہے. نیپال اردو ٹائمز کا ۲۴واں شمارہ ۳۴ویں عرس حنیف ملت علیہ الرحمہ کے موقع پر شائع ہونے والا خصوصی ضمیمہ اپنے عمدہ مضامین، تحقیقی مقالات اور تاریخی معلومات کے اعتبار سے نہایت وقیع اور یادگار ہے. اس کے ذریعے حضرت حنیف ملت علیہ الرحمہ کی علمی، دینی، اصلاحی اور ملی خدمات کو نئی نسل تک مؤثر انداز میں پہنچانے کی بہتر کوشش کی گئی. میں اس تاریخی کامیابی پر نیپال اردو ٹائمز کے بانی حضرت العلام مفتی محمد رضا مصباحی نقشبندی صاحب قبلہ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں جن کی بصیرت، اخلاص اور انتھک جدوجہد نے اس عظیم صحافتی سفر کو کامیابی سے ہمکنار کیا. نیز چیف ایڈیٹر فخر صحافت محترم حضرت مولانا عبدالجبار علیمی صاحب اور نائب ایڈیٹر نازش قلم حضرت مولانا کلام الدین نعمانی صاحب کی علمی بصیرت، ادبی ذوق اور صحافتی مہارت بھی قابل ستائش ہے جن کی محنتوں نے اس اخبار کو وقار اور اعتبار بخشا ہے. اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ نیپال اردو ٹائمز روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتا رہے، حق و صداقت کا علمبردار، اردو زبان و ادب کا محافظ اور ملت اسلامیہ کی ترجمانی کا مضبوط ذریعہ بنا رہے. اور نیپال اردو ٹائمز کے جملہ ذمہ داران کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے. ٭وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم٭

مولانا محمد امام الدین قادری برہانی
٭سربراہِ اعلیٰ، ٭مرکز اہل سنت دار العلوم باز اشہب
٭بری کنڈہ پرتاپ گڑھ، یوپی انڈیا۔

نیپال اردو ٹائمز کے سو(۱۰۰)ویں شمارے کی تکمیل پر دلی مبارک باد

الحمد للہ! نیپال اردو ٹائمز اپنے شاندار سفر کے سو(۱۰۰)ویں شمارے کی تکمیل کے تاریخی مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ صرف ایک عددی سنگ میل نہیں بلکہ مسلسل محنت، دیانت دار صحافت، علمی بصیرت اور بے لوث خدمت کا روشن ثمر ہے۔

اس مسرت انگیز موقع پر میں ادارۂ نیپال اردو ٹائمز کی پوری ٹیم، بالخصوص چیف ایڈیٹر حضرت علامہ عبدالجبار علیمی صاحب اور نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی صاحب کی خدمت میں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی شبانہ روز کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔

میری نظر میں نیپال اردو ٹائمز محض ایک اخبار نہیں بلکہ حق گوئی، صداقت، اعتدال اور غیر جانب دار صحافت کی ایک معتبر آواز ہے۔ اس نے مختصر مدت میں علمی، فکری، دینی، سماجی اور حالات حاضرہ سے متعلق معیاری مضامین شائع کر کے قارئین کے اعتماد کو حاصل کیا ہے۔ اس کے صفحات علم وادب کی خوشبو سے معطر دکھائی دیتے ہیں اور ہر شمارہ فکری رہنمائی کا ایک نیا باب کھولتا ہے۔

اس ادارتی ٹیم کی ایک نہایت قابل تحسین خصوصیت یہ ہے کہ یہ مضامین کو شخصیات کی بنیاد پر نہیں بلکہ معیار کی بنیاد پر پرکھتی ہے۔ اگر کوئی تحریر علمی، ادبی اور صحافتی معیار پر پوری اترتی ہے تو اسے بلا امتیاز اخبار کی زینت بنایا جاتا ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو کسی بھی صحافتی ادارے کو وقار، اعتبار اور دوام عطا کرتا ہے، اور یہی چیز مجھے اس اخبار کے بارے میں سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی، استحکام، مقبولیت اور بلندی عطا فرمائے، اس کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، پوری ادارتی ٹیم کو علم نافع، عمل صالح، صحت وعافیت، عزت ووقار، رزق حلال، مال ودولت، اہل و عیال اور اولاد میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے، انہیں ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کی توفیق دے اور اپنی رحمت وحفاظت کے حصار میں رکھے۔

سو(۱۰۰)ویں شمارے کی یہ مبارک منزل آنے والی بے شمار کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

مبارک باد کے ساتھ

مفتی سراج احمد قادری مصباحی، سیتامڑھی، ممبئی، انڈیا
۶۳۵۵۱۵۵۷۸۱

سو منزلوں کا روشن سفر

(سو شمارے محض صفحات کی تعداد نہیں، بلکہ اخلاص، اعتماد اور خدمتِ اردو کی ایک روشن تاریخ ہیں۔)

تحریر: محمد حبیب القادری صمدی
جی۔اے۔ایم۔سی، تریبھون یونیورسٹی
(کاٹھمانڈو، نیپال)

نیپال اردو ٹائمز کے سوویں تاریخی شمارے کی اشاعت محض ایک عددی کامیابی نہیں، بلکہ یہ عزم، استقامت، اخلاص اور اردو زبان و صحافت سے بے لوث وابستگی کی روشن علامت ہے۔ اس عظیم سنگِ میل پر میں نیپال اردو ٹائمز کی معزز ادارتی ٹیم، تمام اہلِ قلم، صحافیوں، کالم نگاروں، شعراء، ادباء اور قارئینِ کرام کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی اخبار کی اصل قوت اس کے صفحات نہیں، بلکہ اس کا مقصد، اس کی دیانت، اس کا کردار اور قارئین کا اعتماد ہوتا ہے۔ الحمد للہ! نیپال اردو ٹائمز نے گزشتہ سو شماروں کے دوران نہ صرف اردو زبان وادب کی آبیاری کی بلکہ قومی، سماجی، تعلیمی، دینی اور ادبی موضوعات کو متوازن، مدلل اور ذمہ دارانہ انداز میں پیش کر کے نیپال کی اردو صحافت میں اپنی ایک نمایاں شناخت قائم کی ہے۔ یہ اخبار نیپال میں اردو زبان کے فروغ، علمی و ادبی سرگرمیوں اور اہلِ قلم کی حوصلہ افزائی میں اپنی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔

میرے لیے یہ باعثِ مسرت و اعزاز ہے کہ اس باوقار اخبار میں وقتاً فوقتاً میرے مضامین بھی شائع ہوتے رہے ہیں اور میری مختلف علمی، تعلیمی اور ادبی کامیابیوں کو بھی اپنے صفحات پر جگہ دے کر ادارے نے میری بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ میں اسے اپنی ذات کا اعزاز نہیں، بلکہ قلم، علم اور خدمتِ اردو پر ادارے کے اعتماد کی علامت سمجھتا ہوں، جس پر میں ادارتی ٹیم کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

سو شماروں کا یہ کامیاب سفر اس حقیقت کا گواہ ہے کہ اخلاص، محنت اور خدمت کا جذبہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ نیپال اردو ٹائمز آئندہ بھی اسی وقار، علمی معیار اور صحافتی ذمہ داری کے ساتھ اردو زبان و ادب کی خدمت کرتا رہے گا، نئی نسل کو قلم سے جوڑے گا اور معاشرے میں مثبت فکر و شعور کے فروغ میں اپنا مؤثر کردار ادا کرتا رہے گا۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ نیپال اردو ٹائمز کو مزید ترقی، استحکام اور مقبولیت عطا فرمائے، ادارتی ٹیم کو صحت، اخلاص اور استقامت سے نوازے، اور اس اخبار کو ہمیشہ حق، علم، تحقیق اور خدمتِ انسانیت کا مضبوط ترجمان بنائے۔

آمین یارب العالمین، بجاہِ سیدِ المرسلین ﷺ

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

نیپال اردو ٹائمز نیپال کے مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر

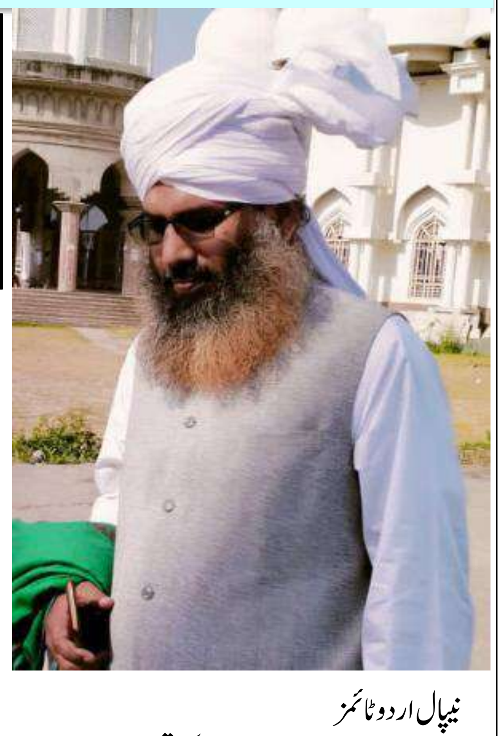

نیپال اردو ٹائمز
نیپال کے مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر

مورخ نیپال مفتی محمد رضا قادری مصباحی نقشبندی

بعض خواب رات کی تاریکی میں بند آنکھوں سے نہیں دیکھے جاتے، بلکہ بیداری کی روشنی میں دل کے نہاں خانوں میں جنم لیتے ہیں۔ وہ خواب نیند ٹوٹنے سے بکھر نہیں جاتے، بلکہ ہر نئی صبح کے ساتھ مزید واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے خواب انسان کے آرام کو بے قراری، خاموشی کو صدا، اور آرزو کو عزم میں بدل دیتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہی خواب تاریخ کے صفحات پر حقیقت کی روشن تحریر بن کر ثبت ہو جاتے ہیں۔

نیپال اردو ٹائمز بھی ایک ایسا ہی خواب تھا۔

یہ کوئی تجارتی منصوبہ نہ تھا، نہ شہرت کی خواہش کا مظہر، نہ وقتی جوش کا نتیجہ؛ بلکہ یہ اس درد کی سوزش تھی جو برسوں سے نیپال کے اردو داں مسلمانوں کے سینوں میں خاموشی سے سلگ رہی تھی۔ یہ اس چراغ کو روشن کرنے کی کوشش تھی جس کے گرد روشنی کے متلاشی تو بہت تھے، مگر چراغ جلانے والا کوئی نہ تھا۔

ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کے درمیان آباد نیپال اپنی قدرتی خوب صورتی، مذہبی تنوع اور تہذیبی رنگارنگی کے باعث دنیا بھر میں پہچانا جاتا ہے، مگر اردو زبان کی تاریخ میں یہ سرزمین ایک طویل عرصے تک خاموش باب بنی رہی۔ یہاں لاکھوں اردو سمجھنے اور بولنے والے موجود تھے، مدارس آباد تھے، مساجد میں اردو کی گونج سنائی دیتی تھی، علمی ذوق رکھنے والے اہلِ قلم بھی تھے، مگر ان سب کو ایک لڑی میں پرو دینے والا کوئی مستقل صحافتی پلیٹ فارم موجود نہ تھا۔

یہ کیفیت مجھے ہمیشہ اس باغ کی یاد دلاتی تھی جس میں خوش رنگ پھول تو بے شمار ہوں، مگر انہیں یکجا کر کے گلدستہ بنانے والا کوئی مالی نہ ہو؛ یا اس دریا کی مانند، جس کے پانی میں زندگی کی رمق تو ہو، مگر اس کی موجوں کو سمت دینے والا کوئی کنارہ نہ ہو۔

یہ احساس میرے دل میں ایک سوال بن کر ابھرا: کیا نیپال کی سرزمین ایک ایسے اردو اخبار کی مستحق نہیں جو یہاں کے مسلمانوں کی آواز، ان کی تہذیبی شناخت کا محافظ، ان کے علمی سرمائے کا امین اور ان کے مستقبل کی امید بن سکے؟

یہ سوال آہستہ آہستہ ایک خواب میں ڈھل گیا، اور پھر یہی خواب میری دعاؤں، میری سوچ، میری محنت اور میرے سفر کا محور بن گیا۔ کتنی ہی راتیں منصوبہ بندی میں گزریں، کتنی ہی ساعتیں غور و فکر میں صرف ہوئیں، اور کتنی ہی بار بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی گئی کہ اگر یہ کام دین، زبان اور ملت کے لیے خیر کا ذریعہ ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبولیت عطا فرمائے اور اس کے اسباب آسان فرما دے۔

قدرت کا دستور ہے کہ جب نیت میں اخلاص، قدموں میں استقامت اور دل میں خدمت کا جذبہ ہو تو بند راستے بھی کھلنے لگتے ہیں۔ چنانچہ وہ خواب، جو ابتدا میں محض ایک خیال معلوم ہوتا تھا، رفتہ رفتہ حقیقت کے قالب میں ڈھلنے لگا۔ یوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے "نیپال اردو ٹائمز" وجود میں آیا، اور اس کے ساتھ نیپال میں اردو صحافت کے ایک نئے اور روشن باب کا آغاز ہوا۔

آج جب اس سفر پر نظر ڈالتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض ایک اخبار کی اشاعت نہیں تھی، بلکہ ایک خاموش زبان کو صدا دینا، منتشر اذہان کو ایک مرکز عطا کرنا، اور آنے والی نسلوں کے لیے اردو صحافت کی ایسی بنیاد رکھنا تھا جس پر مستقبل کی کئی منزلیں تعمیر ہو سکیں۔

الحمدللہ! جس بیج کو کبھی امید کی مٹی میں بویا گیا تھا، وہ آج ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہے، جس کی شاخوں پر علم کے چراغ بھی روشن ہیں، ادب کے پھول بھی مہک رہے ہیں، اور ملت کی امیدوں کے پرندے بھی آشیانہ بنا رہے ہیں۔

نیپال کی سرزمین صدیوں سے تہذیبوں کی سنگم، مذاہب کے ملاپ اور ثقافتوں کے حسین امتزاج کی امین رہی ہے۔ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں سے لے کر ترائی کے سرسبز میدانوں تک اس ملک کی مٹی نے مختلف قوموں، زبانوں اور روایات کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ یہی تنوع اس کی اصل شناخت بھی ہے اور اس کا حسن بھی۔

اسی رنگارنگ منظرنامے میں اردو زبان نے بھی خاموشی سے اپنا سفر طے کیا۔ یہ کسی سرکاری فرمان کے ذریعے یہاں نہیں پہنچی، بلکہ محبت، تجارت، ہجرت، دینی روابط، علمی تعلقات اور تہذیبی میل جول کے راستے نیپال کی فضاؤں میں رچ بس گئی۔ سرحدیں اگرچہ سیاسی ہوتی ہیں، مگر زبانیں دلوں کے راستے سفر کرتی ہیں۔ اردو بھی انہی مسافروں میں سے ایک تھی، جس نے دل سے دل تک کا سفر کیا اور رفتہ رفتہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دلوں کی آواز بن گئی۔

نیپال اور برصغیر کے درمیان صدیوں پر محیط تعلقات نے اردو کی آبیاری میں بنیادی کردار ادا کیا۔ علماء، صوفیائے کرام، تاجر، اساتذہ اور اہلِ علم جب اس سرزمین پر آئے تو اپنے ساتھ صرف سامانِ سفر ہی نہیں لائے، بلکہ تہذیب، علم، اخلاق اور زبان کا وہ سرمایہ بھی لائے جس نے یہاں کی فضا کو معطر کر دیا۔ مدارس کی درسگاہوں میں اردو بولی جانے لگی، مساجد کے خطبات میں اس کی مٹھاس گھلنے لگی، اور علمی و ادبی نشستوں میں اس کی خوشبو پھیلنے لگی۔

۱۸۵۷ء کے بعد تاریخ نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ برصغیر کے کئی اہلِ علم، مجاہدین اور معزز خاندان نیپال آئے۔ انہی میں اودھ کی عظیم مجاہدہ بیگم حضرت محل اور ان کے فرزند برجیس قدر بھی شامل تھے۔ ان نفوسِ کی آمد نے نہ صرف آزادی کی جدوجہد کی یادوں کو زندہ رکھا بلکہ اردو تہذیب اور ادبی روایت کو بھی نئی توانائی بخشی۔ اس کے بعد نیپال میں مشاعروں، علمی مذاکروں اور ادبی محفلوں کی ایسی روایت قائم ہوئی جس نے اردو کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔

لیکن ان تمام علمی سرمایوں کے باوجود ایک خلاء مسلسل محسوس ہوتا رہا۔ اردو بولنے والے موجود تھے، مگر ان کی اجتماعی آواز نہیں تھی۔ اہلِ قلم تھے، مگر ان کی تحریروں کے لیے مستقل پلیٹ فارم نہ تھا۔ خبریں تھیں، مگر انہیں محفوظ کرنے والا کوئی مستقل صحافتی ریکارڈ موجود نہ تھا۔ گویا موتیوں کی ایک قیمتی لڑی بکھری ہوئی تھی، مگر انہیں ایک ہار میں پرو دینے والا کوئی جوہری نہیں تھا۔

یہ احساس ہر حساس دل کو بے چین کرتا تھا کہ جس قوم کے پاس زبان ہو مگر اس کی صحافت نہ ہو، وہ ایسے باغ کی مانند ہے جس میں پھول تو ہوں مگر ان کی خوشبو دیواروں کے اندر ہی قید رہ جائے۔ صحافت کسی بھی قوم کی اجتماعی یادداشت ہوتی ہے۔ یہی آنے والی نسلوں کو بتاتی ہے کہ ان کے بزرگوں نے کیا سوچا، کیا لکھا، کن مشکلات کا سامنا کیا اور اپنے عہد کو کس طرح جیا۔

اسی لیے میرے دل میں یہ احساس دن بہ دن گہرا ہوتا گیا کہ نیپال کو صرف ایک اخبار کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ایسے فکری مرکز کی ضرورت ہے جو قوم کے منتشر افکار کو یکجا کرے، اہلِ قلم کو شناخت دے، نوجوان نسل کو قلم کی حرمت سے آشنا کرے، اور نیپال کے اردو داں مسلمانوں کو دنیا بھر کی اردو برادری سے جوڑ دے۔

میری نگاہ میں یہ اخبار محض خبروں کا مجموعہ نہیں ہونا تھا، بلکہ ایک آئینہ ہونا تھا جس میں نیپال کے مسلمانوں کی دینی زندگی، علمی سرگرمیاں، تعلیمی جدوجہد، سماجی خدمات، ادبی ذوق اور قومی احساسات پوری دیانت کے ساتھ جھلک سکیں۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے صفحات پر صرف خبریں نہ ہوں، بلکہ تاریخ سانس لے، تہذیب بولے، قلم مسکرائے اور آنے والی نسلیں اپنے ماضی سے رشتہ جوڑ سکیں۔

یہی وہ لمحہ تھا جب ایک خیال نے خواب کی صورت اختیار کی، اور ایک خواب نے عزم کا روپ دھار لیا۔ پھر یہ عزم محض میری ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ رفتہ رفتہ بہت سے مخلص دل اس قافلے میں شامل ہوتے گئے۔ یوں ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا گیا، اور امید کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔

اسی امید، اسی اخلاص اور اسی اجتماعی احساس نے بالآخر "نیپال اردو ٹائمز" کو جنم دیا، جو صرف ایک اخبار نہیں بلکہ نیپال میں اردو کی نئی بیداری، نئی خود اعتمادی اور نئے فکری سفر کی علامت بن گیا۔

ہر بڑی تحریک کی ابتدا ایک خیال سے ہوتی ہے، مگر ہر خیال تحریک نہیں بن پاتا۔ خیال کو حقیقت بنانے کے لیے اخلاص کا سرمایہ، حوصلے کی دولت، صبر کی چٹان اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ درکار ہوتا ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو ایک معمولی خواہش کو تاریخ ساز کارنامے میں بدل دیتے ہیں۔

جب نیپال میں ایک معیاری، مستقل اور باوقار اردو اخبار کی ضرورت میرے دل میں یقین کی صورت اختیار کر گئی تو میں نے اسے محض ایک خواہش بن کر ماند نہیں پڑنے دیا، بلکہ اس کے لیے عملی منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک اخبار صرف صفحات کا مجموعہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک فکر، ایک نظریہ، ایک ذمہ داری اور ایک مسلسل امانت کا نام ہے۔

اس لیے سب سے پہلے اس کے مزاج، مقاصد اور سمت کا تعین کیا گیا۔ کئی مہینوں تک برصغیر کے ممتاز اخبارات و رسائل کا باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا۔ ان کی ادارتی پالیسی، خبروں کی ترتیب، زبان و بیان، کالم نویسی، صفحہ آرائی، طباعت اور قارئین سے تعلق کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا۔ میں چاہتا تھا کہ نیپال اردو ٹائمز محض کسی اخبار کی نقل نہ ہو، بلکہ اپنی شناخت، اپنا اسلوب اور اپنی انفرادیت رکھتا ہو۔

اسی دوران جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے علمی ماحول نے اس خواب کو مزید جلا بخشی۔ اساتذۂ کرام کی صحبت، اہلِ قلم کی رفاقت اور علمی مذاکروں نے اس منصوبے کو پختگی عطا کی۔ رفتہ رفتہ اخبار کا نام، شعار، ادارتی اصول، صفحات کی ترتیب اور اشاعتی حکمتِ عملی واضح ہوتی چلی گئی۔

لیکن ہر ادارے کی اصل طاقت اس کی عمارت نہیں، اس کے افراد ہوتے ہیں۔

چنانچہ اگلا مرحلہ ایک ایسی ادارتی ٹیم کی تشکیل کا تھا جو اس خواب کو اپنا خواب سمجھے، اس کی کامیابی کو اپنی کامیابی جانے اور خدمتِ ملت کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ ایسے افراد کی تلاش آسان نہ تھی، کیونکہ صحافت صرف قلم کا ہنر نہیں، بلکہ کردار کی دیانت، فکر کی پختگی اور ذمہ داری کا شعور بھی چاہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے مخلص اور باصلاحیت رفقاء عطا فرمائے جنھوں نے اس مشن کو ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر قبول کیا۔ ان میں سب سے نمایاں نام محترم حضرت مولانا عبدالجبار علیمی کا ہے۔ ان کی علمی بصیرت، تنظیمی صلاحیت، خاموش محنت اور غیر معمولی احساسِ ذمہ داری نے ابتدا ہی سے اس ادارے کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ انہوں نے صرف چیف ایڈیٹر کی ذمہ داری ادا نہیں کی، بلکہ ہر مشکل مرحلے میں ایک مخلص رفیق، خیر خواہ مشیر اور ثابت قدم ساتھی کی حیثیت سے اس قافلے کی رہنمائی کی۔

اس کے بعد دیگر اہلِ قلم بھی اس سفر میں شریک ہوتے گئے۔ کسی نے خبروں کی فراہمی کو اپنا فریضہ بنایا، کسی نے مضامین کی تدوین کی، کسی نے کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے ذریعے اخبار کو خوب صورت شکل دی، اور کسی نے طباعت، ترسیل اور انتظامی امور میں اپنی خدمات پیش کیں۔ یوں محبت، اخلاص اور محنت کے دھاگوں سے ایک ایسا ادارتی خاندان وجود میں آیا جس کی بنیاد صرف تعاون نہیں بلکہ اخوت اور اعتماد پر استوار تھی۔

بالآخر وہ ساعتِ سعید بھی آ پہنچی جس کا مدتوں سے انتظار تھا۔ یکم ربیع النور ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۲۰۲۴ء کو جمعہ کی شب میں نیپال اردو ٹائمز کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا۔

وہ لمحہ میرے لیے ایسا تھا جیسے برسوں کی دعاؤں نے لفظوں کا لباس پہن لیا ہو، جیسے امید کی کونپل پہلی بار شگوفہ بن کر کھلی ہو، اور جیسے ایک چراغ نے اندھیروں کے بیچ اپنی روشنی کا اعلان کر دیا ہو۔

یہ صرف ایک اخبار کی اشاعت نہ تھی، بلکہ نیپال کی اردو صحافت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح تھا۔ اہلِ علم نے اسے خوش آمدید کہا، علماء نے دعاؤں سے نوازا، ادباء نے اسے امید کی نئی کرن قرار دیا اور عام قارئین نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھ کر قبول کیا۔

پہلے شمارے کی غیر معمولی پذیرائی نے ثابت کر دیا کہ یہ ضرورت فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھی۔ قوم ایک ایسے پلیٹ فارم کی منتظر تھی جو اس کی نمائندگی کرے، اس کی تاریخ محفوظ کرے، اس کی علمی سرگرمیوں کو قلم بند کرے اور اس کے احساسات کو دنیا تک پہنچائے۔

اسی اعتماد نے ہمارے قدموں میں استقامت پیدا کی، ہمارے حوصلوں کو نئی توانائی بخشی اور ہمارے سفر کو مسلسل آگے بڑھایا۔ ہر نیا شمارہ گویا اس عہد کی تجدید بن گیا کہ قلم کبھی رکے گا نہیں، آواز کبھی دبے گی نہیں اور یہ قافلہ، ان شاء اللہ، خدمتِ اردو و ملت کے سفر میں آگے ہی بڑھتا رہے گا۔

الحمد للہ! آج جب ماضی کے دریچوں سے جھانکتا ہوں تو دل بے اختیار سجدۂ شکر میں جھک جاتا ہے۔ جو خواب کبھی دل کی دھڑکن تھا، وہ آج ہزاروں دلوں کی آواز بن چکا ہے۔ جو چراغ کبھی تنہائی میں روشن ہوا تھا، اس کی روشنی آج دور دراز بستیوں، مدارس، خانقاہوں، علمی حلقوں اور سوشل میڈیا کے وسیع افق تک پھیل چکی ہے۔

نیپال اردو ٹائمز نے صرف خبریں شائع نہیں کیں بلکہ ایک فکری تحریک کو جنم دیا۔ اس نے منتشر آوازوں کو ایک زبان دی، خاموش قلموں کو اظہار بخشا، نو آموز لکھنے والوں کو اعتماد دیا اور نوجوان نسل کے ہاتھ میں قلم کی وہ شمع تھما دی جس کی روشنی میں مستقبل کی راہیں منور ہو سکتی ہیں۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس اخبار نے نیپال میں اردو صحافت کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی نئی نسل بھی تیار کی ہے۔ بہت سے نوجوان، جو کبھی صرف مطالعہ کرتے تھے، آج خود صاحبِ قلم ہیں۔ بہت سے اہلِ علم، جن کی تحریریں ڈائریوں تک محدود تھیں، آج انہی کے مضامین ہزاروں قارئین تک پہنچ رہے ہیں۔ کئی نئے کالم نگار، مضمون نویس اور رپورٹر اسی پلیٹ فارم سے سامنے آئے اور انہوں نے اردو صحافت کے افق پر اپنی شناخت قائم کی۔

یہ اخبار ایک ایسا باغبان ثابت ہوا جس نے صرف پودے نہیں لگائے بلکہ مالی بھی تیار کیے؛ صرف چراغ نہیں جلائے بلکہ چراغ روشن رکھنے والے ہاتھ بھی پیدا کیے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیپال اردو ٹائمز نے ملک کے اندر ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ آج سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ذرائع کے ذریعے اس کی تحریریں سرحدوں کی قید سے آزاد ہو کر دنیا کے مختلف ممالک میں مقیم اہلِ اردو تک پہنچ رہی ہیں۔ اس طرح یہ اخبار نیپال کے مسلمانوں کی آواز، ان کی تہذیب کا آئینہ اور ان کی علمی سرگرمیوں کا مستند حوالہ بنتا جا رہا ہے۔

اسی طرح علما فاؤنڈیشن، نیپال بھی ملت کی نمائندہ تنظیم کی حیثیت سے مسلسل دینی، تعلیمی، سماجی اور رفاہی خدمات انجام دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج اس تنظیم کی خدمات عوامی حلقوں کے ساتھ ساتھ حکومتی اداروں تک بھی پہنچ چکی ہیں۔ مختلف قومی مواقع پر اس کی شرکت اور مشاورت اس بات کی دلیل ہے کہ خلوص کے ساتھ کیا جانے والا کام اپنا مقام خود بنا لیتا ہے۔

اسی ادارے کے زیرِ اہتمام نیپال اردو ٹائمز اور نیپال کا پہلا عربی مجلہ "الفجر" دو ایسے علمی مینار ہیں جو اردو اور عربی صحافت کے افق پر یکساں طور پر روشنی بکھیر رہے ہیں۔ ایک اردو زبان کی نمائندگی کر رہا ہے تو دوسرا عربی زبان کے علمی ذوق کو فروغ دے رہا ہے۔ دونوں مل کر اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ زبانیں بدل سکتی ہیں، مگر علم و خدمت کا پیغام ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔

آج ہمارے لیے مسرت کا مقام ہے کہ نیپال اردو ٹائمز اپنا ننانوے واں شمارہ مکمل کر چکا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ جمعرات اس کا سوواں تاریخی شمارہ منظرِ عام پر آئے گا۔ یہ صرف ایک عدد نہیں بلکہ اخلاص کی سو منزلیں، محنت کے سو امتحان، استقامت کی سو داستانیں اور اللہ تعالیٰ کی سو نعمتوں کی یادگار ہے۔

اس تاریخی موقع پر ہم تمام علماءِ کرام، مشائخِ عظام، اہلِ قلم، دانشوروں، صحافیوں، ادباء، قارئین اور محبانِ اردو سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ اپنے قیمتی تاثرات، مخلصانہ تجاویز اور دعاؤں سے ہمیں نوازیں۔ آپ کی ایک سطر ہمارے لیے سرمایۂ افتخار، آپ کی ایک دعا ہمارے لیے زادِ راہ، اور آپ کی ایک تعمیری تجویز ہمارے مستقبل کی سمت متعین کر سکتی ہے۔

ہم خصوصیت کے ساتھ اپنی پوری ادارتی ٹیم کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، بالخصوص محترم حضرت مولانا عبدالجبار علیمی (چیف ایڈیٹر)، مفتی کلام الدین نعمانی (نائب ایڈیٹر)، حضرت مولانا محمد حسن سراقہ رضوی (معاون ایڈیٹر)، حافظ احمد رضا سلمہ، حضرت مولانا شفیق رضا ثقافی، کالم نگار، حضرت مولانا رضوان احمد مصباحی، مشیر عمامہ نگار، حضرت مولانا ابو افسر مصباحی، مشیر و نامہ نگار، ور ادارتی بورڈ کے تمام اراکین کو، جنھوں نے خاموش خدمت، مسلسل محنت اور غیر معمولی اخلاص کے ساتھ اس ادارے کو اس مقام تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی طرح تمام کالم نگاروں، نامہ نگاروں، معاونین،، معاونینِ اشاعت، مخیر حضرات اور قارئین کا بھی ہم تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہماری دعا اور آرزو ہے کہ نیپال اردو ٹائمز آئندہ بھی حق و صداقت کی ترجمانی، علمی دیانت، ملی اتحاد، قومی ہم آہنگی اور اعتدال پسند صحافت کا علم بردار رہے؛ نفرت کے اندھیروں میں محبت کا چراغ، مایوسی کے صحرا میں امید کا چشمہ، اور فکری انتشار کے طوفان میں اعتدال کا چراغِ راہ ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ادارے کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اسے ہر آفت اور ہر فتنہ سے محفوظ رکھے، اس سے وابستہ تمام افراد کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اور اس قافلے کو قیامت تک علم، قلم اور خدمتِ ملت کی شاہراہ پر ثابت قدم رکھے۔

آمین یارب العالمین۔

آخر میں یہی شعر اس پورے سفر کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

دعا گو

محمد رضا قادری مصباحی نقشبندی
بانی و مہتمم: نیپال اردو ٹائمز
بانی و مہتمم عربی مجلہ "الفجر"
مرکزی سرپرست: علما فاؤنڈیشن، نیپال

نیپال اور دو ٹائمز

جہاں میں انقلابی روشنی لائے گا یہ اخبار
صحافت کے نگر میں چار سو چھائے گا یہ اخبار

پہاڑی ہو مدھیشی ہو بدیسی ہو کہ دیسی ہو
بہت ہی جلد سب کے ہاتھ میں آئے گا یہ اخبار

یہاں اردو کی ہے بستی یہاں ہیں اُردو داں ہستی
یہ ہے نیپال کی دھرتی یہاں پائے گا یہ اخبار

یہ اُردو ٹائمز ہے بھائی فقط اس میں ہے سچائی
حقیقت کا نظارہ سب کو دکھلائے گا یہ اخبار

جو نا معلوم رہتے ہیں سدا مظلوم رہتے ہیں
صدائیں اُن کی بن کر دیکھنا آئے گا یہ اخبار

خبر سچی کیا شامل خبر ہے جو بھی ہے کامل
پڑھو اس کو یقیناً نفع پہنچائے گا یہ اخبار

جو خود کو چاہے منوانا صحافی رنگ دکھلانا
ہر اُس فنکار کی فنکاری کو بھائے گا یہ اخبار

صحافت کس قدر ہوگی یہ کیسے پر اثر ہوگی
جہاں کو ایک دن احمد یہ بتلائے گا یہ اخبار

غلام احمد رضا نیپال

دعائیہ کلمات

الحمد للہ "نیپال اردو ٹائمز" کا سوواں شمارہ

منظرِ عام پر آنا اردو صحافت، علمی و ادبی خدمات اور دینی و ملی شعور کی بیداری کا ایک نہایت مبارک، مسرت آفریں اور تاریخ ساز سنگِ میل ہے۔

بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارۂ علم و قلم کو روز افزوں ترقی، استحکام، مقبولیت اور دوامِ خیر عطا فرمائے، اس کی صحافتی و قلمی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول بخشے، اسے حق و صداقت، دیانت و امانت، اعتدال و انصاف اور دین و ملت کی بے لوث خدمت کا مضبوط ذریعہ بنائے، اور اس کے مدیران، قلم کاروں، معاونین، خیر خواہوں اور قارئین کو دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي أَعْمَالِهِمْ، وَأَدِمْ عَلَيْهِمْ نِعْمَةَ التَّوْفِيقِ، وَاجْعَلْ هٰذَا الْمِنْبَرَ الْإِعْلَامِيَّ سَبَبًا لِنَشْرِ الْحَقِّ وَالْخَيْرِ، آمِين يَارَبَّ الْعَالَمِينَ۔

نیپال اردو ٹائمز حق گوئی، علم دوستی اور صحافتی دیانت کی روشن علامت

الحمد للہ جب صحافت کا مقصد صرف خبر رسانی نہ ہو بلکہ اصلاحِ معاشرہ، اشاعتِ علم، تحفظِ دین، فروغِ ادب، بیداریِ ملت اور خدمتِ انسانیت ہو تو وہ محض ایک اخبار نہیں رہتا بلکہ ایک مؤثر علمی، فکری اور تہذیبی تحریک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

"نیپال اردو ٹائمز"

اسی درخشاں روایت کا ایک معتبر اور قابلِ فخر ترجمان ہے۔

اس باوقار اخبار نے قلیل مدت میں جس اخلاص، دیانت، تحقیق، اعتدال اور صحافتی ذمہ داری کے ساتھ اردو زبان و ادب، دینی اقدار اور ملی شعور کی آبیاری کی ہے، وہ اہلِ قلم کے لیے باعثِ مسرت اور قابلِ تقلید ہے۔ سو (۱۰۰) شماروں کی تکمیل اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ اس کا سفر اخلاص، محنت، استقامت اور عوامی اعتماد کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔

حضرتِ علامہ مولانا مفتی محمد رضا صاحب قبلہ علم، تحقیق اور تصنیف کا درخشاں باب

اس مبارک صحافتی سفر کے روحِ رواں، بانی و سرپرست حضرتِ علامہ مولانا مفتی محمد رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہم عصرِ حاضر کی اُن ممتاز علمی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے تدریس، افتاء، تحقیق، تصنیف، دعوت و اصلاح اور روحانی تربیت کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دے کر ایک منفرد علمی مقام حاصل کیا ہے۔ آپ کی شخصیت علم و عمل، تحقیق و تدبر، اخلاص و للّٰہیت اور حسنِ اخلاق کا حسین امتزاج ہے۔

آپ طویل عرصہ سے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں درس و تدریس کی عظیم ذمہ داری نہایت حسنِ اسلوب، علمی وقار اور تدریسی مہارت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے حلقۂ درس سے بے شمار علماء، فضلاء اور طلبۂ علومِ دینیہ فیض یاب ہوئے، جبکہ افتاء اور علمی رہنمائی کے میدان میں بھی آپ کی خدمات اہلِ علم کے درمیان سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ نے اپنے مشائخِ کرام کی نگرانی میں تصوف و سلوک کی روحانی منازل بھی طے کیں اور اکابر اولیائے کرام کے مزاراتِ مقدسہ کی حاضری کو اپنی روحانی زندگی کا حصہ بنایا۔

یہی روحانی وابستگی آپ کی علمی شخصیت میں اخلاص، اعتدال، حلم اور وسعتِ نظر پیدا کرتی ہے۔ حضرت مفتی محمد رضا صاحب قبلہ ایک نہایت فعال، دور اندیش، عبقری اور ہمہ جہت علمی شخصیت کے مالک ہیں۔ میدانِ تصنیف و تحقیق میں بھی آپ کی خدمات نہایت وقیع ہیں۔

اب تک آپ ۲۹ علمی، تحقیقی اور دینی کتب کے مصنف ہیں، جن میں "امام احمد رضا کا فقہی مقام: فتاویٰ رضویہ جلدِ ہفتم کے آئینہ میں"، "شرح ہدایۃ النحو"، "الفیوض الجیلانیہ فی الفتاوی القاریہ" اور "نیپال میں اسلام کی تاریخ" جیسی گراں قدر تصانیف خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔

راقم الحروف کو ان میں سے متعدد کتب کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، جن سے مؤلف کی فقہی بصیرت، تحقیقی دیانت، علمی رسوخ اور شائستہ اسلوبِ نگارش نمایاں طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

اسی علمی بصیرت، فکری اعتدال اور دینی حمیت کا عکس نیپال اردو ٹائمز کی ہر اشاعت میں نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت مفتی محمد رضا صاحب قبلہ نے اس اخبار کو صرف خبروں کی اشاعت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے دین، ملت، سماج، علم، ادب اور قومی ہم آہنگی کا ایک مؤثر اور باوقار پلیٹ فارم بنا دیا ہے۔

اس موقع پر نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب

اور *نائب چیف ایڈیٹر حضرت مفتی کلام الدین نعمانی صاحب*

بھی بجا طور پر مبارک باد اور خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ ان حضرات کی ادارت، علمی بصیرت، قلمی کاوش اور مسلسل محنت نے اس اخبار کو ایک معتبر علمی و ادبی ترجمان کی حیثیت عطا کی ہے، جہاں اہلِ علم، شعراء، ادباء، دانشوروں اور نوجوان قلم کاروں کو اظہارِ خیال کا باوقار پلیٹ فارم میسر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتِ علامہ مولانا مفتی محمد رضا صاحب قبلہ، ادارۂ نیپال اردو ٹائمز اور اس سے وابستہ تمام مدیران، قلم کاروں، معاونین اور خیر خواہوں کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، ان کے علم و قلم میں مزید برکت، تاثیر اور وسعت عطا فرمائے، اور اس مبارک صحافتی سفر کو ہمیشہ حق و صداقت، علم و ادب، دین و ملت اور خدمتِ انسانیت کا روشن مینار بنائے رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا

دعا گو

مفتی محمد ثناء اللہ خان ثناء القادری مرپاوی

المعروف: مفتی اعظم بہار

نیپال اردو ٹائمز اخلاص سے مقبولیت تک کا شاندار سفر

محمد عادل ارریاوی

۱۳ صفر المظفر ۱۴۴۸ھ

قلم جب اخلاص کی روشنائی میں ڈوب کر قوم و ملت کی ترجمانی کرتا ہے تو اس کے لفظ صرف سیاہی نہیں رہتے بلکہ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔ دنیا میں روز بے شمار اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں کچھ وقت کے ساتھ مٹ جاتے ہیں اور کچھ اپنی دیانت معیار اور اہلِ قلم کی قدر افزائی کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ انہی خوش نصیب اداروں میں ایک معروف نام ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کا بھی ہے جو ملک و بیرون ملک میں معروف و مقبول ہے۔

ملک نیپال کی آن بان اور شان فلک بوس سلسلۂ کوہ ہمالیہ برف پوش بلند و بالا چوٹیاں دلکش جھیلیں جنت نظیر وادیاں سرسبز و شاداب باغات صاف و شفاف تالاب قدرت کے حسین مناظر اور بے شمار فطری خوبیوں سے مزین خوبصورت ملک نیپال سے شائع ہونے والا معروف و معتبر ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز اپنے سوویں شمارے کی تکمیل کے تاریخی مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ ادارہ یقیناً اردو صحافت اہلِ قلم اور قارئین کے لیے خوشی فخر اور مسرت کا موقع ہے۔

یہ ہفت روزہ اخبار ابتداء ہی سے ملک و بیرونِ ملک کی اہم خبروں حالاتِ حاضرہ سماجی ملی دینی تعلیمی اور فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ نیپال ہندوستان اور دیگر ممالک کے ممتاز علماء دانشوروں صحافیوں اور اہلِ قلم کے تحقیقی فکری اور اصلاحی مضامین و مقالات کو نہایت اہتمام اور وقار کے ساتھ شائع کرتا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر مدت میں اس نے اردو صحافت میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کرلی ہے۔

میرے لیے یہ بات باعثِ سعادت اعزاز اور خوش نصیبی ہے کہ اس معیاری اخبار کے ابتدائی ایام ہی سے ناچیز کی معمولی تحریروں کو بھی اس میں جگہ ملتی رہی ہے۔ جب سے اس ادارے سے وابستگی ہوئی تب سے نہ صرف اپنی تحریروں کو نکھارنے کا موقع ملا بلکہ ملک و بیرون ملک کے نامور قلم کاروں کی تحریریں پڑھنے ان سے سیکھنے اور اپنے فکری و علمی افق کو وسیع کرنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ بلاشبہ یہ میرے لیے ایک قیمتی سرمایہ اور ناقابلِ فراموش تجربہ ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز کے تمام ذمہ داران مدیران اور ادارتی ٹیم کا شکر گزار ہوں خصوصاً نہایت متحرک فعال مخلص اور دور اندیش چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی نظامی صاحب حفظہ اللہ کا جنہوں نے مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم اور معمولی قلم کار پر اعتماد فرمایا میری تحریروں کو اپنے معیاری اخبار میں جگہ دی اور ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی

۔ ان کا یہ حسنِ ظن میرے لیے باعثِ افتخار ہے جسے میں ہمیشہ اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ سمجھوں گا۔

یہ بھی ایک خوش آئند حقیقت ہے کہ اس ادارے نے نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ سینئر اہلِ قلم کی علمی و فکری خدمات کو بھی ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک معیاری صحافتی ادارے کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ وہ قلم کی طاقت کو پہچانے اخلاص کو اہمیت دے اور علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ نیپال اردو ٹائمز نے اس ذمہ داری کو جس حسن تدبیر اخلاص اور مستقل مزاجی کے ساتھ نبھایا ہے وہ لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔

مجھے کامل یقین ہے کہ اگر اسی اخلاص علمی وقار اور خدمت خلق کے جذبے کے ساتھ یہ سفر جاری رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز صرف نیپال یا برصغیر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر اردو صحافت کی ایک معتبر اور مستند شناخت کے طور پر یاد کیا جائے گا۔

یہ جان کر بھی بے حد خوشی ہوئی کہ اس تاریخی سوویں شمارے کی مناسبت سے مسلسل کالم نگاری کرنے والے قلم کار حضرات کی خدمات کے اعتراف میں انہیں انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔ یہ قدم یقیناً اہلِ قلم کی حوصلہ افزائی صحافتی خدمات کی قدر افزائی اور نئی نسل کو علمی و ادبی میدان میں آگے بڑھنے کی ترغیب دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ایسے اقدامات ہر ادارے کے لیے قابلِ تقلید ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز دن دونی رات چوگنی ترقی کرے علم و ادب صحافت اور اصلاح معاشرہ کی یہ روشن شمع ہمیشہ فروزاں رہے اور اس ادارے سے وابستہ تمام ذمہ داران مدیران مشاورتی و ادارتی ٹیم تمام قلم کاروں اور قارئین کو اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔

خصوصاً حضرت مولانا عبد الجبار علیمی نظامی صاحب حفظہ اللہ کو اللہ ربّ العزت صحت کاملہ درازئ عمر عافیت اخلاص استقامت اور مزید دینی علمی صحافتی و ملی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے ان کی شبانہ روز محنتوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے اس ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائیں اور اسے تا دیر اردو زبان و ادب اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت کا مؤثر ذریعہ بنائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین۔

سوواں شمارہ: عزمِ مسلسل کی درخشاں داستان

کسی بھی صحافتی ادارے کے لیے سوواں شمارہ محض ایک عدد نہیں، بلکہ مسلسل محنت، ثابت قدمی، اخلاص اور عوامی اعتماد کا روشن استعارہ ہوتا ہے۔ نیپال اردو ٹائمز (ہفتہ وار) نے یہ سنگِ میل طے کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اگر نیت خالص، مقصد بلند اور عزم پختہ ہو تو محدود وسائل بھی عظیم کامیابیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ نیپال اردو ٹائمز نے اپنی معیاری صحافت، متوازن اداریوں، ادبی ذوق اور قومی و بین الاقوامی موضوعات پر سنجیدہ طرزِ اظہار کے ذریعے نہ صرف نیپال بلکہ سرحدوں سے باہر بھی اپنی منفرد شناخت قائم کی ہے۔ اردو زبان کی ترویج، فروغ اور آبیاری میں اس اخبار کی خدمات قابلِ قدر ہیں، اور یقیناً اردو دنیا انہیں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

ناموافق حالات میں بھی باقاعدگی کے ساتھ اشاعت کا تسلسل اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ اس کے چیف ایڈیٹر، معاون ایڈیٹر، نائب

ایڈیٹر اور پوری ادارتی ٹیم صحافت کو محض ایک پیشہ نہیں بلکہ ایک ذمہ داری اور مشن سمجھتی ہے۔ انہی اوصاف نے نیپال اردو ٹائمز کو قارئین کے دلوں میں ایک معتبر مقام عطا کیا ہے۔ اس تاریخی موقع پر میں نیپال اردو ٹائمز کے ادارتی خاندان کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس اخبار کو مزید ترقی، استحکام اور مقبولیت سے نوازے، اس کے قلم کو ہمیشہ حق و صداقت کا ترجمان بنائے، اور اسے اردو زبان و ادب کی خدمت کا ایک مؤثر اور معتبر ذریعہ بنائے رکھے۔ آمین۔

ڈاکٹر سید تابش امام

کاکو، جہان آباد

ہے تجھ پر فضلِ رب چشمِ نبی نیپال اردو ٹائم
ہے شہرت چار سو تیری بڑی نیپال اردو ٹائم

رسول پاک کے صدقے، رضا کے فیض سے ہر سو
تجھے مقبولیت حاصل ہوئی نیپال اردو ٹائم

سبھی اہل قلم، فکر و نظر اکثر یہ کہتے ہیں
ہے قاری کی تمنائے دلی نیپال اردو ٹائم

ہمالے کے افق سے خوشبوئے اردو ادب بن کر
ہے مہکاتا ادب کی ہر گلی نیپال اردو ٹائم

تری شہرت، تری رفعت، ترقی دیکھ کر ہر دم
مخالف میں مچی ہے کھلبلی نیپال اردو ٹائم

گلِ نیپال اور ہندوستاں کے گل کی ہر ہفتہ
نکھارا کرتا ہے تو دلکشی نیپال اردو ٹائم

ترے باعث بنی زرخیز جو ویران تھی پہلے
صحافت کی زمیں نیپال کی نیپال اردو ٹائم

ترقی علمی حلقوں میں تری ہوگی ہر اک لحظہ
ترے ارکان سارے ہیں قوی نیپال اردو ٹائم

یقیناً ہیں ترے بانی، ایڈیٹر قابل تعریف
زباں کہتی ہے یہ نعمانی کی نیپال اردو ٹائم

نیپال اردو ٹائمز ماؤنٹ ایورسٹ کی سرزمین سے فروغِ اردو کا ایک درخشاں مینار

ننانوے کامیاب شماروں کی تکمیل پر تاثرات، مبارکباد اور نیک تمنائیں

اردو زبان و ادب کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس کی بقا اور فروغ میں اہلِ قلم، صحافیوں، مدیران اور ادبی اداروں نے ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ زبانیں صرف اپنے جغرافیے میں زندہ نہیں رہتیں بلکہ ان مخلص افراد کی محنت، اخلاص اور فکری بصیرت کے سبب سرحدوں سے آگے بڑھ کر عالمی شناخت حاصل کرتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں جب پرنٹ میڈیا کو بے شمار معاشی، سماجی اور تکنیکی مشکلات کا سامنا ہے، ایسے میں ،،نیپال اردو ٹائم،، کا مسلسل، معیاری اور باوقار اشاعتی سفر اردو صحافت کے لیے نہایت خوش آئند، حوصلہ افزا اور قابلِ تقلید مثال ہے۔

اس تازہ شمارے کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس بار بار تازہ ہوتا ہے کہ ،،نیپال اردو ٹائمز،، محض خبروں کا اخبار نہیں بلکہ علم و ادب، تہذیب و ثقافت، قومی و بین الاقوامی شعور، تحقیق، تنقید اور مثبت صحافت کا ایک معتبر اور باوقار ترجمان ہے۔ اس کے صفحات میں شائع ہونے والے مضامین، تحقیقی مقالات، ادبی تخلیقات، تبصرے، شخصیات کے تعارف اور عصری مسائل پر مبنی تحریریں اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ ادارۂ ،،نیپال اردو ٹائمز،، نے ہمیشہ معیار، اعتدال، غیر جانب داری اور علمی وقار کو اپنا شعار بنایا ہے۔

اس کامیاب اشاعت پر محترم چیف ایڈیٹر جناب عبد الجبار علیمی نظامی صاحب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی ادبی بصیرت، صحافتی دیانت، علمی ذوق اور اردو زبان سے بے لوث محبت اس اخبار کے ہر صفحے سے نمایاں ہے۔ آپ نے جس اخلاص، استقامت اور فکری بصیرت کے ساتھ اس ادارے کو اردو دنیا میں ایک منفرد شناخت عطا کی ہے، وہ یقیناً خدمتِ اردو کا ایک روشن باب ہے۔

خصوصاً یہ امر نہایت باعثِ مسرت اور فخر ہے کہ محترم عبد الجبار علیمی نظامی صاحب ایک ایسے ملک نیپال میں، جہاں اردو نہ سرکاری زبان ہے اور نہ ہی اکثریتی آبادی کی زبان، وہاں اردو زبان و ادب کی خدمت، اس کے فروغ اور اس کی صحافتی روایت کو زندہ رکھنے کے لیے مسلسل مصروفِ عمل ہیں۔ یہ محض ایک اخبار کی اشاعت نہیں بلکہ اردو تہذیب، اس کے علمی سرمایہ اور برصغیر کی مشترکہ ثقافتی وراثت کی حفاظت کا ایک عظیم مشن ہے۔

ایسے حالات میں اردو کا ایک معیاری اور مسلسل شائع ہونے والا اخبار اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اگر جذبۂ خدمت اور اخلاصِ نیت موجود ہو تو زبانیں سرحدوں کی محتاج نہیں رہتیں بلکہ دلوں کو جوڑنے اور تہذیبوں کو قریب لانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

آپ کی خدمات کا ایک اور نہایت قابلِ فخر اور منفرد پہلو یہ ہے کہ آپ دنیا کی بلند ترین چوٹی، ماؤنٹ ایورسٹ، کی سرزمین نیپال سے اردو زبان و ادب کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت اپنے اندر ایک حسین علامت رکھتی ہے کہ جس سرزمین کو دنیا ماؤنٹ ایورسٹ کی بلندی کے حوالے سے جانتی ہے، اسی سرزمین سے آپ اردو کی خوشبو، اس کی تہذیب، اس کے ادب اور اس کے فکری سرمایہ کو پوری دنیا تک پہنچا رہے ہیں۔ گویا ماؤنٹ ایورسٹ کی رفعت کے ساتھ ساتھ اردو کی آواز بھی آپ کی محنت کے طفیل نئی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ یہ صرف صحافتی خدمت نہیں بلکہ عالمی سطح پر اردو زبان کی نمائندگی کا ایک روشن استعارہ ہے، جس پر پوری اردو دنیا کو بجا طور پر فخر ہے۔ یہ بھی نہایت خوش آئند اور تاریخی حقیقت ہے کہ ،،نیپال اردو ٹائمز،، اپنے کامیاب اشاعتی سفر کے ننانوے (۹۹) شمارے مکمل کر چکا ہے اور اب اپنے سویں (۱۰۰) تاریخی شمارے کی جانب گامزن ہے، جسے خصوصی ضمیمے کی صورت میں شائع کرنے کا اعلان تمام اہلِ اردو کے لیے باعثِ مسرت ہے۔ یہ صرف ایک عددی کامیابی نہیں بلکہ مسلسل محنت، اخلاص، صحافتی دیانت، علمی بصیرت اور خدمتِ اردو کے ایک طویل اور روشن سفر کی کامیاب داستان ہے۔

اس تاریخی سنگِ میل پر میں محترم عبد الجبار علیمی نظامی صاحب، مجلسِ ادارت، تمام معاون مدیران، نامہ نگاروں، کالم نگاروں، مضمون نگاروں، شعراء، تکنیکی عملے اور نیپال اردو ٹائمز سے وابستہ پوری ٹیم کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ سب کی اجتماعی محنت، اخلاص اور اردو سے والہانہ محبت نے اس اخبار کو نہ صرف نیپال بلکہ برصغیر اور عالمی اردو حلقوں میں بھی ایک معتبر شناخت عطا کی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ آئندہ شائع ہونے والا سوواں خصوصی شمارہ اپنی علمی و ادبی عظمت، تحقیقی معیار، حسنِ ترتیب، ندرتِ مواد اور تاریخی اہمیت کے اعتبار سے اردو صحافت میں ایک یادگار اضافہ ثابت ہوگا اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت اختیار کرے گا۔

بارگاہِ رب العزت میں نہایت عاجزی کے ساتھ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم عبد الجبار علیمی نظامی صاحب کو صحتِ کاملہ، عمرِ دراز، عزت و وقار، مزید اخلاص، فکری بصیرت اور خدمتِ اردو کی نئی نئی توفیقات سے نوازے۔ نیپال اردو ٹائمز کو روز افزوں ترقی، استحکام، مقبولیت اور عالمی پذیرائی عطا فرمائے، اس کی اشاعت میں برکت نصیب کرے اور اسے ہمیشہ حق و صداقت، علم و ادب اور تہذیبی اقدار کا مضبوط ترجمان بنائے رکھے۔

خصوصی دعا ہے کہ جس طرح ماؤنٹ ایورسٹ اپنی رفعت، استقامت اور عظمت کے باعث پوری دنیا میں ممتاز مقام رکھتا ہے، اسی طرح ،،نیپال اردو ٹائمز،، بھی ترقی، شہرت، مقبولیت اور خدمتِ اردو کی نئی نئی بلندیوں کو ہمیشہ سر کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو ماؤنٹ ایورسٹ جیسی رفعت، آسمان جیسی وسعت، آفتاب جیسی روشنی اور دریا جیسی فیاضی عطا فرمائے، اور اس کے مدیر، قلم کاروں اور پوری ٹیم کو ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

آخر میں ایک بار پھر محترم چیف ایڈیٹر جناب عبد الجبار علیمی نظامی صاحب، مجلسِ ادارت اور ،،نیپال اردو ٹائمز،، کے تمام وابستگان کو ننانوے کامیاب شماروں کی تکمیل اور آئندہ سویں خصوصی شمارے کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ یہ روشن صحافتی سفر اسی شان، وقار، استقامت اور کامیابی کے ساتھ جاری رہے، اور نیپال اردو ٹائمز ماؤنٹ ایورسٹ کی طرح ہمیشہ اردو صحافت کی بلندیوں پر سربلند و سرفراز رہے۔

والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

مصباح الدین امروہوی

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو

مہاتما جیوتی با پھولے روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، اتر پردیش

(ہند)

عنوان: "۹۹ ہفتے کی مسلسل روشنی- ۱۰۰ ویں منزل کی جانب گامزن"

تاثرات برائے "نیپال اردو ٹائمز" شمارہ نمبر ۹۹

محترم ادارہ "نیپال اردو ٹائمز"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین! آپ کے معتبر و مقبول ہفتہ روزہ "نیپال اردو ٹائمز" کے شمارہ نمبر ۹۹ کا مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے اپنی جانب سے اور تمام اردو دان طبقے کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، آپ حضرات کی بے لوث محنت، اخلاصِ نیت اور لاکھوں قارئین کی نیک دعاؤں کے صدقے آپ نے ۹۹ ہفتے کا عظیم الشان سنگِ میل کامیابی سے طے کر لیا۔

یہ صرف ۹۹ ہفتے نہیں ہیں۔ یہ نیپال کی مقدس سرزمین پر اردو صحافت کے استحکام، بقا اور فروغ کی ۹۹ روشن داستانیں ہیں۔ یہ ہمالیہ کی بلند و بالا چوٹیوں سے پھوٹنے والے اس نورانی مینار کی تاریخ ہے جس کی کرنوں نے دور دراز کے قصبوں، دیہاتوں اور بستیوں تک علم، شعور، امن اور امید کا پیغام پہنچایا ہے۔

1. شمارہ ۹۹ کا جامع جائزہ اور فکرانہ مطالعہ

اس شمارے کو ورق ورق پڑھنے کے بعد یہ بات سورج کی طرح روشن ہو گئی کہ "نیپال اردو ٹائمز" محض حالات و واقعات کو نقل کرنے والا اخبار نہیں ہے، بلکہ یہ ملت کی فکری، دینی، تعلیمی اور سماجی تربیت کا ایک مکمل ادارہ ہے۔

الف. جراتمندانہ صحافت اور قومی مسائل پر گہری نظر

اداریہ میں *"دہلی میں NEET پیپر لیک کے خلاف طلبہ پر تشدد"* کے دلخراش واقعے کو جس دردِ مندی، ذمہ داری اور بے باکی سے قلمبند کیا گیا وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں یہ پیغام دیا کہ جمہوریت کی اصل روح اختلافِ رائے اور پرامن احتجاج کے تحفظ میں مضمر ہے۔ طلبہ کے روشن مستقبل، امتحانی نظام کی شفافیت اور انصاف کے تقاضوں پر آپ کا غیر متزلزل موقف ایک باشعور، باوقار اور ذمہ دار صحافت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ب. دینی خدمات اور مدارس کی شاندار کوریج

مدرسہ فرید العلوم ابراہیمیہ، حسینا میں منعقدہ تکمیلِ حفظِ قرآن المجید اور دستار بندی کی تقریب کی تفصیلی و جامع خبر نے ہر مسلمان کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ آپ نے علماء کرام، حفاظ عظام اور دینی اداروں کی شبانہ روز خدمات کو جس عزت و تکریم سے نمایاں کیا، اس سے ان شاءاللہ نئی نسل کے دلوں میں دینی تعلیم اور قرآن سے محبت کا چراغ مزید روشن ہو گا۔

ج. ادب، تاریخ، فکر اور اصلاح کا حسین امتزاج

اس شمارے کی جان یہ رہی کہ آپ نے ہمارے ادبی و روحانی ورثے کو زندہ رکھنے کا حق ادا کیا۔ *"سلطان الفقر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ: اردو، فارسی اور پنجابی شاعری کے عظیم صوفی ادیب"* پر تحقیقی و معلوماتی مضمون اور *"ڈاکٹر سید معین الدین حسینی: شخصیت و خدمات"* جیسا تحقیقی کالم اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ آپ ماضی کے چراغوں کو بجھنے نہیں دے رہے۔ نئی نسل کو اپنے اسلاف سے جوڑنا ہی اصل بقا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک درخشندہ کڑی *"ماہِ صفر: حقیقت یا نحوست"* جیسا اصلاحی مضمون تھا جس نے عوام میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں اور توہمات کا علمی، مدلل اور قرآنی و حدیثی دلائل سے رد کر کے صحیح اسلامی تعلیمات کو عام کیا۔

د. تعلیم، نوجوان اور امید کا پیغام

"تعلیم: شاندار مستقبل کی ضامن" کے عنوان سے شائع ہونے والا کالم ہر گھر کی ضرورت ہے۔ آپ نے بینکوں اور حکومت کی جانب سے طلبہ کو ملنے والی تعلیمی سہولیات، اسکالرشپ اور لون کی تفصیلات کو اجاگر کر کے غریب اور متوسط طبقے کے والدین کے لیے امید کی نئی کرن جگائی۔ یہی حقیقی صحافت ہے جو صرف زخم نہ دکھائے بلکہ مرہم بھی رکھے۔

نہیں۔ اس سے ان کا حوصلہ یقیناً سو گنا بڑھ گیا ہو گا۔

و. مایوسی کے بجائے تعمیر کا پیغام

آج کے دور میں جب بیشتر میڈیا صرف سنسنی، افواہ اور مایوسی بیچ رہا ہے، "نیپال اردو ٹائمز" نے ۹۹ ہفتوں میں یہ ثابت کر دکھایا کہ اخبار کا کام قوم کو توڑنا نہیں بلکہ جوڑنا ہے۔ آپ کے ہر شمارے میں ہمیں تین چیزیں ضرور ملتی ہیں: *ایمان کی تازگی، علم کی روشنی اور وطن سے سچی محبت*۔ مہنگائی اور پریشانیوں کے دور میں بھی آپ مدرسے کی کامیابی، عالم کی کتاب اور طالب علم کی محنت کی خبر دے کر قوم کے حوصلے بلند کرتے ہیں۔

2. قیادت اور پوری ٹیم کے لیے خصوصی خراجِ تحسین

اس عظیم الشان کامیابی کا سہرا یقیناً اس مخلص، محنتی اور دردِ دل رکھنے والی ٹیم کے سر ہے۔

چیف ایڈیٹر: حضرت علامہ و مولانا عبد الجبار علیمی، نظامی، نیپالی صاحب قبلہ مدظلہ العالی والنورانی

آپ کی ادارتی پالیسی، زبان کی سلاست، موضوعات کا عمدہ چناؤ، وقت کی نبض پر ہاتھ اور حق گوئی نے "نیپال اردو ٹائمز" کو لاکھوں دلوں کا اخبار بنا دیا۔ آپ کا قلم جس جرأت و حکمت سے حق کا ساتھ دیتا ہے اور باطل کے خلاف آواز بلند کرتا ہے وہ واقعی قابلِ تقلید ہے۔

نائب ایڈیٹر: نائب قاضی ضلع مہوتری، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ و مولانا مفتی محمد کلام الدین مصباحی، امجدی، نعمانی، صاحب قبلہ مدظلہ العالی و النورانی

آپ کی شبانہ روز محنت، مواد کی ترتیب، صفحات کی خوبصورتی اور فنِ صحافت پر گہری گرفت ہی اس اخبار کی بروقت اور معیاری اشاعت کا راز ہے۔ ہر شمارے میں آپ کی محنت کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

معاون ایڈیٹر و دیگر رفقاء

اس عظیم ٹیم کے ساتھ معاون ایڈیٹر حضرات، رپورٹرز، کالم نگاروں، ناظمِ کمپوزنگ اور تمام عملے کی خدمات بھی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ وہ پردے کے پیچھے رہ کر جس خاموشی، دیانت اور محنت سے مواد کی جانچ، زبان کی درستگی اور طباعت میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، وہ اللہ کے ہاں یقیناً مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں کو قبول فرمائے۔

3. ۱۰۰ ویں شمارے کے لیے نیک خواہشات اور چند خاکسارانہ گزارشات

میری ۳ خاکسارانہ گزارشات:

1. اس خصوصی شمارے میں نیپال میں اردو زبان کی ۱۰۰ سالہ تاریخ، اس کی قربانیوں اور موجودہ چیلنجز پر ایک تفصیلی فیچر شامل کیا جائے۔

2. ان اکابرین، علماء، ادیبوں اور سماجی کارکنوں کے تفصیلی انٹرویوز شائع کیے جائیں جنھوں نے ان ۹۹ ہفتوں کے سفر میں آپ کا ساتھ دیا۔

3. نوجوانوں کی صلاحیتوں کو سامنے لانے کے لیے "قلم کار مقابلہ" رکھا جائے تاکہ نئی نسل بھی اس قافلے کا حصہ بنے۔

اختامیہ

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ "نیپال اردو ٹائمز" اب صرف ایک اخبار کا نام نہیں رہا۔ یہ نیپال کے مسلمانوں کی اجتماعی آواز، ان کے دکھ درد کا ترجمان، ان کی تعلیم کا ذریعہ اور ان کی امیدوں کا مرکز بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اخلاص، استقامت، صحت اور مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ اور اس نورانی چراغ کو سوویں منزل سے آگے بڑھا کر ۵۰۰ ویں منزل تک پہنچائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

آپ کے اس عظیم مشن کے لیے میری دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔

والسلام

دعاگو:

ابو اقدس رضا محمد امتیاز القادری الغزالی

مہادے پٹی، ضلع سیتامڑھی، بہار

تاریخ: ۲۴ جولائی ۲۰۲۶ء

"صدائے دوام! نیپال اردو ٹائمز کا سوواں چراغ" *"ایک تاثر"*

صاحب قرطاس وقلم حضرت علامہ ازہر القادری دامت برکاتہم العالیہ

رات کی گہری سیاہی جب اپنے دامن میں صدیوں کی تھکن سمیٹ لیتی ہے اور خاموشی اپنے وجود کو اس طرح پھیلا دیتی ہے کہ سانسوں کی آہٹ بھی ایک راز بن جاتی ہے، تب کہیں دور ایک مدھم سی روشنی جنم لیتی ہے۔ یہ روشنی نہ سورج کی طرح تیز ہوتی ہے، نہ بجلی کی طرح چمکتی ہے۔ یہ ایک چراغ ہوتی ہے، جو دل کی گہرائیوں میں جلتی ہے، آہستہ آہستہ پھیلتی ہے، اور پھر ایک دن پورے افق کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ نیپال کی سرزمین پر اردو صحافت کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ خاموش، مگر اثر انگیز؛ مدھم، مگر دیرپا۔

یہ کہانی کسی ایک لمحے کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ ان گنت لمحوں کی پرورش سے بنی ہے۔ وہ لمحے جب کسی نے خاموشی سے یہ سوچا کہ زبان کو زندہ رکھنا ہے؛ وہ لمحے جب کسی نے اپنے حالات سے لڑتے ہوئے قلم اٹھایا اور وہ لمحے جب کسی نے یہ فیصلہ کیا کہ سچ کو لفظوں میں ڈھال کر دنیا کے سامنے رکھنا ہے۔ انہیں لمحوں کے سنگم سے ایک نام ابھرا *"نیپال اردو ٹائمز"* اور پھر یہ نام ایک صدا، ایک روایت اور ایک عہد بن گیا۔

ابتدا میں شاید یہ صرف چند صفحات کا ایک معمولی سا اخبار تھا، مگر اس کے اندر جو روح تھی، وہ معمولی نہیں تھی۔ وہ روح ایک خواب کی تھی۔ ایسا خواب جو صرف دیکھا نہیں جاتا بلکہ جیا جاتا ہے۔ اس خواب میں اردو کی محبت تھی، ادب کی خوشبو تھی، اور سچائی کا وہ رنگ تھا جو کبھی مدھم نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اخبار صرف چھپا نہیں، بلکہ دلوں میں بس گیا۔

یہ سفر آسان نہیں تھا۔ راستے میں کانٹے بھی تھے، اندھیرے بھی تھے اور کئی بار ایسا لگا کہ شاید یہ چراغ بجھ جائے گا۔ مگر ہر بار کسی نہ کسی نے اسے تھام لیا، اسے اپنی سانسوں سے جلائے رکھا اور اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو کسی ادارے کو صرف ادارہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک تحریک بنا دیتا ہے۔

ہر شمارہ گویا ایک نئی صبح تھا۔ ایسی صبح جو اپنے ساتھ امید کی روشنی لاتی تھی۔ کبھی یہ اخبار خبر بن کر سامنے آیا، کبھی تجزیہ بن کر اور کبھی ایک ایسی آواز بن کر جو دلوں کو جھنجھوڑ دیتی تھی۔ اس کے صفحات پر صرف خبریں نہیں ہوتیں، یہاں ایک معاشرہ سانس لیتا ہے، یہاں ایک تہذیب بولتی ہے اور یہاں ایک تاریخ اپنے آپ کو رقم کرتی ہے۔

وقت گزرتا گیا اور یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ ہر قدم کے ساتھ اس کی رفتار مضبوط ہوتی گئی، اس کی آواز بلند ہوتی گئی اور اس کی پہچان گہری ہوتی گئی۔ لوگ اسے صرف پڑھنے نہیں لگے بلکہ اسے محسوس کرنے لگے۔ یہ ان کی سوچ کا حصہ بن گیا، ان کے شعور کا آئینہ بن گیا۔

سوواں شمارہ؛ یہ صرف ایک عدد نہیں، یہ ایک داستان ہے۔ یہ ان سب لمحوں کا مجموعہ ہے جو کبھی خوشی میں ڈھل گئے، کبھی تھکن میں اور کبھی امید میں۔ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ اگر نیت سچی ہو اور عزم مضبوط ہو تو کوئی بھی سفر ناممکن نہیں رہتا۔

آج جب یہ اخبار اپنے سوویں سنگ میل پر کھڑا ہے تو یہ محض ماضی کا جشن نہیں منا رہا بلکہ مستقبل کو بھی آواز دے رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ یہ تو ایک نئی شروعات ہے۔ اب مزید راستے طے کرنے ہیں، مزید خواب پورے کرنے ہیں اور مزید دلوں تک پہنچنا ہے۔

یہ ادارہ اب صرف ایک اخبار نہیں رہا۔ یہ ایک امانت بن چکا ہے۔ ایک ایسی امانت جسے سنبھالنا، بڑھانا اور آنے والی نسلوں تک پہنچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ کیوں کہ یہ صرف لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی ورثہ ہے۔ اور شاید یہی اس پوری داستان کا سب سے خوبصورت پہلو ہے کہ ایک چھوٹا سا چراغ، جو کبھی خاموشی میں جلایا گیا تھا، آج ایک قافلہ بن چکا ہے۔ روشنی کا قافلہ، امید کا قافلہ اور سچائی کا قافلہ۔

یہ قافلہ جب اپنی شروعاتی منزلوں سے گزرتا ہوا آگے بڑھا تو اس نے صرف راستے نہیں ناپے بلکہ اپنے اندر ایک نئی طاقت بھی پیدا کی۔ ہر مشکل نے اسے مزید مضبوط کیا، ہر آزمائش نے اسے مزید سنوارا اور ہر رکاوٹ نے اسے یہ سکھایا کہ رکنا نہیں، جھکنا نہیں، بلکہ آگے بڑھتے رہنا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز نے اپنے سفر میں صرف خبریں نہیں دیں بلکہ ایک سوچ پیدا کی۔ اس نے لوگوں کو یہ سکھایا کہ سوال کرنا ضروری ہے، سچ کو پہچاننا ضروری ہے، اور حق کے ساتھ کھڑا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اخبار ایک عام اشاعت سے بڑھ کر ایک فکری تحریک بن گیا۔

اس کے صفحات پر لکھے گئے الفاظ محض سیاہی کے نشان نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہیں۔ ہر لفظ ایک وعدہ ہے کہ ہم سچ بولیں گے، ہم دیانت داری سے کام کریں گے اور ہم اپنے قارئین کے اعتماد کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیں گے۔ یہی وہ اصول ہیں جنھوں نے اس ادارے کو یہاں تک پہنچایا ہے۔

سوواں شمارہ دراصل ایک نئی للکار ہے۔ ایک اعلان کہ ہم نے اپنی پہچان بنا لی ہے، مگر ہمیں یہیں رکنا نہیں۔ ہمیں آگے بڑھنا ہے، مزید بہتر ہونا ہے، اور اپنی آواز کو مزید مؤثر بنانا ہے۔ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اگر ہم متحد رہیں، اگر ہم ایک مقصد کے لیے کام کریں، تو کوئی بھی رکاوٹ ہمیں روک نہیں سکتی۔

آج کا دور تیزی کا دور ہے، تبدیلی کا دور ہے۔ ایسے میں صحافت کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ نیپال اُردو ٹائمز کو اب پہلے سے زیادہ محتاط، زیادہ باخبر، اور زیادہ مؤثر ہونا ہو گا۔ اسے نہ صرف اپنی روایت کو قائم رکھنا ہے بلکہ نئے تقاضوں کو بھی سمجھنا ہے۔

نئی نسل اس کا مستقبل ہے۔ اگر ہم انہیں ساتھ لے کر چلیں، انہیں قلم کی طاقت کا احساس دلائیں اور انہیں سچائی کی اہمیت سمجھائیں تو یہ قافلہ کبھی نہیں رکے گا۔ بلکہ یہ مزید آگے بڑھے گا، مزید روشن ہو گا اور مزید لوگوں تک پہنچے گا۔

یہ سوواں شمارہ دراصل ایک پیغام ہے۔ ایک امید، ایک عزم اور ایک وعدہ۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے، اسے جاری رکھنا ہے، اسے بہتر بنانا ہے، اور اسے ایک نئی بلندی تک پہنچانا ہے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نیپال اردو ٹائمز کا یہ سفر صرف اس ادارے کا نہیں بلکہ ہم سب کا سفر ہے۔ یہ ہماری زبان کا سفر ہے، ہماری تہذیب کا سفر ہے، اور ہماری شناخت کا سفر ہے۔ اور جب تک یہ سفر جاری ہے، تب تک امید زندہ ہے، روشنی باقی ہے اور مستقبل روشن ہے۔

اس کے تمام تر ذمہ داران خصوصاً چیف ایڈیٹر مولانا عبد الجبار علیمی کو قلبی مبارکبادیاں پیش کرتے ہوئے قلمبندی کا اعلان وقت کا تقاضا ہے۔

بہر حال یہ ایک نئی شروعات ہے۔ ایک نئی امید کے ساتھ، ایک نئے حوصلے کے ساتھ۔ ایک ایسی للکار کے ساتھ جو وقت کو بھی سنائی دے:

"ہم رکنے والے نہیں"

خیر اندیش

ازھر القادری

جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا

، کھنڈ سری، سدھارتھ نگر یوپی، انڈیا۔

ہفت روزہ "نیپال اردو ٹائمز": اردو صحافت کی معتبر آواز اور ملی شعور کا روشن استعارہ

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

(سوویں شمارے کی تکمیل پر قلبی تاثرات و ہدیۂ تبریک)

الحمدللہ رب العالمین!

صحافت اگر دیانت، بصیرت، جرأتِ اظہار اور ملی درد کے ساتھ انجام دی جائے، تو وہ محض خبروں کی ترسیل کا ذریعہ نہیں رہتی؛ بلکہ معاشرے کی فکری رہنمائی، تہذیبی بقا اور اجتماعی شعور کی تشکیل کا ایک موثر اور زندہ وسیلہ بن جاتی ہے۔ یہی وہ معتبر معیار ہے جس پر ہفت روزہ "نیپال اردو ٹائمز" گزشتہ ۹۹ شماروں سے نہایت استقامت کے ساتھ گامزن ہے۔ اب اس کے سوویں شمارے کی اشاعت یقیناً ایک تاریخی، یادگار اور قابلِ فخر سنگ میل ہے جس پر ادارہ نیپال اردو ٹائمز، اس کے موقر مدیران، تمام قلم کاروں، معاونین، قارئین اور خیر خواہوں کو دلی مبارکباد پیش کرنا اپنا اخلاقی و ملی فریضہ سمجھتا ہوں۔

کسی بھی جریدے کے لیے سو شماروں تک مسلسل پابندیِ وقت کے ساتھ سفر جاری رکھنا بظاہر ایک عدد معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے پسِ پردہ شبانہ روز کی ان تھک محنت، فکری ریاضت، معاشی و انتظامی چیلنجز اور بے شمار دشواریوں کے باوجود اپنے مقصد سے وفاداری کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ فقط ایک اشاعتی عددی ہدف نہیں، بلکہ اخلاص، استقلال اور صحافتی امانت داری کی ایک کامیاب و تابناک داستان ہے۔

نیپال جیسی سرزمین پر جہاں اردو صحافت کے لیے وسائل کی قلت بھی ہے اور قارئین کا دائرہ بھی محدود۔۔۔ ایک معیاری، باوقار اور ہمہ جہت ہفت روزہ اخبار کو مسلسل ارتقا کی راہ پر گامزن رکھنا یقیناً ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ یہ بالخصوص اس بات کی بین دلیل ہے کہ جب نیت خالص، فکر بلند اور قیادت مخلص ہو، تو وسائل کی کمی کبھی عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

نیپال اردو ٹائمز کی سب سے نمایاں خوبی اس کا متوازن اور سنجیدہ صحافتی مزاج ہے۔ اس کے اوراق پر صرف خبریں ہی درج نہیں ہوتیں بلکہ فکر کی روشنی بھی ہوتی ہے؛ یہاں صرف واقعات کی عکاسی نہیں ہوتی بلکہ ان کا ژرف بینانہ تجزیہ بھی ہوتا ہے؛ فقط معلومات کی فراہمی مقصد نہیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ کا خاموش پیغام بھی شاملِ حال ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس جریدے نے نہ صرف صحافت کے افق پر اپنی منفرد شناخت قائم کی، بلکہ علمی، ادبی، دینی اور سماجی حلقوں میں بھی ایک معتبر اور محترم مقام حاصل کیا۔

اخبار کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مقامی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی خبروں کا ایک خوبصورت توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ اداریہ حالاتِ حاضرہ کی سچی اور بصیرت افروز عکاسی کرتا ہے، جبکہ تعلیم، سماجی اصلاح، دینی شعور، اردو ادب، شخصیات، عالمی منظرنامہ، تحقیقی مضامین اور فکری مقالات کا تنوع اخبار کو ہر طبقۂ فکر کے لیے یکساں مفاد اور جاذبیت کا حامل بناتا ہے۔ یہی رنگارنگی اس کی دن دونی رات چوگنی مقبولیت کا اصل راز ہے۔

نیپال اردو ٹائمز نے وقتاً فوقتاً جن خصوصی شماروں کی اشاعت کا اہتمام کیا، وہ اس کے دور اندیش صحافتی وژن کا روشن ثبوت ہیں۔ دینی و علمی شخصیات، دینی و ملی تحریکوں، اداروں اور مختلف تہذیبی و سماجی موضوعات پر شائع ہونے والی خصوصی اشاعتیں محض وقتی نوعیت کی نہیں، بلکہ مستقل حوالہ جاتی اور علمی دستاویز کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان شاہکار شماروں نے نہ صرف قارئین کے علمی ذوق کی آبیاری کی، بلکہ اردو صحافت میں ایک تابندہ روایت کی بنیاد بھی رکھی۔

یہ پہلو بھی انتہائی قابلِ قدر ہے کہ نیپال اردو ٹائمز نے ہمیشہ نووارد قلم کاروں، نوجوان علماء، فضلاء اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ متعدد ایسے اہلِ قلم ہیں جن کی ابتدائی تحریروں کو اس اخبار نے فکر و فن کی جلا بخشی، ان کے حوصلوں کو پرواز دی اور انہیں صحافت و ادب کے صحرا میں آبلہ پائی کا طریقہ سکھایا۔ کسی بھی ادارے کی اصل عظمت یہی ہوتی ہے کہ وہ صرف خود آگے نہ بڑھے، بلکہ دوسروں کے لیے بھی آگے بڑھنے کے راستے ہموار کرے۔

اخبار کے چیف ایڈیٹر عزیزالقدر حضرت مولانا عبد الجبار صاحب علیمی نظامی اور نائب ایڈیٹر محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد کلام الدین صاحب نعمانی مصباحی کی صحافتی بصیرت، اعتدال پسندانہ فکر، زبان و ادب سے والہانہ شیفتگی اور صحافت کو ایک مقدس امانت سمجھنے کا جذبہ اس ادارے کی اصل روح ہے۔ اسی طرح ادارتی ٹیم، معاون مدیران، نامہ نگاروں، کالم نگاروں اور تمام کارکنان کی پیہم جدوجہد نے اس اخبار کو وہ ثبات اور وقار عطا کیا ہے جس کا اعتراف آج مختلف ممالک کے اہلِ علم، اساتذہ، ادباء اور دانشور کھلے دل سے کر رہے ہیں۔ یہ اعتماد کسی سطحی تشہیر کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ مسلسل دیانت دارانہ خدمات کا حقیقی صلہ ہے۔

مجھے ذاتی طور پر اس اخبار کی اس خصوصیت نے ہمیشہ متاثر کیا کہ اس نے مدارس، مساجد، دینی و ملی اداروں، سماجی سرگرمیوں اور اردو زبان و ادب سے وابستہ ہر مثبت کوشش کو اپنے صفحات میں نمایاں و شائستہ مقام دیا۔ یوں اس نے صرف خبر نگاری کا فریضہ ہی انجام نہیں دیا، بلکہ ملت کی تاریخی و تہذیبی روایات کو محفوظ کرنے کا کارِ نمایاں بھی انجام دیا ہے۔

آج کے اس دور میں، جہاں صحافت کا ایک بڑا حصہ سنسنی خیزی، تجارتی مفادات اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کی نذر ہو چکا ہے، نیپال اردو ٹائمز کا یہ سنجیدہ، مہذب اور متوازن صحافتی کردار یقیناً قابلِ تقلید ہے۔ یہ اخبار اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے کہ اگر صحافت میں اخلاص اور صداقت ہو، تو محدود وسائل میں بھی عوام کے قلوب و اذہان فتح کیے جا سکتے ہیں۔

یہ سوواں شمارہ دراصل سفر کا اختتام نہیں، بلکہ ایک عزم و ولولے سے بھرپور اور نویدِ نشاط انگیز عہد کا آغاز ہے۔ قوی امید ہے کہ یہ ادارہ مستقبل میں بھی تحقیق پر مبنی صحافت، فکری رہنمائی، ملی وحدت، اردو زبان کے فروغ اور حق و صداقت کی ترجمانی کے اس عظیم مشن کو مزید وسعت، معیار اور اثرپذیری کے ساتھ جاری رکھے گا۔

میں اس پر مسرت اور مبارک موقع پر چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار صاحب علیمی، نائب ایڈیٹر حصرت مفتی محمد کلام الدین صاحب نعمانی مصباحی، معاون مدیران، ادارتی بورڈ، تمام قلم کاروں اور نیپال اردو ٹائمز کے ہر ایک قاری و خیر خواہ کو تہہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ رب العزت اس معتبر جریدے کو روز افزوں ترقی، مقبولیتِ عامہ اور دائمی استحکام عطا فرمائے؛ اس کے قلم کو حق و صداقت کا بے باک ترجمان بنائے اور اس ادارے کو ملتِ اسلامیہ اور اردو زبان کی بے لوث خدمت کے لیے ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

جدید دور کی مصروفیات اور دین کا توازن

آج کی تیز رفتار اور مصروف زندگی میں دین کی اہمیت کو برقرار رکھنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ دنیاوی ذمہ داریاں اور کام کا دباؤ ہماری توجہ دین سے ہٹا کر زندگی کی مادی ضروریات کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں ہر شخص دن رات مصروف ہے، زندگی کی تیز رفتاری نے ہمیں اس قدر الجھا دیا ہے کہ ہم اپنی روحانی اور دینی ذمہ داریوں سے دور ہو گئے ہیں۔ نتیجتاً، بہت سے لوگوں کے لیے دین کو اپنانا مشکل لگنے لگا ہے، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس مصروفیت میں دین کے لیے وقت نکالنا ایک بوجھ بن گیا ہے۔ ہر صبح ہم ایک مخصوص طرز زندگی کے مطابق اٹھتے ہیں، جو زیادہ تر دنیاوی تقاضوں اور ذاتی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ صبح سے شام تک ہم پیسہ کمانے، کام کرنے اور دنیاوی کامیابیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ رات کو جب ہم تھکے ہوئے اپنے بستروں پر لیٹتے ہیں، تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یہ دن بھی محض دنیاوی مشغولیات میں گزر گیا۔ یہ عمل روزانہ دہرایا جاتا ہے، اور یوں ہم زندگی کے اصل مقصد سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس مصروف زندگی میں ہمیں کبھی کبھار رُک کر سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہماری یہ دوڑ ہمیں کہاں لے جا رہی ہے؟ کیا یہ وہ زندگی ہے جو ہمارے لیے مقدر کی گئی تھی؟ کیا اس مسلسل محنت کا مقصد صرف دنیاوی کامیابی اور مال و دولت حاصل کرنا ہے؟ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ زندگی کا مقصد صرف دنیاوی فوائد نہیں ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کی یہ مصروفیات عارضی ہیں۔ دنیا کی شہرت، کامیابیاں اور مال و دولت سب فانی ہیں۔ یہ چیزیں لمحاتی خوشی تو دے سکتی ہیں، لیکن دل کا سکون اور روح کا اطمینان نہیں دے سکتیں۔ اصل خوشی اور سکون اس وقت ملتا ہے جب ہماری زندگی کا ہر لمحہ ایک بڑے مقصد سے وابستہ ہو، اور وہ مقصد اللہ کی رضا ہو۔

دین کو اپنانا اس بات کا مطلب نہیں کہ ہمیں دنیا کو چھوڑنا ہے یا اپنی دنیاوی ذمہ داریوں سے منہ موڑنا ہے۔ بلکہ دین ہمیں سکھاتا ہے کہ دنیاوی معاملات کو اللہ کی مرضی اور حکم کے مطابق کیسے گزاریں۔ جب ہم دین کو اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں، تو دنیاوی کام بھی عبادت بن جاتے ہیں، اور ہمارا ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ اس طرح ہم نہ صرف دنیا میں کامیابی حاصل کرتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی سرخرو ہوتے ہیں۔

دین ہمیں دنیا اور آخرت کے درمیان توازن سکھاتا ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ہم دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی ترقی کا بھی خیال رکھیں۔ دنیاوی زندگی کی تمام مصروفیات کے ساتھ دین کو اپنانا ممکن ہے، بشرطیکہ ہم اپنی نیت اور مقصد کو درست رکھیں۔ دین کو اپنانے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دنیا سے کنارہ کشی اختیار کریں، بلکہ دین کے اصولوں کے مطابق دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

انسان کی سوچ اور نیت اس کی زندگی کا بنیادی حصہ ہوتی ہیں۔ اگر آپ دین کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں تو یہ بوجھ ہی لگے گا، لیکن اگر آپ دین کو راحت کا ذریعہ سمجھیں گے تو یہ آپ کی زندگی کو سکون اور آسانی فراہم کرے گا۔ دین کو اپنانا، دنیا کی مشکلات کو حل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ جب ہم اپنے روزمرہ کے معاملات کو دین کے مطابق ڈھال لیتے ہیں تو دنیاوی فوائد کے ساتھ دل کو بھی سکون نصیب ہوتا ہے۔ زندگی کی کامیابیاں وقتی ہوتی ہیں، لیکن دین کے اصولوں پر چلنے سے دائمی سکون ملتا ہے۔ دین کو اپنانے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اپنی روزمرہ کی مصروفیات کو ترک کر دیں یا دنیا سے کٹ جائیں، بلکہ دین کی تعلیمات کو اپنے کاروبار، ملازمت، اور دیگر معاملات میں شامل کریں۔ جیسے کاروبار میں دیانت داری، ملازمت میں ذمہ داری اور معاشرت میں حسن اخلاق کو اپنانا۔ اگر ہم اپنے ہر عمل میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کی رضا کو مقصد بنائیں، تو ہماری روزمرہ کی زندگی بھی ایک عبادت بن جائے گی۔ یہ ہمیں دنیاوی معاملات کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا بھی سکھاتا ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ آج کی مصروف زندگی میں وقت سب سے زیادہ قیمتی چیز بن چکی ہے۔ ہمیں سیکھنا ہوگا کہ اپنے وقت کو بہتر طور پر کیسے منظم کریں تاکہ دین کو اپنی زندگی میں شامل کرنا مشکل نہ لگے۔ دن کے کچھ حصے کو خاص طور پر دینی کاموں کے لیے مختص کرنا بہت ضروری ہے۔ جیسے نماز کی پابندی، دعا اور خود احتسابی کے لمحات۔ یہ چھوٹے کام نہ صرف ہمارے ایمان کو مضبوط کریں گے بلکہ زندگی کے اہم پہلوؤں کی طرف توجہ مرکوز کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوں گے۔ دین کو اپنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے نیک اعمال سے شروعات کریں۔ کسی کو مدد کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کریں، سچ بولیں، مسکرا کر پیش آئیں اور اپنے کام حسن نیت کے ساتھ انجام دیں۔ یہ چھوٹے اعمال بظاہر چھوٹے لگ سکتے ہیں، لیکن ان کے اثرات بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان اعمال کے ذریعے نہ صرف آپ خود دین سے قریب آئیں گے بلکہ دوسروں کے لیے بھی مثال بنیں گے۔

دین کو اپنانے کے لیے اخلاص اور نیک نیتی بہت ضروری ہے۔ جب ہم ہر عمل کو اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتے ہیں تو اس میں برکت آتی ہے اور دین ہماری زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ دنیاوی کاموں میں اللہ کی محبت اور خوشنودی کا مقصد شامل کرنا ہماری نیت کو درست کرتا ہے اور ہماری زندگی میں سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔ خلوص کے ساتھ کیے گئے اعمال ہمیشہ فائدہ مند ہوتے ہیں، چاہے وہ دنیاوی ہوں یا دینی۔ مصروف زندگی میں کچھ وقت اللہ کی یاد اور دعامیں گزارنا ہماری روح کے لیے سکون بخش ہے۔ اللہ کا ذکر اور دعا ہماری زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور دل کو راحت دینے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ جب ہم اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں تو ہمیں زندگی کی مشکلات میں بھی آسانی محسوس ہوتی ہے۔

دنیا کی مصروفیات ہمیں آخرت کی فکر سے غافل کر دیتی ہیں، مگر اگر ہم آخرت کو یاد رکھیں اور ہر لمحے یہ ذہن میں رکھیں کہ ہم یہاں عارضی طور پر ہیں، تو ہم دین کو اپنانے میں زیادہ سنجیدہ ہو جائیں گے۔ دین کو اپنانے کی اصل روح یہ ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کو آخرت کی تیاری کے لیے استعمال کریں، کیونکہ آخرت ہی ہماری حقیقی اور دائمی منزل ہے۔ ہمیں دین کو بوجھ سمجھنے کے بجائے اسے زندگی کا لازمی اور سکون بخش حصہ سمجھنا چاہیے۔ دین کے اصول نہ صرف ہماری دنیاوی زندگی کو بہتر بناتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دین کو اپنانے سے ہمیں دنیاوی معاملات کو بہتر طور پر انجام دینے کی سمجھ آتی ہے، اور ہم ایک متوازن اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں، یہ دنیا عارضی ہے اور اصل کامیابی دین کے اصولوں پر عمل کرنے میں ہے۔ دنیاوی معاملات کو دین کے مطابق ترتیب دینے سے ہماری زندگی میں خوشی اور اطمینان آتا ہے، اور یہی حقیقی کامیابی ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب بنا سکتی ہے۔ آج کی مصروف زندگی میں ہمیں دین کو اپنانا اس لیے ضروری ہے کہ دنیاوی دوڑ اور نفس کی غلامی ہمیں حقیقی کامیابی سے دور نہ لے جائے۔ دین ہمیں صحیح راستہ دکھاتا ہے، اور ہماری زندگی کو ایک مقصد عطا کرتا ہے۔ جب ہم دین کی روشنی میں زندگی گزاریں گے تو نہ صرف ہماری دنیا بہتر ہوگی بلکہ ہمیں آخرت میں بھی کامیابی نصیب ہوگی۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا، نیپال
salimalkas22@gmail.com
(WhatsApp)۸۱۳۰۲۱۲۳۵۱-91+

آنا اور جانا خالی ہاتھ!!

تحریر: جاوید اختر بھارتی

انسان دنیا میں خالی ہاتھ آتا ہے روتے ہوئے آتا ہے یا آنے کے بعد پہلے امی ابو نہیں کہتا بلکہ پہلے روتا ہے جب دنیا میں آتا ہے تو اس کے جسم پر کپڑا نہیں ہوتا لیکن ہاتھوں کی مٹھیاں بند رہتی ہیں ہاتھوں کا بند ہونا میڈیکل سائنس کے اعتبار سے چاہے جو کچھ بھی ہو لیکن ہمارا نظریہ تو یہی ہے کہ وہ اللہ رب العالمین سے اسی بند مٹھی میں عہد و پیمان لے کر آتا ہے کہ ائے پروردگار میں شرک نہیں کروں گا، تیری ہی عبادت کروں گا، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پوری پوری ادائیگی کروں گا، زمین پر فساد برپا نہیں کروں گا، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کروں گا، کسی کا حق نہیں ماروں گا، غریبوں سے نفرت نہیں کروں گا، وعدہ خلافی نہیں کروں گا، اپنے سے بڑوں کا ادب احترام کروں گا، چھوٹوں کے ساتھ پیار ومحبت سے پیش آؤں گا، یتیموں کے سروں پر دست شفقت پھیروں گا، حق بات بولوں گا، حق بات سنوں گا، حق بات پر عمل کروں گا، احکام شرع کا پابند رہوں گا، کلمہ حق لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھوں گا، اللہ و رسول کی اطاعت کروں گا،، انسان جب دنیا میں آتا ہے تو یہی عہد وپیمان مضبوطی کے ساتھ ہاتھوں میں لے کر آتا ہے،، وہی بچہ کبھی ماں کی گود میں ہوتا ہے تو کبھی باپ کی گود میں ہوتا ہے بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہونے لگا باپ کی انگلی پکڑ کر بیٹا جب باہر نکلتا تو باپ کا سینہ چوڑا ہو جاتا،، بچے نے اسکول جانا شروع کر دیا،، بیٹا ابھی چھوٹا بھی ہے اور پڑھائی بھی کر رہا ہے ادھر باپ کاروبار بڑھا لیتا ہے جس کی وجہ سے مصروفیت کافی بڑھ جاتی ہے ادھر بیٹا بھی خوب دل لگا کر پڑھا اور باپ کے کاروبار و فیکٹری سنبھالنے کے قابل بن گیا،، ایک دن باپ کی طبیعت ناساز ہوتی ہے بیٹے کو احساس ہوگیا کہ ابو بیمار ہیں لہذا آج میں ہی فیکٹری سنبھالنے کے لئے آفس چلوں اور چل دیا،، اسی دن سے برابر فیکٹری جانے لگا دھیرے دھیرے پورا کام سنبھال لیا ایک دن فیکٹری کی آفس میں ملازمین کے میٹنگ کر رہا تھا کہ اسے خبر ملی کہ اس کے والد کا انتقال ہوگیا اس نے جیسے ہی خبر سنی بدحواس ہوگیا روتا اور بلکتا ہوا گھر آیا کیا دیکھتا ہے کہ گھر کے سارے لوگ اکٹھا اور باپ چارپائی پر بے جان پڑا ہے دھاڑیں مار کر چیختا ہے کہ اے ابو آپ نے بڑی دولت کمائی، عالیشان مکان تعمیر کرایا، مہنگی مہنگی کاریں اور باہری دروازے پر کیمرہ بھی لگوایا پھر بھی ملک الموت کو گھر میں آنے سے نہیں روک پائے اب یہ آپ کی دولت کا کیا ہوگا زندگی میں آپ نے کچھ بتایا بھی نہیں آخر آپ کی دولت آپ کے ساتھ کیسے رکھی جائے،، بیٹا ساری داستانیں سنا سنا کر رو رہا تھا کہ پیچھے سے ایک شخص نے تسلی بھرا ہاتھ کاندھے پر رکھتے ہوئے کہا کہ یہی قانون قدرت ہے ہر ایک کو مرنا ہے اور ساری جائیداد، دولت، آل اولاد سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونا ہے ایک پھوٹی کوڑی کوئی آج تک لے کر نہیں گیا ہے یہاں تک کہ سکندر ذوالقرنین کا جب انتقال ہونے لگا تو اس نے وصیت کی تھی کہ کفن سے میرے دونوں ہاتھوں کو باہر نکال دینا تاکہ دنیا دیکھے کہ دنیا پر حکومت کرنے والا شخص سکندر ذوالقرنین دنیا سے خالی ہاتھ گیا لوگوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا،، موت کا وقت بھی مقرر ہے ایک لمحہ پہلے نہ ایک لمحہ بعد،، بلکہ مقررہ وقت پر روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر، حکیم، طبیب آج تک کسی کو موت سے نہیں بچا سکا،، آج آپ کے والدِ گرامی دنیا سے رخصت ہوئے ہمیں بھی اس قبر آخرت کی پہلی منزل ہے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا پھر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

javedbharti508@gmail.com
Javed Akhtar Bharti
جاوید اختر بھارتی (سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

سیاست: شجرِ ممنوعہ یا وقت کی ضرورت؟

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

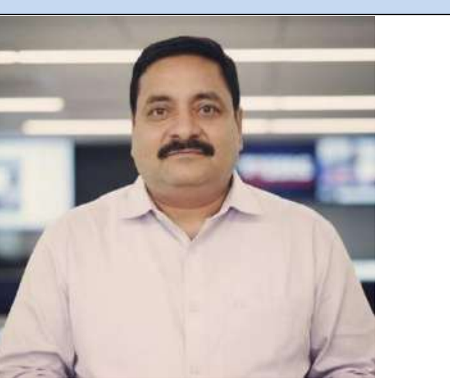

وطنِ عزیز ہندوستان اس وقت ایک ایسے نازک دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سیاست صرف اقتدار کی جنگ یا انتخابی معرکہ نہیں رہی بلکہ سماجی بقا، آئینی تحفظ اور قومی ہم آہنگی کا بنیادی مسئلہ بن چکی ہے۔ ایسے میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں اگر کوئی طبقہ سب سے زیادہ فکری اضطراب، بے یقینی اور سماجی دباؤ کا شکار ہے تو وہ ہندوستانی مسلمان ہیں۔ ایک طرف فرقہ وارانہ کشیدگی، مذہبی منافرت اور سیاسی پولرائزیشن کا ماحول شدت اختیار کرتا جا رہا ہے تو دوسری جانب مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں سیاست سے دوری، مایوسی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ سیاست کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور اس سے کنارہ کشی دراصل اپنے مستقبل، اپنے حقوق اور اپنی شناخت سے دست بردار ہونے کے مترادف ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں طویل عرصے تک سیاست کو صرف مفاد پرستی، جوڑ توڑ، جھوٹ اور اقتدار کے حصول کا دوسرا نام سمجھا جاتا رہا۔ اسی طرح مذہبی اور سماجی حلقوں میں بھی یہ تصور قائم ہوا کہ سیاست ناپسندیدہ عمل ہے، اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ ایک بڑی تعداد نے سیاست کو ترکِ تعلق کے قابل شے سمجھ لیا۔ لیکن اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ سوچ نہ صرف غیر حقیقت پسندانہ ہے بلکہ اجتماعی نقصان کا سبب بھی بنی ہے۔ کیونکہ سیاست خواہ اچھی ہو یا بری، وہ ہر حال میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قانون سازی، تعلیمی پالیسیاں، معاشی فیصلے، اقلیتوں کے حقوق، اظہارِ رائے کی آزادی اور سماجی انصاف — یہ سب سیاست ہی کے دائرے میں آتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی طبقہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لے تو لازماً اس کے مسائل، اس کی ترجیحات اور اس کے حقوق بھی پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ اس حقیقت کی واضح گواہ ہے کہ سیاست کو کبھی بھی شجرِ ممنوعہ نہیں سمجھا گیا۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صرف عبادات، اخلاقیات اور روحانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ ایک منظم، عادلانہ اور فلاحی معاشرہ بھی قائم کیا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست دراصل سیاسی بصیرت، سماجی انصاف اور اجتماعی نظم و نسق کی بہترین مثال تھی۔ خلفائے راشدین کے دور میں سیاست کا مقصد اقتدار نہیں بلکہ عدل، مساوات اور عوامی خدمت تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک عام شہری بھی خلیفۂ وقت سے سوال کر سکتا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں سیاست کو اجتماعی ذمہ داری اور امانت سمجھا گیا، نہ کہ محض حصولِ اقتدار کا زینہ۔ لہٰذا سیاست سے مکمل بے تعلقی نہ اسلامی مزاج سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ زمینی حقائق سے۔

آج ہندوستان میں جو سیاسی فضا تیار کی جا رہی ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مذہبی منافرت، فرقہ وارانہ تقسیم، اشتعال انگیز بیانات، تاریخ کی من مانی تعبیر اور اقلیتوں کے تئیں شکوک و شبہات کا ماحول اب محض میڈیا کی سرخی نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کی حقیقت بنتا جا رہا ہے۔ بعض سیاسی جماعتیں اور نظریاتی تنظیمیں خوف اور نفرت کی بنیاد پر سماج کو تقسیم کر کے سیاسی فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے میں اگر مظلوم، کمزور اور حاشیے پر موجود طبقات سیاست سے دور رہیں گے تو فیصلہ سازی کا پورا نظام یک طرفہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سیاست سے بے زاری دراصل اپنے وجود سے بے زاری کے مترادف محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سیاست خلا کو برداشت نہیں کرتی۔ اگر آپ خود میدان میں موجود نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا آ کر آپ کے مقدر کا فیصلہ کرے گا۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے ہندوستانی مسلمانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صرف جذباتی تقاریر، وقتی احتجاج یا سوشل میڈیا کی گرماگرمی مسائل کا مستقل حل نہیں ہو سکتے۔ حقیقی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان سنجیدہ، منظم اور حکمت پر مبنی سیاسی شعور کے ساتھ آگے بڑھیں۔ انہیں محض ردِّ عمل کی سیاست سے نکل کر مثبت اور تعمیری سیاست کی طرف آنا ہوگا۔ افسوس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں سیاست کو صرف انتخابات اور ووٹ تک محدود سمجھ لیا جاتا ہے، حالاں کہ سیاست کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ پنچایت سے پارلیمنٹ تک، اسکول سے یونیورسٹی تک، میڈیا سے سول سوسائٹی تک اور سماجی تحریکوں سے عوامی مسائل تک — ہر جگہ سیاست اپنا اثر رکھتی ہے۔ اگر کوئی قوم ان میدانوں میں غیر فعال ہو جائے تو اس کی آواز رفتہ رفتہ کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کو صرف ووٹر بن کر رہ جانے کے بجائے پالیسی ساز، دانشور، منتظم، وکیل، صحافی، سماجی کارکن اور قائد کے طور پر بھی سامنے آنا ہوگا۔

نئی نسل کو سیاسی شعور سے آراستہ کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ نوجوانوں کو صرف روزگار کی فکر میں محدود رکھنے کے بجائے انہیں آئین، جمہوریت، بنیادی حقوق، قانون اور ملکی نظام سے واقف کرانا ضروری ہے۔ کیونکہ جمہوریت میں صرف تعداد اہم نہیں ہوتی بلکہ شعور، تنظیم اور حکمتِ عملی بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ منظم اقلیتیں اکثر غیر منظم اکثریت پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو جذباتی نعروں سے زیادہ علمی اور سیاسی تیاری کی ضرورت ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیاست میں کامیابی صرف جذبات سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے صبر، تدبر، اتحاد اور دور اندیشی درکار ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری انتشار اور باہمی اختلافات ہیں۔ ذات، مسلک، جماعت اور علاقائی تعصبات نے اجتماعی طاقت کو کمزور کر دیا ہے۔ ہر گروہ اپنی الگ شناخت اور مفاد کے دائرے میں محدود ہو گیا ہے، جب کہ سیاسی طاقت ہمیشہ مشترکہ مفادات، اتحاد اور اجتماعی شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک مسلمان داخلی اختلافات سے اوپر اٹھ کر مشترکہ مسائل پر متحد نہیں ہوں گے، تب تک ان کی سیاسی آواز مؤثر نہیں ہو سکے گی۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کی سیاست صرف اپنے مسائل تک محدود ہونی چاہیے؟ یقیناً نہیں۔ ایک بالغ نظر سیاسی سوچ کبھی فرقہ وارانہ مفادات تک محدود نہیں رہتی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی سیاست کو ملک کے وسیع تر سماجی اور جمہوری مسائل سے جوڑنا ہوگا۔ مہنگائی، بے روزگاری، تعلیم، صحت، کسانوں کے مسائل، خواتین کے حقوق، آئینی اداروں کی خودمختاری اور اظہارِ رائے کی آزادی جیسے مسائل پورے ملک کے مسائل ہیں۔ اگر مسلمان صرف اپنی شناخت کے خول میں محدود رہیں گے تو وہ قومی دھارے سے کٹ جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ انصاف، مساوات اور جمہوریت کے وسیع تر ایجنڈے کے ساتھ کھڑے ہوں گے تو ان کی سیاسی ساکھ بھی مضبوط ہوگی اور سماجی اعتماد بھی بڑھے گا۔ ہندوستان کا آئین اس ملک کی سب سے بڑی طاقت اور جمہوری شناخت ہے۔ یہی آئین تمام شہریوں کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ مذہبی آزادی، اظہارِ رائے، تعلیم، سیاسی شرکت اور انصاف تک رسائی کا حق اسی آئین نے فراہم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے آئینی اور جمہوری راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ نفرت، اشتعال یا تشدد کسی مسئلے کا حل نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب ہمیشہ باہمی احترام، رواداری اور مشترکہ جدوجہد کی بنیاد پر قائم رہی ہے۔ اگر کوئی طاقت اس تہذیبی ورثے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس کا جواب بھی آئینی بصیرت، سیاسی حکمت اور جمہوری جدوجہد سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں سیاسی طور پر بے حس ہو جاتی ہیں، وہ رفتہ رفتہ معاشی، تعلیمی اور سماجی طور پر بھی کمزور پڑ جاتی ہیں۔ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنے حالات کا ادراک کر کے منظم سیاسی جدوجہد کرتی ہیں۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرستی کے خلاف تحریک ہو یا امریکہ میں شہری حقوق کی جدوجہد، ہر جگہ سیاسی بیداری نے ہی محروم طبقات کو طاقت بخشی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ محض شکوہ، شکایت اور مایوسی سے حالات تبدیل نہیں ہوتے بلکہ تبدیلی کے لیے مسلسل جدوجہد، تنظیم اور حکمتِ عملی ضروری ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان سیاست کو گالی دینے یا اس سے خوف کھانے کے بجائے اسے ایک سماجی ذمہ داری کے طور پر قبول کریں۔ سیاست اگر مفاد پرستوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو وہ نفرت، تقسیم اور تعصب کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن اگر دیانت دار، باشعور اور خدمت کے جذبے سے سرشار لوگ میدان میں آئیں تو یہی سیاست سماجی انصاف اور قومی تعمیر کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے۔ اگر اچھے لوگ سیاست سے دور رہیں گے تو میدان ہمیشہ نفرت پھیلانے والوں کے لیے خالی رہے گا۔ آج جب کہ ملک کے مختلف حصوں میں مذہبی منافرت کو ہوا دینے کی کوششیں جاری ہیں، تب ہندوستانی مسلمانوں سمیت تمام انصاف پسند شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جمہوری اقدار، آئینی اصولوں اور سماجی ہم آہنگی کے تحفظ کے لیے متحد ہوں۔ ہمیں جذباتی ردِّ عمل کے بجائے سیاسی بصیرت، تنظیم اور حکمت کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ کیونکہ نفرت کا مقابلہ صرف نعروں سے نہیں بلکہ مضبوط سیاسی شعور، اجتماعی اتحاد اور مسلسل جمہوری جدوجہد سے کیا جا سکتا ہے۔ سیاست واقعی شجرِ ممنوعہ نہیں؛ بلکہ موجودہ حالات میں یہ بقا، وقار، شناخت اور مستقبل کے تحفظ کی ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے۔ جو قومیں اس حقیقت کو بروقت سمجھ لیتی ہیں، تاریخ ان کے حق میں فیصلہ دیتی ہے، اور جو قومیں سیاست سے بے تعلق رہتی ہیں، وہ دوسروں کے فیصلوں کی محتاج بن کر رہ جاتی ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
خصوصی شمارہ
31/جولائی2026مطابق 15/صفر المظفر1448ھ/15 گتے ساون 2083

جہیز کی لعنت، ایک مہلک وباء ہے

محمد ارشد رضا امجدی

ممبر آف علماء کونسل نیپال ضلع نول پراسی نیپال

مذہبِ اسلام میں " جہیز " نکاح کا کوئی لازمی جز نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے معاشرے میں اغیار کے رسوم سے چل کر آئی ہے۔ اغیار کے یہاں ہوتا یہ تھا کہ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اسی حصے کے عوض یہ رواج پڑ گیا کہ شادی کے موقع پر بڑھ چڑھ کر زیادہ سے زیادہ ساز وسامان بیٹیوں کو دیا جائے گویا کہ اپنی دولت کا ایک حصہ دینے کی کوشش کرتے تھے اور اس فعل کو جہیز سے موسوم کرتے تھے اور یہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

جہیز کا لغوی معنی ہے " سامان تیار کرنا " امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لفظ جہیز کا اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جہیز اس سامان کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی (میت، مسافر یا دلہن) کے لیے تیار کیا جاتا ہے، لفظ تجہیز بھی اسی سے ہے جس کا معنیٰ اس سامان کو اٹھانا یا بھیجنا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی دختر نیک اختر کو اپنی رضا مندی و خوشی سے استطاعت کے مطابق بغیر کسی مطالبہ کے بطورِ محبت ضروریات زندگی سے متعلق ساز وسامان دینا چاہے تو یہ جائز و درست بلکہ کارِ ثواب ہے اسی فعل کو عرف میں جہیز کہا جاتا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: " تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ " یعنی تم لوگ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس لیے کہ ہدیہ دل کی کدورت کو دور کرتا ہے، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو" (سنن ترمذی) اگر آج ہم جائزہ لیں اپنے معاشرے کا تو پتہ چلے گا کہ شادی کا معارض وجود میں آنا یعنی کہ کئی ایک گاڑیاں ہوں، مہنگے مہنگے لباس میں لوگ ملبوس ہوں (wedding dresses)، گوناگوں پھل ہوں، کئی قسم کے کھانے ہوں، وافر انداز میں جہیز مہیا ہو اگرچہ فریقین مقروض ہو جائیں شادی کا نام سن کر یہی سارے مفہوم واضح ہوتے ہیں حالانکہ خیر و برکت والی شادی یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے خیر و برکت والی شادی تو وہ ہے کہ فریقین کے لیے جتنا کم خرچہ ہوگا اتنی ہی برکت ہوگی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اِن اَعظم النکاح برکۃً، اَیسرہ مؤونۃً (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

یعنی بڑی بابرکت نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو!!! اس حدیث پاک سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ شادیاں ایسی ہوں کہ جس میں خرچے کم ہو تاکہ فریقین مقروض نہ ہوں۔

فی زمانہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شادیوں میں بڑھتے خرافات اور حرام رسم ورواج اور فضول خرچیوں پر قدغن لگایا جائے تبھی معاشرے میں خوشحالی آئے گی اب یہاں اگر میں اپنی تنظیم " علماء کونسل نیپال " کا ذکر نہ کروں تو روا نہیں ہوگا ہماری اس تنظیم نے شادیوں میں بڑھتے خرافات پر ایکشن لیا اور یہ عہد کیا کہ اگر شادیوں میں جہیز کی لعنت، یا عیاشی و عریانیت پائی جائے یا پھر حرام رسم ورواج کو فروغ ملا تو کوئی علماء نکاح نہ پڑھیں پڑھنا تو دور کی بات پڑھنے بھی نہ دیں تاوقتیکہ فریقین توبہ واستغفار نہ کرلیں۔ اس قوم کا زوال قریب ہے جس قوم میں فضول خرچیوں کا بازار گرم ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت طیبہ طاہرہ عابدہ زاہدہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نہایت سادگی سے فرمایا اور بطورِ جہیز ضروریات زندگی سے متعلق کچھ ساز وسامان عنایت فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ لقد رضی المولیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ " جھز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل، وقربۃ،

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ جس میں اذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی عنایت فرمایا!!! اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ چاہ لیتے تو احد پہاڑ آپ کے پیچھے پیچھے سونا بن کر چلتا رب العالمین نے ساری کائنات کی کنجیاں عطاء فرمادی ایسی حالت میں اگر آپ ﷺ جہیز کی صورت میں دولت عطا فرماتے تو ضرور دولت کو شرم آجاتی، لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اللہ جل شانہ کی رضا دولت میں نہیں بلکہ رب کے حضور عاجزی وانکساری میں ہے۔

اگر ہم عورت کی رہائش و نان ونفقہ کی بات کریں تو عورت خود کفیل نہیں ہوتی بلکہ اپنے شوہر کی زیر کفالت پروان چڑھتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام بلیغ میں ارشاد فرماتا ہے کہ: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء: ۳۴) یعنی مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے۔

اس آیت مبارکہ کی شان نزول کچھ یوں ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حبیبہ کو کسی خطا پر ایک طمانچہ مارا جس سے ان کے چہرے پر نشان پڑ گیا، یہ اپنے والد کے ساتھ حضور سیدُ المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں اپنے شوہر کی شکایت کرنے حاضر ہوئیں۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے قصاص لینے کا حکم فرمایا، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے قصاص لینے سے منع فرمادیا۔ (تفسیر بغوی)

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ عورت کے خرچے کی ذمہ داری، اس کی ضروریات، اس کی حفاظت، اس کو ادب سکھانا مرد کے سر ہے دیگر کئی امور میں مرد کو عورت پر تسلط حاصل ہے اور ایسا ہونا عورت کے لیے ناانصافی وظلم نہیں بلکہ عین انصاف اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ گویا کہ عورت رعایا اور مرد بادشاہ ہے اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مرد کی فضیلت عورت سے زیادہ ہے کیوں کہ مرد کے حقوق بھی عورت سے زیادہ ہیں اس لیے عورت پر مرد کی اطاعت لازم ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جہیز یہ دلہن کے والدین پر لازم و ضروری نہیں انہیں مجبور کرکے مطالبۂ جہیز کرنا ظلم و زیادتی ہے جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے فرمائی وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران: ۵۷) یعنی اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا!!! ماں باپ کچھ کپڑے، کچھ زیورات، کچھ سامان، برتن، پلنگ، بستر، میز کرسی، تخت، جائے نماز، قرآن مجید، دینی کتابیں وغیرہ اپنی بیٹی کو دیکر رخصت کرتے ہیں یہ ساری چیزیں جہیز کہلاتا ہے جو کہ جائز بلکہ سنت ہے۔

راقم الحروف کی بس یہ گزارشات ہیں کہ شادیوں کو مسنون طریقے سے عمل میں لائیں، کثیر الافراد باراتیوں سے اجتناب کریں، جہیز کی لعنت سے خود بھی بچیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی بچائیں، جتنی چیزیں والدین اپنی بیٹی کو دیں اسی پر اکتفاء کریں، لڑکی والوں کو بھی چاہیے کہ حق مہر کے نام پر خطیر رقم بھاری اخراجات کا مطالبہ نہ کریں، علماء کرام جہیز کے خلاف تحریک چلائیں اور جملہ خرافات پر قدغن لگانے کی ہر ممکنہ کوشش کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ہمارے معاشرے کو ان لغو اور خرافات رسوم سے پاک فرمائے اور مسلمانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت فرماکر استقامت فی الدین عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین وبجاہ سید المرسلین ﷺ

حضور شیخ المشائخ کی کرامتیں اور مکاشفات

از قلم: محمد عابد رضا مصباحی، پونہ

تصوف اور روحانیت کا بنیادی مقصد انسانیت کی فوز و فلاح ہے۔ روحانیت وہ عظیم سرمایہ ہے جس کو حاصل کرکے انسان انسانیت کی معراج حاصل کرلیتا ہے اور اس منزل سے گزر کر انسان ایک ایسے مقام عظیم پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے کائنات کی وسعتیں اس کی نگاہوں کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں۔ انسان فطرت کے ان تمام مناظر کو اپنی جھونپڑی کی دہلیز پر بیٹھ کر دیکھ لیا کرتا ہے جہاں تک کسی عام انسان بلکہ جنات تک کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے۔ اہل دل روحانیت کے ذریعہ دل کی صفائی و تطہیر انسانیت کا کام کرتے ہیں۔ انسان فطرتاً نفس سے پریشان رہتا ہے، چاہتا ہے کہ میں اچھے کام کروں، چاہتا ہے کہ میں دنیا میں سے سرفراز و سرخرور ہوں لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان جب اچھے کام کی طرف قدم بڑھاتا ہے اس کا ازلی دشمن شیطان اس کو کار نیک سے روک دیا کرتا ہے، اس ملعون کی ہر ممکن کوشش یہ رہتی ہے کہ نیکوکار انسان کو قعرِ مذلت میں ڈھکیل دیا جائے۔ یہ تو اہل دل کی کرشمہ سازی ہے کہ جب وہ نگاہیں اٹھاتے ہیں اور انسان کو نہ صرف شیطان بلکہ تمام مصائب و آلام سے محفوظ فرماکر ایسی منزلوں سے گزار دیتے ہیں جہاں انسان کا وہم و گمان بھی نہ پہنچتا ہو۔ معرفت و روحانیت کے حوالے سے اللہ کے نبی تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کتاب لے کر آئے ہیں اس میں خدائے قدیر و جبار کا ارشاد ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (الاسراء/۸۵)

اور تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ: روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور (اے لوگو!) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

یہ اہل دل ہیں جو اس مقام پر پہنچتے ہیں اور روحانیت کی عظیم منزلوں سے گزر کر اپنے دل کو مثل آئینہ بنالیتے ہیں اور پھر وہ جن راہوں سے گزرتے ہیں وہاں انسانیت کی بہاریں آجاتی ہیں۔ ان اہل دل کی عظمتوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر پتھروں پر نگاہ پڑ جائے ان کو ہیرا بنا دیتے ہیں، اگر مٹی پر پھونک مار دیں، اسے سونا بنا دیتے ہیں اگر دریا کو حکم دیں تو وہ الٹی چال چلنے لگتا ہے، پہاڑوں کو ٹھوکر مار دیں تو وہ ٹھہر جاتے ہیں، اگر وہ دریا میں گھوڑے ڈال دیں تو دریا سپاٹ میدان کی طرح ان کو راستہ دے دیتا ہے، اگر وہ انسان کے پراگندہ دل پر نگاہ فرما دیں تو اس کو صفاف کر کے ولی کامل اور قطب وابدال تک بنا دیتے ہیں۔

یہ اہل دل کی وہ عظیم طاقت ہے جس کی ہر دور میں ضرورت محسوس کی گئی ہے اور ہر دور میں معراج انسانیت اس سے وابستہ رہی ہے۔ یہ روحانیت ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے ان بادیہ نشینوں کو جن کو انسانوں کا پتہ تھا نہ انسانیت کا۔ وہ جرم کے اس قدر عادی تھے کہ وہ جرم کو جرم نہ سمجھتے، ستم ان کے رگ وریشے میں ایسے پیوست ہو گیا تھا کہ اب وہ ستم کو بھی حسن کا درجہ دیتے تھے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ جو قوم اپنے آغوش میں کھیلنے والے بچوں کا گلا دبوچ کر مار ڈالتی ہو اور اس پر فخر کرتی ہو۔ انسانیت کی اس سے مجروح و پراگندہ مثال دنیا لانے سے قاصر ہے۔ لیکن نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اسی قوم کو معرفت و روحانیت کی منزلوں سے گزار دیا تو وہ اب بادیہ نشین جو جور و جفا، ظلم و ستم کے عادی تھے انسانی معاشرے کے لیے آئیڈیل بن گئے۔ اب وہ جن راہوں سے گزرتے ہیں لوگ ان کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں، جن راستوں سے ان کا گزر ہو جاتا انسانیت کو نئی زندگی مل جاتی تھی اور لوگ تمنا کرتے، اے کاش! محمد عربی ﷺ کا کوئی غلام آئے ہمیں ظلمتوں کی اس چکی سے نکال کر نجات عطا کرے۔ اور یہ ہوا ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام جن راستوں سے گزر گئے ان راستوں پر رحمت کے پھول کھلاتے گئے۔ اور وہاں انسانی معاشرے نے نئی زندگی کا آغاز کیا۔

یہ ہماری کم ظرفی ہے کہ آج ساڑھے چودہ سو سال کے بعد ہم تصوف سے دور ہوتے جارہے ہیں روحانیت سے دور ہوتے جارہے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا نے ہمیں ٹھکرا دیا ہے۔ آج دوسروں کے شعبدہ بازی میں آکر قوم مسلم ایمان جیسی عظیم دولت کا سودا کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے روحانیت کے راستے کو چھوڑ دیا، ایسا نہیں ہے کہ اہل دل اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ڈھونڈنے والے اگر چاہیں تو ان کو کیا نہیں ملتا، ڈھونڈنے والے چاہیے۔ ہاں! شرط یہ ہے کہ پھر دل سے ڈھونڈا بھی جائے۔ ضروری یہ ہے کہ انہیں تلاشہ جائے اور ان کے قریب رہا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِىِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۲۸)

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار (زینت) چاہو گے اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔ اس ایت کریمہ کا اگر آپ بغور مطالعہ کریں تو صاف پتہ چلے گا کہ حکمت ربی یہ ہے کہ ہم اہل دل کی نہ صرف مجلس میں بیٹھیں بلکہ ان کے ہاتھ اپنا سودا کر کے اپنا سراپا ان کے سپرد کردیں اور ان سے فیض حاصل کریں۔

ماضی قریب میں وہ عظیم ذات جس نے روحانیت کی بساط بچھائی اور ان کی روحانیت سے ایک زمانہ فیض یاب ہو رہا ہے۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اہل دل ملیں گے کہاں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ نے تلاشہ کہاں ہے آؤ کبھی تو ان بازاروں میں چلا جائے جو اہل دل نے سجا رکھی ہیں۔ جہاں پر آج بھی دلوں کی تطہیر کا سامان کیا جاتا ہے۔ آج بھی جہاں زنگ آلودہ دلوں روحانیت کا مرہم عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ علامہ غلام محمد خان (متولد ۱۹۰۱ء/ متوفی۱۹۷۸ء) انھی پاک باز ہستیوں میں سے ایک ہستی ہیں جنھوں نے مشرقی یوپی کے معروف تاریخی شہر بنارس کی سرزمین پر آنکھیں کھولیں اور وہیں پروان چڑھے اور پھر مرشد کے ایما پر وہیں روحانیت کی بساط بچھائی، اور اپنے مئے کدہ معرفت سے خوب جان لنڈھائے جس سے ہندو بیرون ہند لوگ سیراب ہوئے اور آج بھی ان سے فیض یافتہ افراد بڑی تعداد میں لوگوں جادہ مستقیم پر چلا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی ذمہ داری پورے طور پر انجام دی ہے وہ دنیا کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ دنیا سے کناری کش رہ کر اہل دنیا کے دلوں پر راج کیا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ اپنی خدمات دینیہ خدمات خلق و استقامت فی الدین کی وجہ سے دنیا میں معروف ہوئے ان کی زندگی کے شب و روز کو دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں ان کی زندگی کیسی با کمال اور پاکیزہ تھی۔ ان کی ہر ادا، ادائے دلربانہ تھی ان کی زندگی میں کشف و کرامات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں مگر یہ اہل دل ان کو ہمیشہ چھپاتے ہیں اظہار بس وہیں تک کہ لوگوں کے دلوں کو سنوارا جائے۔ کرامات جو اولیاء کرام کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہیں بلکہ بسا اوقات کرامتوں کے ذریعے بڑے بڑے معرکے سر کرلیے گئے ہیں۔

اولیاء کرام کی کرامات حق و باطل کے درمیان وہ نشان امتیاز ہے جس کی وجہ سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد کفر و شرک و گمراہی کو چھوڑ کر طریقہ حق وہدایت کی راہ پر چل نکلے نہ صرف چل نکلے بلکہ وہ ایک زمانے کے لیے مشعل راہ بن گئے۔ اگر ہم حضرت شیخ المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات کے حوالے سے بیان کریں تو ان کی زندگی خود سراپا کرامت تھی۔ جن لوگوں نے قریب سے دیکھا وہ خود بتاتے ہیں کہ ان کی زندگی کے نقوش پا سے بہت سی کرامتوں کا صدور ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت خود ایک عظیم ولی کی کرامت کا شاہ کار ہے۔ آپ کے والد گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سات بچیوں کے باپ تھے دل میں ایک تمنا تھی اور تڑپ تھی اے کاش! اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے کوئی اولاد نرینہ عطا فرماتا۔ خود آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی یہی حال تھا۔ اسی تڑپ اور بار فتگی کو لے کر آپ کے والدین اجمیر معلی خواجہ خواجگاں عطائے رسول خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچے۔ عرس کا موقع تھا آپ کے والدین نے خواجہ اعظم خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در دولت پر جبین سائی کرکے سوچا کہ چلو تارا گڑھ پر بھی حاضری دے لی جائے اور دونوں وہاں سے تارا گڑھ کی بلندیوں کی جانب رواں دواں ہو گئے اثنائے راہ ایک درویش نے آواز دی کہ فقیر کو دو آنے چاہیے جب کہ آپ کے والدین پاس اس کل کائنات دو آنے تھے، سوچا اگر دو آنے فقیر کو دے دیے تو اپنے پاس کیا بچے گا؟ پہلے تو اپ نے ٹالنے کی کوشش کی لیکن فقیر پھر آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ مجھے دو آنے چاہیے اور دو آنے تمہارے پاس ہیں، زاد راہ اور دل کی کشمکش میں دل کی جیت ہوتی ہے اور دل نے گواہی دی کہ کیوں نہ اس فقیر کو دو آنے دے دیے جائیں، آپ نے اپنی جیب سے دو آنے نکال کر فقیر کی جھولی میں ڈال دیئے فقیر نے آواز دے کر کہا: جا! اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے بیٹا عطا فرمائے گا عرس ختم ہوا آپ اپنے مرشد کی بارگاہ میں پہنچے، عرض حال کیا مرشد کہتے ہیں کہ بیٹے کی ولادت کی بشارت مبارک ہو، عرض کرتے ہیں حضور آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا جب فقیر نے آپ کو دعا دی تھی اور وہ فقیر کوئی نہیں بلکہ ہند الولی خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات تھی۔ جن کے در دولت دلوں کے ٹوٹے آبگینے جوڑے جاتے ہیں اور مبارک ہو آپ کا نخل تمنا بھی اب سبزہ زار ہوا جاتا ہے۔ اس طور پر حضور شیخ المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوتی ہے حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بشارت کے مطابق ٹھیک نو ماہ بعد ۱۹۰۱ء میں آپ دنیا میں رونق افروز ہوتے ہیں، آپ کے والد گرامی جناب ارشاد احمد خان حضرت قطب الاقطاب حضرت سید ابو الخیرات سیوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرف بیعت رکھتے تھے اور انہیں کی نگرانی میں آپ کی تربیت ہوئی۔ شرف وکمال کا یہ عالم ہے کہ آپ بچپنے میں ہی اپنے مرشد کامل کی آنکھوں کا تارا بن گئے اور آپ نے اپنے مرشد برحق حضرت مولانا سید ابو الخیرات سیوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تمام ظاہری اور باطنی علوم حاصل کیئے۔ جہاں آپ کے مرشد کامل ایک بڑے عالم دین بڑے فقیہ و محدث تھے وہیں وہ ایک جید صاحب معرفت بھی تھے۔ آپ کے شیخ نے آپ کو تمام ظاہری اور باطنی فیوض و برکات سے مالامال فرمایا اور ہر اعتبار سے آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ کے حوالے سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نماز کے علاوہ تمام معمولات اسلام پر سختی سے عمل پیرا تھے دن ہو کہ رات آپ اپنے معمولات سے کبھی کوئی سمجھوتہ نہ فرماتے۔ رات کی تاریکیاں ہوں آپ بیدار ہو کر تہجد ادا فرماتے ہیں اس کے بعد مراقبہ میں بیٹھ جاتے، مراقبے سے فارغ ہوئے آرام کیا فجر کی اذان ہوئی نماز فجر کے لیے اٹھ گئے اور فورا کمال خشوع کے ساتھ نماز فجر ادا فرماتے ہیں نماز فجر ادا کی اور مصلے پر بیٹھ کر اوراد و وظائف میں مشغول، چاشت کا وقت ہوا اشراک کا وقت ہوا اوابین کا وقت ہوا تمام نمازوں کو اپنے موقع پر ادا کرماتے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے معمولات نے آپ کو عظیم منازل پر فائز فرمادیا۔

بتایا جاتا ہے کہ آپ کے ایک پیر بھائی جو کہ چودھا ضلعوں کے قطب تھے ایسے وقت میں جب کہ حضور شیخ المشائخ آرام فرماتے تھے سکون نہ ہوتا تھا ان کو آپ کے مرشد گرامی نے حکم دیا کہ جاؤ اور غلام محمد کے پیر دباؤ وہ آئے اور اپ کی خدمت میں لگ گئے۔

اپ نے دیکھا کہ ۱۴ ضلعوں کا قطب خود میری خدمت کر رہا ہے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں کم از کم مجھے معاف فرمائیں انھوں نے کہا کہ شہزادے مجھے مرشد کا حکم ہے بلکہ انھوں نے توبیخ کر کے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرمایا: میرے غلام محمد کو نیند نہیں آتی تمہیں یہاں لیٹے ہو جاؤ غلام محمد کے پیر دباؤ۔ احترام کا عالم یہ ہے کہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کا احترام کر رہے ہیں لیکن مرتبے کا یہ عالم ہے کہ وقت کا ابدال بھی آپ کی خدمت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

آپ کی کرامت کے حوالے سے حیات شیخ المشائخ میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات میں کافی دیر تک ذکر واذکار و مراقبے میں مشغول رہا کرتے تھے، آپ کی دادی جان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دیر تک آپ حجرے سے باہر نہ نکلے انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ غلام محمد ابھی تک اپنے کمرے سے نہ نکلے، انھوں نے آپ کو آپ کے حجرے میں جھانک کر دیکھا تو گھبرا گئیں کہ آپ کے جسم کے اعضا بکھرے ہوئے ہیں اور سب اعضاء حرکت کر رہے ہیں خیال آیا کہ شاید کسی نے قتل کر دیا ہے۔ واپس لوٹیں گھبرا کر واپس لوٹی پیچھے سے آپ نے آواز دی آپ واپس آئیں اور پھر جو دیکھا پورا جسم صحیح وسالم تھا۔ آپ نے ان کی گھبراہٹ کو دور کر کے حقیقت حال سے آگاہ فرمایا۔ (ص ۲۱/ حیات شیخ المشائخ)

آپ کے وصال کے بعد مولانا ارشد کمال پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مولانا خلیل احمد بنارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے حضور شیخ المشائخ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تین دن تک مسلسل صبح شام مزار پر انوار پر مراقب ہوتے اور مراقبے میں یہ دیکھتے کہ حضرت شیخ المشائخ بیٹھے ہیں ساتھ میں حضرت مولانا ابو سید ابو الخیرات سیوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جلوہ افروز ہیں اور سر پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ تیسرے دن دیکھا اسی طرح دونوں بزرگ قبر میں بیٹھے ہیں سامنے ایک عالی شان محل ہے جو ابدالوں کے لیے ہے اور حضرت مولانا سید الخیرات قدس سرہ فرماتے ہیں: میرا غلام محمد دنیا میں بہت کام کر کے آیا ہے اسے یہ مقام و محل ملنا چاہیے۔ (ایضا)

اللہ اکبر! یہ وہ مختصر باتیں ہیں جو لوگوں نے مشاہدہ فرمایا۔ ہم اگر دینی خدمات کے حوالے سے ان کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں تو ہر طرف ایک بہار نظر آتی ہے جو حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جد و جہد کا صدقہ ہے ان کی بڑی کرامتوں میں سے ایک بڑی کرامت استقامت فی الدین ہے۔ انھوں نے بنجر علاقوں کو اسلام کی روشنی سے شادابی عطا فرمائی، میل سے اٹے دلوں کو روحانیت اور تصوف کا نور عطا فرما کر منور فرمایا۔ لوگوں کی دل جوئی فرمائی اور عالم یہ تھا کہ جہاں سے گزر گئے وہ علاقے روشن ہوتے گئے۔

بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت قطب بنارس رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کی تقریب جاری تھی اچانک ایک آدمی آیا جسے دیکھ کر حضور شیخ المشائخ علیہ الرحمہ فوراً کھڑے ہوگئے اور نہایت پرتپاک انداز میں ان سے ملے، ادب و احترام کے ساتھ انہیں لاکر اپنے پاس بٹھایا، لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ حضرت نے بظاہر ایک عام آدمی کا استقبال کیا جو دیکھنے سے نہیں لگتا ہے کہ لائق تعظیم بھی ہو، پوچھنے پر معلوم ہو وہ شخص نو وارد حضور قطب بنارس علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور انھوں نے ان کا احترام فرمایا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندوں کے ایک خاص خصال ہوتے ہیں جو اپنے نفس کی حرارتوں سے دلوں کی دنیا کو تابناک بناتے ہیں۔ ان کی داستان زندگی بڑی طویل و نفیس ہے جس کو زیادہ چاہیئے کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

16

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

خصوصی شمارہ

31 / جولائی 2026 مطابق 15 / صفر المظفر 1448ھ / 15 گتے ساون 2083

کم عمری اور سوشل میڈیا کا بڑھتا اثر
کیا قانون بچوں کی ذہنی دنیا کو محفوظ بنا سکتا ہے؟

از: عبدالحلیم منصور

ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کو جتنا آسان بنایا ہے، اتنا ہی پیچیدہ بھی کر دیا ہے۔ آج کا انسان صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات سونے تک کسی نہ کسی اسکرین کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ موبائل فون اب صرف رابطے کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ تعلیم، تفریح، تجارت اور سماجی تعلقات کا مرکزی وسیلہ بن چکا ہے۔ مگر یہی سہولت جب کم عمر ذہنوں تک بے لگام پہنچتی ہے تو وہ سہولت سے زیادہ ایک نفسیاتی اور سماجی مسئلہ بن جاتی ہے۔

گھرانوں میں اب یہ عام منظر ہے کہ روتے ہوئے بچے کو چپ کرانے کے لیے کھلونے کے بجائے موبائل فون تھما دیا جاتا ہے۔ کارٹون، ویڈیوز اور گیمز کے ذریعے بچوں کو مصروف رکھنے کی یہ عادت آہستہ آہستہ ایک ایسی لت میں بدل رہی ہے جس کے اثرات تعلیم، صحت اور شخصیت کی تشکیل پر پڑ رہے ہیں۔

کرناٹک کے وزیر اعلیٰ سدارامیا نے ۲۰۲۶-۲۷ کے ریاستی بجٹ میں اعلان کیا ہے کہ سولہ برس سے کم عمر بچوں کے لیے سوشل میڈیا کے استعمال پر پابندی عائد کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔ حکومت کے اس اعلان کو کئی ماہرینِ نفسیات اور والدین کی تنظیموں نے مثبت قدم قرار دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ موبائل فون اور سوشل میڈیا کے غیر محدود استعمال نے بچوں کی ذہنی نشوونما، تعلیمی توجہ اور سماجی رویوں پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ خاص طور پر کم عمری میں اسکرین کے زیادہ استعمال سے بچوں کی توجہ منتشر ہو رہی ہے، کھیل کود اور فطری سرگرمیاں کم ہو رہی ہیں اور بعض اوقات وہ ایسے مواد تک بھی پہنچ جاتے ہیں جو ان کی عمر کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسکولوں میں موبائل کے استعمال پر پہلے ہی پابندیاں موجود ہیں۔ پرائمری اور ہائی اسکول کے تعلیمی اداروں میں موبائل فون لانے یا استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ لیکن مسئلہ صرف اسکول کی چار دیواری تک محدود نہیں ہے۔ اسکول کے بعد کا زیادہ تر وقت بچے اسی اسکرین کے ساتھ گزارتے ہیں۔ یوٹیوب، فیس بک اور انسٹاگرام جیسے پلیٹ فارم اب کم عمر طلبہ کے لیے بھی بآسانی دستیاب ہیں۔ کئی بچے اپنے اکاؤنٹس بنا کر گھنٹوں ان پلیٹ فارمز پر مصروف رہتے ہیں۔ بعض والدین خود بھی بچوں سے ویڈیوز بنوا کر سوشل میڈیا پر شیئر کرتے ہیں، جو ایک نیا سماجی رجحان بنتا جارہا ہے۔

اس صورتِ حال کی ایک اہم وجہ وہ دور بھی ہے جب کورونا وبا کے دوران تعلیمی ادارے بند ہو گئے تھے اور آن لائن تعلیم کا نظام متعارف کرایا گیا۔ اس مرحلے پر پہلی مرتبہ بڑی تعداد میں کم عمر بچوں کے ہاتھوں میں موبائل فون اور انٹرنیٹ کی مستقل رسائی آئی۔ کئی اسکولوں نے اسی نظام کو بعد میں بھی جاری رکھا، جہاں نوٹس، ہوم ورک اور دیگر تعلیمی مواد موبائل کے ذریعے ہی بھیجا جانے لگا۔ اس کے نتیجے میں موبائل فون بچوں کی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بن گیا۔

مگر یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض قانون سازی کے ذریعے اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے؟ حکومت کی جانب سے پابندی کا اعلان اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اس کے نفاذ کا عملی طریقہ کار اب بھی واضح نہیں ہے۔ گھر کے اندر بچوں کے ہاتھ میں موبائل نہ پہنچنے دینا کیا واقعی ریاستی نگرانی سے ممکن ہے؟

انٹرنیٹ کی دنیا میں عمر کی تصدیق کا نظام بھی ابھی تک مکمل طور پر قابلِ اعتماد نہیں۔ سوشل میڈیا پر جعلی شناختی اکاؤنٹس بنانا انتہائی آسان ہے اور یہی وجہ ہے کہ کئی ممالک میں سخت قوانین کے باوجود مکمل پابندی نافذ کرنا ممکن نہیں ہو سکا۔

دنیا کے مختلف ممالک میں اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے مختلف تجربات کیے جارہے ہیں۔ بعض جگہوں پر اسکولوں کے اندر موبائل فون مکمل طور پر جمع کروا لیے جاتے ہیں، جبکہ کچھ ممالک میں کلاس کے اوقات میں فون بند رکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ آسٹریلیا کے کئی اسکولوں میں طلبہ کو صبح کی پہلی گھنٹی سے لے کر آخری گھنٹی تک موبائل فون بند رکھنا یا اسکول انتظامیہ کے پاس جمع کروانا پڑتا ہے۔ اس طرح کے اقدامات کا مقصد تعلیمی ماحول میں یکسوئی اور ذہنی توجہ کو بہتر بنانا ہے۔ ابتدائی مطالعات سے یہ اشارے ملے ہیں کہ اس طرح کے محدود اقدامات سے طلبہ کی توجہ اور ذہنی صحت میں بہتری دیکھی گئی ہے، لیکن اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت بھی محسوس کی جارہی ہے۔

اصل مسئلہ شاید صرف بچوں کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا ہے۔ اگر بالغ افراد خود موبائل فون کے غیر ضروری استعمال سے گریز نہ کریں تو بچوں کے لیے الگ اصول بنانا زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوگا۔ بچوں کی تربیت میں گھر کا ماحول سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جب والدین خود مسلسل موبائل میں مصروف ہوں تو بچوں سے مختلف رویے کی توقع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کئی ماہرین کا ماننا ہے کہ مکمل پابندی کے بجائے متوازن اور ذمہ دارانہ استعمال کی تربیت زیادہ مؤثر راستہ ہو سکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کے بارے میں یہ بحث نئی نہیں ہے۔ ماضی میں جب ناول اور کہانیاں عام ہوئیں تو بعض حلقوں نے انہیں بھی بچوں کے لیے نقصان دہ قرار دیا تھا۔ بعد میں ٹیلی ویژن کے آنے پر بھی یہی خدشات ظاہر کیے گئے۔ آج موبائل فون اسی سلسلے کی تازہ کڑی بن چکا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر نئی ٹیکنالوجی اپنے ساتھ مواقع بھی لاتی ہے اور چیلنج بھی۔

بعض ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ موبائل کا استعمال مکمل طور پر نقصان دہ نہیں۔ کئی بچے تعلیمی موضوعات پر ویڈیوز یا تخلیقی مواد تیار کرتے ہیں جس سے ان میں اعتماد اور اظہار کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ اس لیے اصل مسئلہ ٹیکنالوجی نہیں بلکہ اس کا غیر متوازن اور غیر منظم استعمال ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے اسکول تعلیمی سرگرمیوں کے لیے موبائل یا انٹرنیٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ آن لائن کلاسز، ہوم ورک کی معلومات اور تعلیمی پروجیکٹس کے لیے ڈیجیٹل وسائل ناگزیر ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے میں مکمل پابندی عملی مشکلات بھی پیدا کر سکتی ہے۔

بلاشبہ حکومت کی جانب سے یہ اعلان ایک اہم سماجی مسئلے کی جانب توجہ مبذول کرانے کا باعث بنا ہے۔ اگر اس پر سنجیدہ بحث اور مؤثر پالیسی سازی ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ آنے والی نسلوں کو اسکرین کی بے لگام دنیا سے کچھ حد تک محفوظ رکھا جا سکے۔ لیکن اس کے لیے قانون کے ساتھ ساتھ معاشرتی شعور، تعلیمی رہنمائی اور خاندانی ذمہ داریوں کا بھی یکساں کردار ضروری ہوگا۔

عصرِ حاضر میں ٹیکنالوجی سے مکمل گریز ممکن نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی نسل کو اس کے متوازن، ذمہ دار اور باشعور استعمال کا سلیقہ سکھایا جائے۔ کیونکہ اصل چیلنج موبائل کو ختم کرنا نہیں بلکہ انسان اور ٹیکنالوجی کے درمیان ایک صحت مند تعلق قائم کرنا ہے۔

مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق: اسلامی اخوت کی بنیادیں

از قلم:۔ محمد شمیم احمد نوری مصباحی
دارالعلوم انوار مصطفیٰ سہلاؤ شریف، (راجستھان)

اسلام ایک ایسا دینِ فطرت ہے جو انسان کے قلب و روح کی تطہیر کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کو نورِ ہدایت سے منور کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانوں کے درمیان اخوت، محبت، اور باہمی تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ انہی تعلیمات کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے آپس میں چھ ایسے حقوق بیان فرمائے ہیں جو ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ" (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۴۰)

ترجمہ: "ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔"
صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کیا ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱: جب اس سے ملاقات کرو تو سلام کرو۔
۲: جب وہ تمہیں دعوت دے تو قبول کرو۔
۳: جب وہ تم سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کرو۔
۴: جب وہ چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو اس کے لیے دعائے رحمت کرو (یَرحمک اللہ کہو)۔
۵: جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
۶: اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔

یہ چھ حقوق ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر ایسی ذمہ داریاں ہیں جن پر عمل کر کے ہم نہ صرف اپنی شخصیت کو سنوار سکتے ہیں بلکہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔

۱. سلام کرنا، محبت اور اخوت کا پیغام:
اسلامی معاشرت کی بنیاد سلام پر رکھی گئی ہے۔ سلام نہ صرف ایک دعا ہے بلکہ یہ امن، محبت، اور اخوت کا مظہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۴)
ترجمہ: "تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جس سے تم آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو عام کرو۔"
سلام کو عام کرنے سے دلوں میں محبت بڑھتی ہے اور باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ سلام کرنا سنت مؤکدہ ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سلام کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور مسلمانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارے کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے، لیکن سلام کرنے کا عمل سنت ہے۔ البتہ، بعض علماء نے اسے مستحب بھی قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اچھے اخلاق اور محبت کے اظہار کا اہم ذریعہ ہے۔

۲. دعوت کو قبول کرنا، اسلامی اخوت کا عملی اظہار: دعوت قبول کرنا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے۔ دعوت کے ذریعے محبت اور خلوص بڑھتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۲۹)
ترجمہ: "جب تم میں سے کسی کو اس کا بھائی دعوت دے تو وہ اس دعوت کو قبول کرے، چاہے وہ ولیمہ ہو یا کوئی اور موقع۔"
دعوت قبول کرنا اسلام میں ایک اہم اخلاقی اور سماجی عمل ہے، جس کی قرآن و سنت میں بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے پیچھے حکمت یہ ہے کہ یہ عمل محبت، بھائی چارے اور اجتماعیت کو فروغ دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى" (سورۃ المائدہ: ۲)
یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔
دعوت قبول کرنا بھی ایک طرح کی نیکی ہے کیونکہ اس سے میزبان کی خوشی اور دل جوئی ہوتی ہے۔
نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مَنْ دُعِيَ فَلْيُجِبْ" (بخاری: ۵۱۷۳)
یعنی جس شخص کو دعوت دی جائے، اسے چاہیے کہ وہ دعوت قبول کرے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، جو اخلاق، محبت، اور بھائی چارے کے فروغ کا ذریعہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اگر کوئی جائز دعوت دی جائے تو حتی الامکان اسے قبول کریں اور میزبان کی عزت افزائی کریں۔

۳. نصیحت کرنا، خیر خواہی کی بنیاد:
نصیحت اسلامی معاشرت کا ایک اہم ستون ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الدِّينُ النَّصِيحَةُ" قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: "لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۵)
ترجمہ: "دین خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے اماموں کے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے۔"
نصیحت میں اخلاص اور خیر خواہی کا ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمان بھائی کو نفع پہنچے اور وہ برائی سے بچ سکے۔
نصیحت ایک ایسا عمل ہے جو معاشرے میں خیر کو پھیلانے اور برائی کو ختم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے درمیان محبت، اخوت، اور بھائی چارے کو فروغ دیتی ہے۔ ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کا جذبہ اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے، اور اسی سے وہ مثالی امت وجود میں آتی ہے جس کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے:
"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" (آل عمران: ۱۱۰)
ترجمہ: "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالی گئی ہو۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"
حاصل کلام یہ ہے کہ نصیحت دین اسلام کی روح ہے اور اس کی بنیاد اخلاص، محبت، اور خیر خواہی پر ہے۔ اگر ہر مسلمان اس ذمہ داری کو سمجھ کر ادا کرے تو ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو حقیقی معنوں میں اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہوگا۔

۴. چھینک کا جواب دینا، محبت اور دعاؤں کا عظیم عمل:
اسلام میں چھینک کو بھی محبت، دعاؤں اور اچھے تعلقات کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے اپنی حدیث میں فرمایا:
"إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (بخاری: حدیث نمبر: ۶۲۲۴)
ترجمہ: "جب تم میں سے کوئی شخص چھینک لے تو وہ 'الحمد للہ' کہے، اور اس کے بھائی یا ساتھی کو چاہیے کہ وہ 'یرحمک اللہ' کہے۔ پھر جب وہ 'یرحمک اللہ' کہے، تو جواباً وہ شخص 'یہدیکم اللہ ویصلح بالکم' کہے۔"
یہ حدیث نہ صرف ایک خوبصورت آداب سکھاتی ہے بلکہ آپس میں محبت، دعا اور خیر مقدمی کے رشتہ کو مضبوط کرتی ہے۔ چھینک کا جواب دینا ایک معمولی عمل نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاقی، روحانی اور سماجی حسن کا مظہر ہے جس سے دلوں میں قربت اور محبت بڑھتی ہے۔ اس عمل سے اسلامی معاشرت کی خوبصورتی اور ایک دوسرے کے لیے خیر سگالی کا اظہار ہوتا ہے۔

۵. بیمار کی عیادت، محبت اور ثواب کا ذریعہ:
عیادت کرنا اسلام میں محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کا عملی مظہر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ" (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۹۶۹) ترجمہ: "جو مسلمان صبح کے وقت کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے، اس کے لیے شام تک ستر ہزار فرشتے دعائیں کرتے ہیں۔ اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے دعائیں کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہے۔" عیادت نہ صرف بیمار کے دل کو تسلی دیتی ہے بلکہ عیادت کرنے والے کو بے شمار اجر اور جنت کی بشارت بھی عطا کرتی ہے۔ یہ عمل مسلمانوں کے درمیان اخوت اور دینی بھائی چارے کو مضبوط کرتا ہے۔

۶. جنازے میں شریک ہونا، اخوت کا آخری حق:
جنازے میں شرکت کرنا مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق میں سے ایک اہم ترین اور آخری حق ہے جو ایک مسلمان کو اپنے بھائی کی وفات کے بعد ادا کرنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی عظمت کو اس طرح بیان فرمایا: "مَنْ تَبِعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ" (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۲۵)
ترجمہ: "جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلتا ہے، اور اس کے ساتھ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد تدفین تک اس کے ساتھ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دو قیراط کے برابر بے شمار اجر و ثواب عطا فرماتا ہے، اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔" (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۲۵) یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جنازے میں شرکت ایک مسلمان کی عبادات اور حسن سلوک کا مظہر ہے، جو اس کے ایمان اور اخوت کی حقیقت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس عمل میں شریک ہونا نہ صرف مُتوفی کی روح کے لیے باعث سکون ہوتا ہے بلکہ اس سے دنیا و آخرت میں انسان کو بے شمار اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مذکورہ چھ حقوق اسلامی معاشرت کا بنیادی ڈھانچہ ہیں۔ اگر ہر مسلمان ان حقوق کا خیال رکھے تو ایک ایسا مثالی معاشرہ تشکیل پائے گا جو محبت، اخوت، اور امن کا گہوارہ ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ ان حقوق کو اپنی زندگی میں شامل کریں اور اللہ کی رضا حاصل کریں۔

انسان کا خدا سے ٹکراؤ یہی ہے حقیقت سود

خامہ بکف محمد پالن پوری

سود تہذیبی بربادی اور انسانی ضمیر کی شکست وریخت کا استعارہ ہے۔ قرآنِ مجید جب سود (ربا) کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو معاشرتی مقدمہ قائم کرتا ہے جس کی گونج رہتی دنیا تک سنائی دیتی ہے۔ سورۃ البقرہ کے آخری رکوع میں سود کے خلاف جو اعلان کیا گیا وہ انسانی تاریخ میں عدلِ معاشی کا سب سے بڑا منشور ہے۔۔۔ الذین یأکلون الربا سے لے کر فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ تک یہ آیات تہذیبی جنگ کا اعلان ہیں۔ ایک طرف سرمایہ پرستی اور استحصال کا نظام تو دوسری طرف عدل و ہمدردی کا ربانی نظام۔

ان آیات کی تفسیر پر ذرا گہری نظر ڈالئے تو ایک عجیب تدریجی شدت اور فکری ترتیب سامنے آتی ہے۔۔ آغاز میں سود خور کی باطنی و اخروی کیفیت کو اس تمثیل سے بیان کیا گیا کہ وہ قیامت میں ایسے اٹھے گا جیسے شیطان کے لمس سے دیوانہ ہو گیا ہو جیسا کہ امام قرطبی نے واضح کیا کہ یہ آخرت کا منظر تو ہے ہی لیکن الفاظ آیت دنیا میں اس کے فکری اضطراب کی طرف بھی نشاندہی کرتے ہیں پھر فوراً اس کی فکری گمراہی کا پردہ چاک کیا گیا انما البیع مثل الربا انہوں نے تجارت اور سود کو ایک جیسا سمجھ لیا حالانکہ تجارت میں محنت اور باہمی توازن ہے جبکہ سود میں نفع یکطرفہ اور ضمانت شدہ ہے اسی لئے فیصلہ کن خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا وأحل اللہ البیع وحرم الربا اس کے بعد رحمت کا دروازہ کھولا گیا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف جو باز آ جائے اس کا ماضی معاف لیکن ساتھ ہی حجت کی تکمیل ومن عاد فأولئک اصحاب النار پھر ایک کائناتی اصول بیان ہوا یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات جس کی تفسیر میں امام رازی نے لکھا کہ سود کا محق مال کی کمی کے ساتھ برکت اور معاشرتی توازن کا خاتمہ بھی ہے جبکہ صدقات کی افزائش عددی کے ساتھ روحانی و اجتماعی برکت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پھر سود خور کی نفسیاتی و اخلاقی گراوٹ کو کل کفار أثیم کے الفاظ میں سمیٹ دیا گیا یعنی ناشکری اور مسلسل گناہ کی کیفیت۔ اس کے مقابل اہلِ ایمان کی صفات لا کر ایک واضح تقابل قائم کیا گیا پھر براہِ راست حکم ذروا ما بقی من الربا جو بقایا بھی ہے اسے چھوڑ دو یعنی اسلام جزوی اصلاح نہیں چاہتا بلکہ مکمل تطہیر چاہتا ہے اور آخر کار وہ لرزا دینے والا اعلان فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ مفسرین کے نزدیک یہ قرآن کی شدید ترین وعید ہے گویا سود پر اصرار خدائی نظامِ عدل کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے اور اسی کے ساتھ عدل کا سنہری اصول دے دیا گیا فلکم رءوس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم ہو یہی تو توازن ہے جس پر ایک صالح معیشت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔۔۔۔۔

جب ہم سود کی حقیقت کو کھولتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس کو ہم اضافی رقم سمجھتے ہیں وہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں طاقتور کمزور کی مجبوری خرید لیتا ہے مزید برآں قرض دینے والا نفع کو یقینی بناتا ہے اور لینے والا نقصان کا مکمل بوجھ اٹھاتا ہے۔ اسی لئے تو اسلام اس نظام کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے کیونکہ یہاں عدل مفقود ہو جاتا ہے۔۔۔ احادیثِ نبویہ اس مسئلے کو مزید شدت کے ساتھ واضح کرتی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف سود کھانے والے بلکہ اس پورے نظام میں شریک ہر فرد پر لعنت فرمائی کھانے والا، کھلانے والا، لکھنے والا، گواہ گویا اسلام پورے ڈھانچے کو منہدم کرنا چاہتا ہے۔ ایک روایت میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ سنگین قرار دینا اس گناہ کی اخلاقی قباحت کو واضح کرنا ہے کیونکہ سود سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، نسلیں اس کے بوجھ تلے دبتی ہیں اور انسانیت کا اجتماعی توازن بگڑ جاتا ہے۔۔۔

تاریخ کے آئینے میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سودی نظام ہمیشہ کمزور طبقات کے استحصال کا ذریعہ رہا ہے۔ جاہلیتِ عرب میں سودی قرضے اس طرح بڑھتے تھے کہ اصل رقم سے کئی گنا ہو جاتے اور آخر کار مقروض اپنی آزادی تک کھو بیٹھتا۔ اسلام آیا تو [illegible] الوداع کے موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کا ہر سود ختم کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود معاف کرتا ہوں۔ یہ عملی انقلاب تھا جہاں اصول کو اپنے اوپر نافذ کر کے دکھایا گیا۔۔۔۔

معاشی اعتبار سے سود ایک ایسا زہر ہے جو بظاہر ترقی کا ذائقہ دیتا ہے مگر اندر سے نظام کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ آج کی دنیا میں بینکنگ سسٹم، عالمی قرضے، کریڈٹ کارڈز، اور مالیاتی ادارے سب اسی سودی بنیاد پر کھڑے ہیں۔ ایک ملک قرض لیتا ہے۔ سود ادا کرنے کے لئے مزید قرض لیتا ہے اور یوں ایک نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہو جاتا ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قومیں اپنی خود مختاری تک گروی رکھ دیتی ہیں۔ افراد کی سطح پر بھی یہی کہانی ہے۔ ایک نوجوان تعلیم کے لئے قرض لیتا ہے، ایک مریض علاج کے لئے، ایک تاجر کاروبار کے لئے، ایک باپ گھریلو مسائل کو دفع کرنے کے لئے مگر سود کی زنجیر انہیں سالہا سال بلکہ نسلوں تک جکڑے رکھتی ہے۔ سود کا سب سے خطرناک پہلو اس کا اخلاقی اثر ہے۔ یہ انسان کے دل سے رحم نکال دیتا ہے۔ اسے نفع کا پجاری بنا دیتا ہے اور وہ دوسروں کی مجبوری میں بھی موقع تلاش کرنے لگتا ہے۔ جہاں سود عام ہو جاتا ہے وہاں معاشرہ ایک سرد مشین کی طرح چلنے لگتا ہے جس میں دل کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اسی کے برعکس اسلام زکوٰۃ، صدقات، قرضِ حسنہ اور مشارکت جیسے اصول دیتا ہے جس میں دینے والا اجر کا طالب ہوتا ہے اور لینے والا عزت کے ساتھ جیتا ہے، جس میں سرمایہ اور محنت شریک ہوتے ہیں پھر نفع و نقصان کو آپس میں بانٹا جاتا ہے۔۔۔۔۔

قرآن کا اصول نہایت واضح ہے یمحق اللہ الربا ویربی الصدوات اللہ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یہ ایک معاشی حقیقت ہے سودی نظام وقتی چمک دیتا ہے مگر آخرکار بحران، مہنگائی، بے روزگاری، عداوت اور عدم مساوات پیدا کرتا ہے جبکہ عدل پر مبنی نظام پائیدار ترقی اور برکت کو جنم دیتا ہے۔۔۔

آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سود کو مجبوری اور معاشی ضرورت کے نام پر قبول کر لیا گیا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ یہ حرام ہے مگر کہتے ہیں کیا کریں، زمانہ۔ ہی ایسا ہے! گویا ہم نے زمانے کو معیار بنا لیا اور قرآن و سنت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہر حرام کو زمانے کی مجبوری کہہ کر جائز کر لیا جائے تو پھر دین کا باقی رہنا کیسے ممکن ہوگا؟؟؟ لہٰذا سود کے مسئلے کو فقہی بحث تک محدود کرنا ایک بڑی غلطی ہے۔ یہ ایک فکری اور تہذیبی چیلنج ہے۔ ہمیں اپنی انفرادی زندگیوں سے لے کر اجتماعی نظام تک اس کے خلاف بیداری پیدا کرنی ہوگی، حلال متبادل تلاش کرنے ہوں گے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہوگا جہاں دولت کا بہاؤ منصفانہ ہو اور کمزور محفوظ ہو کیونکہ سود کا خاتمہ ایمان اور انسانیت کی بقا کی جنگ ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ سود ایک شوریدہ سمندر ہے باہر سے چمکتا ہوا اور لہروں میں طاقت مگر اس کی تہہ میں ہلاکت کے بھنور پلتے ہیں۔ جو اس کے کنارے کھڑا رہتا ہے وہ بھی اس کی نمی سے محفوظ نہیں رہتا اور جو اس میں اتر جاتا ہے وہ آہستہ آہستہ اپنی سمت اور آخرکار اپنی نجات کھو دیتا ہے۔ اس کی موجیں کبھی نرمی سے بلاتی ہیں اور کبھی اچانک طوفان بن کر سب کچھ نگل جاتی ہیں مال بھی، سکون بھی حتیٰ کہ انسان کو اس مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں جہاں وہ اپنے ہی رب کے بنائے ہوئے ساحلِ امن سے دور بغاوت کی بے کراں موجوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی تاریخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ۔ کے خلیل اور برگزیدہ نبی تھے۔ آپ کی ولادت آج سے تقریباً ۴۰۰۰ برس قبل موجودہ عراق کے شہر ناصریہ کے قریب مقام ار(Ur) میں ہوئی تھی، آپ بچپن ہی سے اہل ار کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ آپ کا پورا خاندان بت پرست تھا۔ مگر آپ دعوت توحید سے پیچھے نہ ہٹے قصص النبیاء میں آپ کی لمبی داستاں موجود ہے۔ اس دور کے بابل کے بادشاہ نمرود سے آپ کا توحید پر مناظرہ ہوا بادشاہ کو مناظرہ میں شکشت فاش ہوئی تو اس کا بدلہ۔ لینے کے لئے آپ کو ایسی آگ میں ڈالنے کا عزم مصمم کر لیا جس کے شعلہ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ مگر قل یانار کونی برداوسلاما علی ابراھیم کی برکت سے آپ نار نمرود سے صحیح وسالم باہر تشریف لائے۔ آپ کا اتنا عظیم الشان معجزہ دیکھ کر بھی کوئی آپ پر ایمان نہ لایا تو آپ اپنے محبین کے ساتھ ار سے ہجرت کر کے کنعان تشریف لائے اور اسی جگہ کوا اپنی دعوت توحید کا مرکز بنایا، کنعان کا اطلاق اس دور میں موجودہ فلسطین، اسرائیل اور اردن کے خطوں پر بولا جاتا تھا۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے نام سے ایک سورہ سورہ ابراھیم موسوم ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو نوں بیویوں سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ،پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام بادشاہ مصر کی ھبہ کردہ کنیز حضرت ھاجرہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے ،ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جاکر مل جاتا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں حضرت ھاجرہ اور حضرت اِسماعیل کے حالات زندگی کا ذکر ملتا ہے۔ فلسطین سے حضرت اسماعیل علیہ السلام وحضرت ھاجرہ کی ہجرت مکہ کے بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں آپ دونوں کا بود وباش خانہ کعبہ کی تعمیر نو، ذبح اسماعیل کا واقعہ عربوں کی اکثریت انہیں کی اولاد ہے، دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جو بنی اِسرائیل کے تمام انبیاء بشمول حضرت یعقوب .یوسف، موسی، ھارون ،داؤد، سلیمان، دانیال، یحیی، زکریا، عیسی علیھم السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے نسل پاک سے ہ،یں حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل پڑنے کی وجہ تسمیہ اسرائیل یہ عبرانی زبان کے دو لفظ اسرا اور ایل کا مجموعہ ہے۔ جس کے معنی عبد اللہ۔ اللہ کے بندہ ہے۔ آپ کا شجرہ نسب یعقوب بن اسحاق بن اِبراھیم علیھم السلام ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل ۱۲ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے وجود میں آئے جنھیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ اول لیاہ بنت لیان سے ۱۰ بیٹے پیدا ہوئے اور دوسری بیوی راحیل بنت لیان سے حضرت یوسف اور بنامین آج سے تقریباً ۳۸۰۰ برس قبل فلسطین میں پیدا ہوئے ۔جب آپ کی عمر مبارک ۱۳ سال بعض روایتوں کے مطابق ۱۷ سال کی ہوئی تو آپ نے خواب دیکھا جس کی تفصیل واذ قال یوسف لابیہ الی اخرہ میں موجود ہے۔ تمام بھائیوں نے حسد.سے آپ کو کنویں میں ڈال دیا مگر بقول شاعر

نور حق شمع الہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

کچھ مسافروں نے آپ کو کنویں سے باہر نکال کر بازار مصر میں بیچ ڈالا، عزیز مصر کی بیوی نے آپ کو مہنگے داموں میں خرید لی اور پال پوش کر جوان کیا قران پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی ایک لمبی داستان موجود ہے۔

آپ اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر مصر کے بہت بڑے حاکم بنے۔ اسی بنا پر اس دور میں بہت سے اسرائیلی فلسطین چھوڑ کر مصر میں آکر مصر میں آباد ہو گئے ۔اسرائیلیوں کی آبادی بڑھتی گئی مصر میں انکا سینکڑوں برس اقتدار رہا، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں بہت سے احسانات فرمائے چنانچہ انہی احسانات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے

”اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اُس نعمت کو، جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمھیں دُنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔“ (البقرہ:۴۷)

ادیب شہیر علامہ نور محمد خالد مصباحی ازہری

اسی بنا پر بنی اسرائیل قومی برتری کے جھوٹے اور جاہلانہ احساس میں مبتلا ہوگئے اور یہ نعرہ لگانے لگے نحن ابناء اللہ واحباءوہ ان کے اس رویہ کو دیکھ کر مصریوں میں بھی قوم پرستی کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے بھی ابناء فراعنہ کا نعرہ لگانا شروع کر دیا اور آپس میں خانہ جنگی ہو گئی ، آخر قبطی غالب ہوئے اور اسرائیلی مغلوب ہو گئے قبطیوں نے اسرائیلیوں کو مصر کے اقتدار سے محروم کر دیا، اسرائیلی تہذیب وتمدن اور اسرائیلی قوم کو دنیا سے مٹانے کے لئے سازشیں ہونے لگیں ان کے نوزائیدہ بچوں کو ایک قانون کے تحت قتل کیا جانے لگا اور لڑکیوں کو قبطیوں کی خدمت کے لئے باقی رکھا جانے لگا، قرآن فرماتا ہے

”وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔“ (البقرہ:۴۹)

اُن سے زبردستی بیگاری لی جاتی تھی اور اُن کو سرعام رسوا کیا جاتا تھا۔ یہ مجبور قوم ذلت ونکبت کے دن گزار رہی تھی اور یوں لگتا تھا کہ گویا یہ قوم رسوائی اور غلامی کی زندگی پر قانع ہو چکی ہے اور ذلت و رسوائی اُس کا مقدر بن چکی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعاؤں کو سنا اور اُن کی ہدایت اور راہبری کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ۱۳۹۳ قبل مسیح حضرت عمران علیہ السلام کے یہاں مبعوث کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسلسل جد و جہد کے ذریعہ حالات کو سدھارنے کی کوشش کی مگر فرعون کو ان اصلاحی کوششوں کے پیچھے اپنا تختِ اقتدار ڈگمگاتا ہوا نظر آنے لگا اور وہ ان اصلاحی کوششوں کو ناکام کرنے پر تل گیا۔ آخر کار اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے فلسطین لوٹ جائیں، چنانچہ موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لیکر فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے ،فرعون اور اس کے لشکریوں نے موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعاقب کیا۔ موسی علیہ السلام نے دریائے نیل جو پانی سے بھرا ہوا تھا اس پر اپنی لاٹھی ماری تو دریا میں راستہ بن گیا حضرت موسی علیہ السلام اور انکی قوم دریا کو پار کر کے میدان تیہ میں آگئی فرعون اور انکی لشکریوں کو اللہ پاک نے دریائے نیل میں ڈبو دیا چنانچہ آج بھی مصر کے میوزیم میں موسی علیہ السلام کے دور کے فرعون رمسیس ثانی کی لاش بطور عبرت کے رکھی ہوئی ہے، میدان تیہ میں موسی علیہ السلام اور ان کی قوم پر اللہ تعالی نے بادلوں سے سایہ فرمایا اور انکے لئے آسمان سے من وسلوی نازل فرمایا، مگر یہ اتنی سرکش قوم تھی کہ اللہ تعالی کے ان تمام اِحسانات کو بھول کر سامری جادوگر کے چکر میں پھنس کر بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب موسی علیہ السلام کوہ طور پر اللہ سے ہم کلام ہونے اور توریت کو لینے تشریف لے گئے، آپ اپنے جانے سے قبل اپنے بھائی حضرت ھارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا گئے۔ چنانچہ اس نافرمانی کے بدلے اللہ تعالی نے میدان تیہ میں ان پر عذاب مسلط کر دیا اور چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے رہے۔ ایک مرتبہ موسی علیہ السلام نے ان سے کہا کہ فلسطین جو ہماری ارض موعود ہے اس پر جالوت نامی مشرک بادشاہ کی حکومت ہے، چلو ان سے جہاد کریں تو بنی اسرائیلیوں نے جواب دیا اے موسی علیہ السلام تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے اور مشرکوں سے جہاد کرے اس طرح کی سینکڑوں بے وفائیاں اور بد عہدیاں ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں۔ یوم السبت کو شکار کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالی نے اس نافرمانی کے بدلے انہیں بندر بنادیا حضرت یعقوب علیہ السلام سے لیکر حضرت موسی علیہ السلام تک انکا دور عروج وزوال چلتا رہا مگر کمینہ پنی بے حیائی بدعہدی میں بنی اسرائیل کی اکثریت مبتلا رہی۔

حضرت موسی علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کے زوال کا دور شروع ہوا جس کا ذکر پندرہویں پارہ کے سورہ اسراء میں اس طور پر کیا گیا ہے : فاذا جاء وعد اولھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا سورہ بنی اِسرائیل ایت ۵

ترجمہ۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع پیش آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا تھا۔

اس آیت کو سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر سمجھنا بھی ضروری ہے ۔حضرت موسی علیہ السلامؑ کے وصال کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں آکر دوبارہ آباد ہوئے تو اس وقت فلسطین میں مختلف قومیں آباد تھیں جنکے نام یہ ہیں ۔حتی. اموری. کنعانی. فرزی. حوی .یبوسی . فلستی جنہیں آج فلسطینی کہا جاتا ہے ۔یہ قومیں شرک وبت پرستی میں مبتلا تھیں ، بچوں کی قربانی کا ان میں عام رواج تھا۔ ان کے معابد زناکاری کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ عورتوں کو دیوداسیاں بنا کر عبادت گاہوں میں رکھنا اور ان سے بدکاریاں کرنا۔ عبادت کے اجزا میں داخل تھا۔ اس طرح کی بہت سی بد اخلاقیاں ان میں داخل ہو چکی تھیں ، توریت میں حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعہ انہیں جو ۱۰ ہدایتیں دی گئیں تھیں اس میں صاف لکھا تھا کہ تم ان قوموں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا جو فلسطین میں آباد ہو چکی ہیں۔ مگر وہ اس ہدایت کو بھول گئے چنانچہ ان پر مشرک قومیں مسلط کر دی گئیں جیسے آج ہم لوگوں پر بے جے پی کی مودی یوگی کو مسلط کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ اسی افرا تفری کو دیکھ کر حضرت سموئیل نے ۱۰۲۰ قبل مسیح میں حضرت طالوت علیہ السلام کو انکا بادشاہ بنادیا.. اس کی تفصیل سورہ البقرہ رکوع ۳۲ میں موجود ہے ۔

حضرت طالوت علیہ السلام کے قائم کردہ ریاست کے تین فرمارواہوئے ۔حضرت طالوت علیہ السلام سن ۱۰۲۰ تا ۱۰۰۴ قبل مسیح. حضرت داود علیہ السلام سن ۱۰۰۴ تا ۹۶۵ قبل مسیح. حضرت سلیمان علیہ السلام سن ۹۶۵ تا ۹۲۶ قبل مسیح. یہ سب اللہ کے نبی بھی تھے اور اپنے وقت کے فرمانروا بھی تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت الہیہ کو قائم کرنے کے لیے علماء کو میدان میں آنا چاہیئے ،نا کہ یہ کہتے ہوئے اپنا دامن جھاڑ لینا چاہیے کہ سیاست سے پیروں اور سجادہ نشینوں کو مطلب نہیں ،لائق مبارکباد ہیں بریلی شریف کے خانوادے کے امام العاشقین علامہ ومولانا توقیر رضا صاحب قبلہ جو حکومت وقت کی انکھوں میں آنکھیں ڈال کر حتی الامکان تحفظ ناموس رسالت پر پہرہ دے ہوئے ہیں ۔حضرت سلیمان علیہ السلام جن کا قران پاک میں متعدد بار ذکر ہوا ہے۔ تخت بلقیس کا واقعہ، چوٹیوں کا آپ کی آواز کو سننا، ہوا میں آپ کے تخت کا اڑنا ۔جنات کا آپ کے تابع ہونا وغیرہ، آپ کے وصال کے بعد بنی اسرائیل شدید اختلافات کے شکار ہوئے، اور انہوں نے فلسطین کو کئی ریاستوں میں بانٹ دیا ،شمالی فلسطین پر سامریہ کو دارالسلطنت بناکر ایک شخص نے حکومت قایم کی اور جنوبی فلسطین پر یروشلم کو دارالسلطنت بناکر دوسرے نے سلطنت یہودیہ قائم کی اتنے نبی اور رسول ان میں تشریف لانے کے باوجود یہ بنی اسرائیل سدھرنے والے نہ تھے شرک وبت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اس زمانے میں بنی اسرائیل میں بہت سے نبی مبعوث ہوتے رہے حضرت الیاس علیہ السلام. حضرت الیسع علیہ السلام. مگر بنی اسرائیل تنزلی کی طرف ہی جارہی تھے وہی حال آج ۲۱ اکیسویں صدی کے مسلمانوں کی ہے، آخر نویں صدی قبل مسیح میں اشوری فاتحین نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اور لاکھوں بنی اسرائیل کو تہ وتیغ کر کے انہیں دوسرے ملکوں اور خطوں میں تتر بتر کر دیا اور یہودیوں کی دوسری ریاست ریاست یہودیہ میں بھی بہت سے نبی مبعوث ہوتے رہے مثلا حضرت یرمیاہ. وحضرت یسعیاہ علیھما السلام مگر یہ سرکش قوم اپنے حرکات رزیلہ سے باز نہ آئی۔ آخر سن ۵۹۸ قبل

مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس وقت کے یہودی بادشاہ کو قیدی بنا کر موجودہ عراق میں واقع بابل لے گیا۔ مگر یہودی اپنی پرانی خصلت بد عہدی ۔وعدہ شکنی .ریشہ دوانی ہی میں مشغول رہے۔ نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ بخت نصر کے خلاف ریشہ دوائیوں سے باز آجاو مگر وہ نہ مانے آخر ۵۸۷ قبل مسیح مین بخت نصر نے دوبارہ حملہ کر کے لاکھوں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا یہ انکا پہلا فساد تھا، جسکی ان کو سزا ملی جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے۔ فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوءا وجوھکم ولید خلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ماعلوا تتبیرا ..پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تا کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دین اور مسجد (یعنی بیت المقدس) اس طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن (بخت نصر)وغیرہ گھسے تھے۔ اور جس چیز پر انکا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔

اس دوسرے یہودیوں کے فساد اور اسکی سزا کا تاریخی پس منظر۔ یہودی آپس میں خونریزی کرتے فتنہ وفساد پھیلاتے، آخر اس فتنہ وفساد کے نتیجے میں آپس میں حسد ورقابت بڑھنے لگی۔ بالآخر ان یہودیوں نے رومی فاتح پومپئی کو، سن ۶۳ قبل مسیح میں فلسطین آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ اسی سن میں فلسطین آیا اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور اپنا ایک نائب بنا کر روم واپس چلا گیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد ایک ہوشیار یہودی ہیرودنے سن ۴۰ قبل مسیح دوبارہ فلسطین پر قبضہ کر لیا ۔اور سن ۴ قبل مسیح تک ۳۶ برس تک حکومت کی. اس کے دور میں رومی تہذیب وتمدن کا یہودیوں پر غلبہ ہوا جیسے مغربی تہذیب کا مسلمانوں پر غلبہ ہے۔ ہیرود کے مرنے کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں بٹ گئی۔ اور اس کے تینون بیٹے حکومت کرتے رہے مگر عیسوی سن ،۶ میں قیصر روم اگستس نے ان سب کو معزول کر کے اپنے گورنر کو فلسطین کا حاکم بنادیا اور سن ۴۱ عیسوی تک یہ معاملہ چلتا رہا، اسی دور میں حضرت عیسی علیہ السلام جو خود بنی اِسرائیل سے تھے اسرائیلیوں کی اصلاح کی کوشش میں لگے ہوئے تھے مگر یہودیوں کے مذھبی رہنماؤں نے اس اصلاح کی مخالفت کی اور اس وقت کے رومی گورنر پونتس پیلاطس سے انکو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی اور صلیب پر لٹکوادیا، مگر اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا اور عیسی علیہ السلام کے ہمشکل دوسرے یہودی کو صلیب پر لٹکادیا۔ ہیرود کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے ھیرود اینتی پاس نے فلسطین کے شمالی علاقے گلیل اور شرق اردن پر حکومت کی. یہی وہ کمینہ بادشاہ تھا جس نے ایک رقاصہ کے کہنے پر حضرت یحیی علیہ السلام کا سر قلم کر دیا اس کا تیسرا بیٹا فلپ دریائے حرمون سے یرموک تک کا بادشاہ ہوا اسلامی تاریخ میں جنگ یرموک اسی مقام پر لڑی گئی۔ یہ فلپ سب سے بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ بالآخر ۴۱ عیسوی میں رومیوں نے ہیرود اعظم کے پوتے ہیرود اگرپا کو پھر سے پورے فلسطین کا گورنر بنادیا اس کے دور حاکمیت میں حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریوں ہر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے بس انکا جرم یہ تھا کہ وہ یہودیوں کی اصلاح کی کوشش میں لگے ہوئے تھے ۔اس دور میں عام یہودیوں کی حالت یہ تھی کہ قرآن فرماتا ہے: یقتلون النبیین بغیر حق انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام پر آرا چلا کر شہید کر دیا۔ مگر قوم کی اکثریت نے اس حرکت رزیلہ کی مذمت نہ کی ۔ویشترون بایتی ثمنا قلیلا. تھوڑی سی مال ومتاع بطور رشوت لیکر احکام الھیہ کو بدل دیتے۔ ج اری۔

+977 981-1190536

وَضُرِبَت عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالمَسكَنَةُ وَباءوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُم كانوا يَكفُرونَ بِآياتِ اللَّهِ وَيَقتُلونَ النَّبِيّينَ بِغَيرِ الحَقِّ ذٰلِكَ بِما عَصَوا وَكانوا يَعتَدونَ (۔البقرہ:۶۱)

(اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی، اور پھرے اللہ کا غضب لے کر۔ یہ اس لیے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکامِ خداوندی کو، اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق۔ یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔)

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ میرے معلومات کے مطابق جتنے انعامات واحسانات .بنی اِسرائیل پر اللہ تعالی کی طرف سے کئے گئے ہیں شاید اتنے احسانات وانعامات دنیا کی اور کسی قوم پر کیا گیا ہو اُن کی شخصی تہذیب شہری اجتماعیت کے تربیتی مراحل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدوجہد کا بڑا دخل تھا، لیکن ان کی اکثریت فرعونی غلامی کے اثرات سے باہر نہ نکل سکی۔ انہیں فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے، تورات جیسی الہامی کتاب کے نازل ہونے، مَنّ و سلویٰ کے حاصل ہونے، جیسے بڑے انعامات کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام الہیہ کی پاسداری نہ کر کے جرم عظیم کے مرتکب ہوئے اُن کی تعلیم وتربیت کو قبول نہیں کیا، بلکہ مسلسل اُن کی نافرمانی کرتے ہوئے بچھڑے کو معبود بنا لیا، دیدار خداوندی کا مطالبہ کیا۔ بستی میں داخل ہوتے وقت توبہ اور استغفار کے بجائے نافرمانی پر مشتمل الفاظ ادا کیے۔ نتیجتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیلیوں پر ذلت و مسکنت اور غضبِ الٰہی کا عذاب مسلط کردیا۔ آیتِ مبارکہ میں اُن پر اسی غضب الھی اور عذاب کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

وَضُرِبَت علیہم الذلۃ والمسکنۃ:

کسی بہترین اجتماعی نظام کی تشکیل میں اعلیٰ فکر عزت و احترام امن وامان۔ مستحکم سیاسی نظام، عدل وانصاف پر مبنی خوش حال معاشی نظام کا بڑا اہم کردار ادا ہوتا ہے۔ ان تینوں مذکورہ جہت سے بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات ہوئے، لیکن انھوں نے تورات کی تعلیمات کو پورے طور پر قبول نہ کیا۔ عدل وانصاف اور امن و امان کے بہترین سیاسی نظام کی پوری پاسداری نہ کی۔ معاشی عدل و انصاف کے منصفانہ نظام سے روگردانی کی۔ مَنّ وسلویٰ اور غذائی اَجناس کی ذخیرہ اندوزی کر کے معاشی ظلم و ناانصافی کے رویوں کا اظہار کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر تین طرح کے عذاب مسلط کیے۔

۱۔ الذِّلّةُ: سیاسی حوالے سے ذلت اور رُسوائی کا عذاب مسلط ہوا، یہاں تک کہ ان کے اس عادات واطوار کے نتیجے میں اللہ تعالی نے ہمیشہ کے لیے انہیں حکومت کی محرومی میں مبتلا کر دیا۔ حکیم الامت حضرت علامہ احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ اس ایت مبارکہ کی تفسیر میں فرمائے ہیں کہ یہود پر ذلت وخواری لازم کر دی گئی کہ ان سے ہمیشہ کے لئے سلطنت چھین لی گئی اور ان کو مسلمانوں یا عیسائیوں کا غلام بنادیا گیا، کسی یہودی کے پاس مال ہوا تو کیا وہ اپنی مستقل اور آزاد خود مختار ریاست سے بالکل محروم ہوگئے جو موجب عزت تھی اور آج بھی الحمد للہ خود مختار ازاد ریاست سے یہودی محروم ہیں اور صبح قیامت تک ان شاء اللہ محروم رہیں گے۔

۲۔ المَسكَنَةُ: معاشی ناانصافی اور ظلم کے نتیجے میں ان پر معاشی حوالے سے مسکنت اور محتاجی مسلط کردی گئی۔ حکیم الامت حضرت علامہ احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں فرمائے کہ یہود پر ہمیشہ دوسری حکومتوں کی طرف سے ٹیکس وغیرہ اس قدر لگتے رہیں گے کہ جس سے وہ غریب رہیں گے یا ٹیکس کے خوف سے ہمیشہ اپنی غریبی ظاہر نہ کریں گے کہ کوئی ہم کو مالدار نہ جانے اور یہ بھی درست ہے کہ ”تونگری بہ دل است نہ بہ مال معاشی آسودگی دل سے ہوتی ہے، نہ کہ مال سے۔ اس لیے کہ یہود مال دار ہو کر بھی محتاج ہی رہے اور ہیں۔

۳۔ وَباءوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ: کوئی قوم اعلیٰ تعلیم حاصل کرلینے کے باوجود اس پر پورے طور پر عمل نہ کرے تو وہ غضبِ الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک اعلیٰ کتاب تورات اللہ کی طرف سے کر نازل ہوئی، لیکن انھوں نے اس کی پورے طور پر پاسداری نہ کی۔ اس کے نتیجے میں اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا۔ علم کی صحیح قدر نہ کی جائے اور اس کے تقاضوں کے مطابق پورا عمل نہ کیا جائے تو وہ قوم ”مغضوب علیھم“ بن جاتی ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں یعنی وہ رب کے بڑے ہی قہر کے مستحق ہوگئے کہ دنیاوی عزت اور آخرت کی جنت سے محروم رہے اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی برکت سے جو رتبے انہیں حاصل ہوئے جاتے رہے۔

۴۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُم كانوا يَكفُرونَ بِآياتِ اللَّهِ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی ترقی اور تہذیب اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے کلامِ الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیا پر نازل کیا تھا، لیکن انھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، اللہ کے احکامات کو پس پشت ڈالا، اس سبب سے وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ یہود کی پوری تاریخ اللہ کی آیات؛ تورات، زبور، انجیل اور قرآن حکیم کے انکار اور توہین پر مبنی رہی ہے۔

انہوں نے توریت کو بدل دیا اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب موسی علیہ السلام کے دور میں نہ آیا بلکہ موسی علیہ السلام کے بعد کے ادوار میں بنی اسرائیل پر پیش آیا۔

۵ وَيَقتُلونَ النَّبِيّينَ بِغَيرِ الحَقِّ:

یہودیوں نے بہت سے پیغمبروں کو شہید کیا جیسے کہ حضرت یوشع وزکریا وشعیب ویحی علیھم السلام اور بہت سے انبیاء کرام کو شہید کرنے کی کوشش کی جیسے حضرت عیسی علیہ السلام اور خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی دیا، ایک دفعہ تو ایک دن میں ان لوگوں نے ۷۰ انبیاء کو شہید کیا. عیسی علیہ السلام کو چند روپے کی لالچ میں شہید کرنے کی کوشش کی حضرت زکریا ویحیی علیھما السلام کو صرف اس لئے شہید کیا کہ وقت کا بادشاہ اپنی سوتیلی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان حضرات نے اس کو حرام فرمادیا اور بادشاہ کے خواہش کے موافق فتوی نہ دیا۔

۶۔ ذٰلِكَ بِما عَصَوا وَكانوا يَعتَدونَ:

کوئی قوم ظلم، ناانصافی اور نافرمانی کو اپنا رویہ بنالے تو وہ دنیا میں بھی عذاب کی مستحق ہوتی ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ بنی اسرائیل ”عِصیان“ و ”عُدوان“ پر کاربند رہے۔

”عِصیان“ یہ ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی نافرمانی اور ان میں کمی اور کوتاہی کرنا۔ ”عُدوان“ یہ ہے کہ ظلم وناانصافی کو اپنی عادت اور رویہ بنالینا۔ اس اِفراط و تفریط اور ظلم وزیادتی کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر طرح طرح کا عذاب نازل فرمایا، کبھی ان پر اشوریوں وبابلیوں کو مسلط کر دیا تو کبھی بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا جس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا اور پورے فلسطین کو برباد کر کے چھوڑا مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے آخر ایک بار پھر سن ۷۰ عیسوی میں رومی جنرل تائتس Titus) نے یہودیوں کو فلسطین سے بے دخل کر کے انہیں قیدی وغلام بنا کر پایہ تخت روم لے گیا مگر دنیا کی یہ سب سے نافرمان قوم مکمل ۲۰۰۰ برس تک یورپ امریکہ شمالی افریقہ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی رہی، یہ جس بھی ملک میں گئے یا تو در بدر کئے گئے یا مار ڈالے گئے یا زندہ جلا دئے گئے، یورپ کے اکثر ممالک جیسے انگلینڈ ۔پولینڈ ۔نیدر لینڈ ۔جرمنی فرانس مشرقی یورپ ۔روس یوکرین اسپین پرتگال میں جاکر آباد ہو گئی پھر پندرہویں صدی میں امریکہ کے دریافت کے بعد یہودیوں کی اچھی خاصی آبادی کاروبار کی تلاش میں شمالی امریکہ جنوبی امریکہ چلی گئی، ۲۰۰۰ برس تک دنیا کے اکثر ممالک میں سخت مصائب و آلام جھیلنے کے بعد انہیں یہ احساس ہوا کہ اب ہمیں دنیا میں باعزت رہنے کے لئے ایک وطن کی ضرورت ہے (مگر خدا جس قوم کے مقدر میں ذلت لکھ دے اسے کون عزت دے سکتا ہے)۔

اس لیے یہودیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے انسویں صدی کے نصف میں صہیونیت تحریک کی بنیاد رکھی صہیونیت کے متعدد اقسام ہیں اور ہر قسم کا الگ الگ شخص بانی ہے صیہونیت کے چند اقسام مندرجہ ذیل ہیں: ۱صہیونیت مذہبی ۲صہیونیت ثقافتی ۳صہیونیت سیاسی سردست میں صہیونیت سیاسی پر گفتگو کروں گا اور اسکے عزائم پر روشنی ڈالوں گا۔

تو جانتے ہیں کہ صہیونیت کی تعریف کیا ہے؟ صیہونیت (Zionism) یہودیوں کی ایک قومی تحریک ہے جو یہودیوں کے لئے فلسطین میں ایک

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ: روحانی تجدید، علمی قیادت اور صدیوں پر محیط دینی وملی خدمات

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ
سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

اسلام دینِ فطرت ہے، جس نے انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کی۔ جب کبھی معاشرے پر ظلمت و ضلالت کی دھند چھائی، جب قلوب سے نورِ ایمان مدھم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے تجدیدِ دین اور احیاءِ اخلاق کی شمعیں روشن کیں۔

برصغیر ہند و پاک کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں ایمان و محبتِ رسول ﷺ کی بہاریں صوفیائے کرام کے فیضان سے پھیلی ہیں۔ انہی مراکزِ ولایت میں ایک عظیم و درخشاں نام خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ کا ہے۔۔۔ جو صدیوں سے علم و عرفان، اخلاق و روحانیت، شریعت و طریقت اور خدمتِ خلق کا حسین سنگم بنی ہوئی ہے۔

آغازِ فیضانِ برکات، تاریخ کا روشن باب:

مارہرہ، ضلع ایٹہ (اتر پردیش) کا ایک متبرک قصبہ ہے جس نے برصغیر کی روحانی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔ یہ وہی بابرکت سرزمین ہے جہاں سے امام سلسلہ برکاتیہ، صاحب البرکات، سلطان العاشقین حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی قدس سرہ (۱۰۷۰ھ–۱۱۴۲ھ) نے علم و روحانیت کی بساط بچھائی۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات بلگرام سے جاملتا ہے۔ آپ کے جدِّ امجد سید شاہ محمد صغریٰ نے سلطان التمش کے عہد میں بلگرام کو اپنا وطن بنایا۔ انہی خاندانِ علم و کرم سے میر عبدالواحد بلگرامی جیسے بلند پایہ عالم و صوفی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف سبع سنابل کے ذریعے اصلاحِ عقیدہ و عمل کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت شاہ برکت اللہ عشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد حضرت سید اویس مصطفیٰ بلگرامی اور سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی سے فیض پایا۔ آپ محض صوفی نہیں بلکہ بلند پایہ شاعر اور صاحبِ قلم بھی تھے۔ آپ نے عشقی اور پیمی تخلص اختیار کیا۔

آپ کی تصانیف دیوانِ عشقی اور پیم پرکاش اردو و فارسی ادب کے اولین روحانی سرمایے میں شمار ہوتی ہیں، جو عشقِ الٰہی اور عرفانِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہیں۔

خانوادۂ برکات کے تابندہ انوار:

حضرت شاہ برکت اللہ عشقی کے صاحبزادے حضرت سید شاہ آلِ محمد مارہروی (۱۱۱۱ھ–۱۱۶۴ھ) اتباعِ سنت، اشاعتِ شریعت اور اصلاحِ عوام میں مصروفِ عمل رہے۔

ان کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ حمزہ عینی مارہروی (۱۱۳۱ھ–۱۱۹۸ھ) نے علم و عرفان کی مشعل کو مزید روشن کیا۔ آپ صاحبِ تصانیف، فصیح الکلام صوفی، اور شیخِ اکبر ابن عربی کے علوم کے باقاعدہ واقف و شارح تھے۔

آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف فص الکلمات آج بھی صوفیانہ حکمت و معرفت کا گنجینہ سمجھی جاتی ہے، آپ عالم بیداری میں حضور نبی رحمت ﷺ اور شیر خدا، حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

مشہورِ زمانہ منقبتِ غوثیہ کا شعر:

غوثِ اعظم بمن بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے، کعبۂ ایماں مددے

اسی جلیل القدر بزرگ سے منسوب ہے۔

آپ کے فرزند وجانشین شمس مارہرہ حضرت شاہ آلِ احمد (اچھے میاں) (۱۱۶۰ھ–۱۲۳۵ھ) اپنے وقت کے جلیل القدر عارف، عالم اور درویش کامل تھے۔ روایت ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے اجلہ علما علمی و روحانی مسائل میں آپ سے رجوع فرمایا کرتے تھے۔ ۳۳–۳۴ یا ۶۰ جلدوں پر مشتمل "آئینِ احمدی" جو علم وفن کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے آپ نے ہی مدون کرایا، اس کی بیشتر جلدیں ضائع ہوگئی ہیں چند جلدیں آج بھی خانقاہ برکاتیہ اور کتب خانہ قادریہ بدایوں میں مخطوطے کی شکل میں موجود و محفوظ ہیں۔ آداب السالکین (فارسی) اور بیاض عمل ومعمول بھی آپ کی ہی تصنیفات سے ہیں۔

آپ کے اہم خلفا میں حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی (۱۱۷۷ھ–۱۲۶۳ھ) ہیں جن کے فرزند سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی (۱۷۹۸–۱۸۷۲ء) ہیں جنہوں نے برصغیر میں فقہ و عقائدِ اہلِ سنت کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔

خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ: حضرت اچھے میاں کے بعد خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہ (۱۲۰۹ھ–۱۲۹۶ھ) نے مسندِ برکات پر جلوہ فرمایا۔ آپ کا علمی و روحانی فیضان پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی کا علمی سلسلہ براہِ راست حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے جاملتا ہے۔

آپ نے تصوف کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھالا اور دین کے اصولوں کو نئے فکری قالب میں پیش کیا۔

انہی کے دستِ ارادت سے بیعت و تربیت اور اجازت وخلافت پانے والی وہ عظیم ہستی ہیں جنہیں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کے نام نامی اسم گرامی سے جانا جاتا ہے۔

یوں خانقاہ برکاتیہ ہی وہ مرکزِ فیضان ہے جس سے بریلی، بدایوں، لکھنؤ اور دہلی تک علم وعقیدہ کی قندیلیں روشن ہوئیں۔

سراج السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی (بن حضرت سید شاہ ظہور حسن عرف بڑے میاں بن خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی)، جنہیں اہلِ طریقت میں سراج السالکین اور نور العارفین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سلسلۂ برکاتیہ کے نہایت جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ شوال ۱۲۵۵ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۳۹ء بروز جمعرات مارہرہ مطہرہ کی نورانی فضا میں ہوئی۔

"مظہر علی" آپ کا تاریخی نام رکھا گیا۔ ابھی ڈھائی برس کے تھے کہ مادرِ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور ۱۲۶۶ھ میں والدِ گرامی کا بھی وصال ہوگیا۔ یوں آپ کی پرورش وتربیت کی تمام ذمہ داری آپ کی دادی ماجدہ اور دادا بزرگوار، قطبِ زمان حضرت شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے سپرد ہوئی۔ حضرت شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہٗ کی زیرِ نگرانی آپ نے کم عمری ہی سے علم و عمل، ادب و اخلاق، اور طریقت و شریعت کی راہوں پر تربیت پائی۔ مدرسین خانقاہِ برکاتیہ سے مختلف علوم وفنون کی تحصیل و تکمیل ہوئی۔ آپ کے ممتاز اساتذہ میں مولانا شاہ محمد سعید بدایونی، مولانا فضل اللہ جالیسری، مولانا نور احمد بدایونی اور مولانا ہدایت علی بریلوی جیسے اکابر شامل ہیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۲۶۷ھ میں آپ نے اپنے دادا و مرشد کامل حضرت شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ جلد ہی آپ سلوک وارشاد کی مسند پر متمکن ہوئے اور اصلاحِ ظاہر و باطن کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا۔ آپ کی خانقاہ فیوض وبرکات کا سرچشمہ بن گئی۔ حضرت نوری میاں مارہروی شریعت و طریقت کے کامل امتزاج کے علمبردار تھے۔ اصلاحِ باطن سے قبل اصلاحِ ظاہر پر زور دیتے اور خاص طور پر عقائد کی درستی کو اولین شرط قرار دیتے۔ آپ کا مسلک و مشرب وہی تھا جو تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی کا تھا۔ آپ نے شیعیت، تفضیلیت اور نیچریت جیسے باطل افکار و فتنوں کا دلائل و تحریر کے ساتھ رد فرمایا اور عقیدۂ اہلِ سنت وجماعت کی حفاظت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی گراں قدر تصانیف میں "النور والبہاء فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء" خاص طور پر لائق ذکر ہے۔ دیگر رسائل و تالیفات بھی آپ کی علمی گہرائی، فقہی بصیرت اور روحانی درایت کا پتہ دیتے ہیں۔ ۱۱ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ کو آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ مادۂ تاریخِ وصال "خاتم اکابر ہند" نکالا گیا، جو آپ کے بلند مقام اور روحانی وراثت کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپ کا مزارِ انور مارہرہ مطہرہ میں مرجع خاص و عام ہے، جہاں آج بھی عشاقِ ولایت فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے اجل خلفا میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شہزادے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سرفہرست ہیں۔

تسلسلِ فیضان اور عصرِ حاضر کی تجدید:

اٹھارویں صدی سے آج تک خانقاہ برکاتیہ نے درجنوں نابغہ روزگار علما، مشائخ، محدثین، صوفیا اور مصلحین پیدا کیے جنہوں نے دین کی حفاظت و ترویج کا بیڑا اٹھایا۔ صاحب عرس قاسمی حضرت سید میر ابوالقاسم اسماعیل حسن عرف شاہ جی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مفوضاتِ طیبہ تصوف کی حقیقی روح کا مظہر ہیں، جبکہ تاج العلما سید اولاد رسول مارہروی، سید العلما سید آلِ مصطفیٰ مارہروی، اور احسن العلما سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی علیہم الرحمہ نے علمی و ادبی اور اصلاحی میدانوں میں خانقاہی پیغام کو فروغ دیا۔

امین ملت کی قیادت میں جدید روحانی وعلمی تحریک:

موجودہ دور میں خانقاہِ برکاتیہ کا فیضان امینِ ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی کی قیادت میں ایک نئی علمی و فکری تحریک بن چکا ہے۔ آپ کی سرپرستی میں قائم جامعۃ البرکات، علی گڑھ عصری ودینی علوم کا حسین امتزاج ہے، جہاں تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور فکری رہنمائی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضرت امینِ ملت نے اپنی تصنیفات اور تراجم، بالخصوص سراج العوارف اور چہار انواع کے ذریعے تصوف کو جدید علمی زبان میں نئی نسل کے قریب کیا۔

راقم الحروف نے امینِ ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی کے اخلاق و کردار کو قریب سے دیکھا ہے۔ آپ متعدد بار راجستھان کی عظیم و ممتاز اور علاقۂ تھار کی مرکزی دینی درسگاہ دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف کے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت اور قطبِ تھار حضرت پیر سید حاجی عالی شاہ بخاری علیہ الرحمہ اور آپ کے آستانہ میں آرام فرما بزرگانِ دین کے سالانہ عرس میں بحیثیتِ سرپرست شرکت فرما چکے ہیں، اور ان شاء اللہ العزیز امسال بھی یکم فروری ۲۰۲۶ء کو دارالعلوم کے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت وعرسِ بخاری میں آپ کی خصوصی شرکت متوقع ہے۔

آپ کی سہلاؤ شریف جب بھی تشریف آوری ہوتی ہے تو عموماً فقیر کو جودھپور سے ریسیو کرنے اور خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

آپ کی زندگی بڑی مصروف اور ملت کے لیے وقف ہے۔ آپ کو مسلمانوں کے تعلیمی وفکری عروج کی ہمہ وقت فکر رہتی ہے۔ آپ احقاقِ حق کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں، فکرِ امام احمد رضا کے اشاعتی نیٹ ورک کی نگرانی بھی فرماتے ہیں، اور ساری دنیا میں سرگرم درجنوں اصلاحی، دینی، تعلیمی و ادبی اداروں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

آپ کی شخصیت علم و عمل، فہم و فراست، حلم واخلاق اور قیادت وبصیرت کا حسین امتزاج ہے۔

آپ کے زیر سایہ قائم ادارے اور دینی، ملی و فلاحی منصوبے بھارت ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی ملتِ اسلامیہ کے فکری و تعلیمی استحکام کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

رفیقِ ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں نوری برکاتی مدظلہ العالی:

حضرت رفیقِ ملت سید شاہ نجیب حیدر میاں نوری برکاتی مدظلہ العالی، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، اس عظیم روحانی خانوادے کے درخشاں گوہر اور فیضانِ برکات کے تابندہ تسلسل کی روشن کڑی ہیں۔ آپ حضور احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور حضور امینِ ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی کے چھوٹے مگر نہایت عزیز بھائی ہیں۔

یوں آپ دونوں برادرانِ گرامی اس خانوادے کے دو ایسے مینارِ نور ہیں جن کی ذات سے عشقِ رسول ﷺ، خدمتِ دین، اتحادِ قوم و ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے انوار پھیل رہے ہیں۔

حضرت رفیقِ ملت نے بزرگانِ دین بالخصوص اپنے والدِ ماجد کی تعلیمات و تربیت سے وہ علم و عرفان حاصل کیا ہے جس کی روشنی آج نسلِ نو کے دلوں میں ایمان و محبت کے چراغ جلا رہی ہے۔

آپ کی شخصیت سادگی، متانت، خلوص اور علم و عمل کا حسین پیکر ہے۔ آپ نے تصوف کی اصل روح یعنی اتباعِ سنت، خدمتِ خلق اور تزکیۂ نفس کو اپنی عملی زندگی میں مجسم کر دکھایا۔

آپ کی روحانی مجالس و خطابات ایمان افروز اور کردار ساز ہیں، ملک و بیرونِ ملک جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے ہیں، وہاں محبتِ رسول ﷺ، اخلاقِ نبوی ﷺ اور اصلاحِ عقیدہ و عمل کا پیغام دیتے ہیں۔

آپ کی رہنمائی میں خانقاہِ برکاتیہ کے تعلیمی، اصلاحی اور فلاحی منصوبے روز افزوں ترقی پا رہے ہیں۔

رفیقِ ملت مدظلہ العالی عصرِ حاضر میں خانقاہی پیغام کے حقیقی ترجمان ہیں، آپ کی ذات میں شریعت کی پاسداری، طریقت کی لطافت اور قیادت کی بصیرت یکجا نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم، عمر اور فیضان میں برکت عطا فرمائے اور خانقاہِ برکاتیہ کے اس نورانی سلسلے کو آپ کے زیرِ سایہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔

جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف، فیضانِ برکات کی جدید علمی تعبیر:

خانقاہِ برکاتیہ کے فیضان کی تابناک کڑی کے طور پر اربابِ خانقاہ برکاتیہ بالخصوص حضرت امینِ ملت، حضرت شرفِ ملت و حضرت رفیقِ ملت مدظلہم العالی کی سرپرستی میں قائم جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف عصرِ حاضر میں علم و عرفان، تربیت وتزکیہ اور اخلاق وروحانیت کا ایک نیا مرکز بن چکا ہے۔

یہ ادارہ دراصل خانقاہی فکر کی جدید تعبیر ہے، جو تعلیمِ دین اور عصری شعور کے امتزاج سے ایک ایسی نسل تیار کر رہا ہے جو علم و عمل، ادب واخلاق، شریعت وطریقت کا حسین پیکر ہو۔

جامعہ احسن البرکات کی بنیاد

۱۱ ستمبر ۲۰۱۲ء کو خانقاہِ برکاتیہ کے مشائخِ کرام، علما و فضلا اور اہلِ علم و دانش کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی۔

ابتدا ہی سے اس کا نصب العین خانقاہِ برکاتیہ کے اس سنہری شعار "آدھی روٹی کھائیے، بچوں کو پڑھائیے" کو عملی جامہ پہنانا تھا۔

آج یہ جامعہ نہ صرف علمی و تعلیمی اعتبار سے نمایاں ہے بلکہ تربیتی وروحانی ماحول کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ

وطن کے قیام کی حمایت کرتي ہے اس تحریک کا بانی تھیوڈور ہرتزل تھاجس کی ولادت ۱۸۶۰عیسوي میں ہنگری(Hungry) میں اور موت ۱۹۰۴عیسوی میں آسٹریا۔(Austria) میں ہوئی تھی

۱۸۹۶ میں اس نے "یہودی ریاست" نامی کتاب لکھ کر دنیا بھر کے تمام یہودیوں کو فلسطین میں آکر آباد ہونے کا تصور پیش کیا۔چنانچہ اسی تصور پر یہودیوں کا پہلا گروہ ۱۸۸۲ میں ارض مقدس یعني فلسطین میں آکر آباد ہوااس وقت کافلسطین سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیین تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے حالات دن بدن بگرتے جارہے تھے اس کے متعدد

وجوہات تھے جس پر مختصر اقسط اول میں میں نے روشنی ڈالی ہے
۔

پہلی جنگ عظیم میں جرمنGerman کے یہودیوں نے اپنے ملک جرمنی سے بے وفائی اور بد عہدی کرکے فریق مخالف برطانیہ کی خوب خوب مالی تعاون کی اور بدلے میں برطانیہ سے جنگ جیتنے کی صورت میں فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کاخفیہ معاہدہ کرلیابالآخر جنگ عظیم اول ۱۹۱۴تا۱۹۱۸میں جرمنی اور اسکے اتحادی سلطنت عثمانیہ کو شکست فاش ہوئی۔ جنگ کے دوران ہی ۱۹۱۷میں برطانیہ نے بالفور اعلامیہ پاس کرکے دنیا بھر کے تمام یہودیوں کو فلسطین میں آکر آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ دنیا بھر سے یہودی فلسطین آکر آباد ہونے لگے اور۱۹۳۶ آتے آتے فلسطین میں یہودیوں کی اچھی خاصی آبادی ہوگئی اسی سال ۱۹۳۶ میں یہودیوں اور عرب فلسطینوں کے مابین جنگ لڑی گئی مگر عرب فلسطینیوں کو اس جنگ میں ناکامی کا سامنا کرناپڑا

یورپ اور امریکہ کی مدد سے مئی۱۹۴۸میں دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک بنام اسرائیل وجود میں آیا اور فلسطین کو دو حصوں میں بانٹ کر مغربی کنارہ west Bank اردن کے زیر کنٹرول اور غازہ پٹی مصر کے زیر کنٹرول کردیا گیا

یوں۱۹۶۷تک فلسطینیوں اور اسرائیلوں میں چھوٹی بڑی جنگیں ہوتی رہیں بالآخر۱۹۶۷میں اسرائیل اور عرب ممالک کے مابین فلسطین کو غاصب یہودیوں کے پنجہ سے آزاد کرنے کیلئے ٦ روزہ معرکۃ الآراء جنگ لڑی گئی مگر اسرائیل یورپي اور امریکی ممالک کے جدید آلات حرب کی مدد سے یہ جنگ جیت گیا اور فلسطین کے بچے کھچے علاقے غازہ پٹی اور مغربی کنارہ پر بھی قبضہ کرلیا مگر بعد میں مصر سے امن معاہدہ کرکے غزہ پٹی فلسطینیوں کو واپس کردیا اور مغربی کنارہ پریاسر عرفات کی کٹھ پتلی۔ حکومت بنام۔ الفتح.کاقبضہ ہوگیا (اس وقت مسلم ممالک شیعہ۔ سنی وہابی میں اپناانرجی صرف کررہے تھے انہیں ان چیزوں سے کوئی مطلب نہ تھااگر مطلب تھاتو بریانی اور حلوہ سے تھایہ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کاحال تھااور ہے کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث

میں فرمایا کہ جس نے نیزہ بازی سیکھ کراسے بھلادیافھولیس منا یعنی وہ ہماری امت سے نہیں ہے اور آج مسلمان جدید آلات حرب میں انہیں یہود ونصاری کے محتاج ہیں اور ٹیکنالوجی کے میدان میں یہود ونصاری کے مقابل۔صفر ہیں فتدبروا یا اولی۔الالباب)

لیکن یہودیوں نے اپنی عادت خبیثہ یعنی قتل وغارت گری فتنہ و فساد۔ ظلم و عدوان۔کذب بیانی.وعدہ شکنی۔بے وفائی جو انکی حیات کا جزء لاینفک ہے اسے فلسطینی عوام کے خلاف استعمال کرکے ظلم وبربریت کی حد کردی فلسطینیوں کو قید سلاسل کیا انہیں بلاوجہ گولیوں کانشانہ بنایا، بالآخر مصر کی اخوانی تحریک سے متاثر شیخ یسین کی قیادت میں۱۹۸۷میں حرکۃ المقاومۃ الإسلامية یعني حماس کي بنيادي ڈالی گئی۔

جس کا بنیادی مقصد اسرائیلیوں کے ظلم و بربریت سے فلسطینیوں کو بچانا تھاجب اسرائیلوں کاظلم حد سے بڑھا تو ایک کہاوت کے مطابق کہ بلی جب عاجز آتی ہے توشیر پر بھی حملہ کردیتی ہے آخرکار۷اکتوبر۲۰۲۳کوحماس نے ایک منظم پلان کے تحت طوفان الاقصی نام سے اسرائیل پر حملہ کردیا اور آج دو برس سے زائد کا عرصہ ہوگیاعداوت کی یہ آگ نہ بجھی، مگر دنیا نے انکی شقاوت قلبی کااس دوسالہ جنگ میں مشاہدہ کرلیا

اور انھوں نے اھل غزہ پر ظلم وبربریت کے جوپہاڑ توڑے ماضی قریب میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

الحمدللہ آج بھی یہودی ایک آزاد ریاست سے محروم ہیں اور صبح قیامت تک محروم رہیں گے اگر ان کے آقا یورپ امریکہ ۵ منٹ کے لئے ان سے دور ہوجائیں تو اسرائیل ۵منٹ میں دنیا کے نقشے سے مٹادیاجائیگا اور آج بھی اسرائیل اپنے ہر فیصلے میں امریکہ ویورپ کا محتاج ہے اور یہی انکے غلامی کی نشانی ہے اسی لئے کہاجاتاہے کہ اسرائیلی آج تک آزاد ریاست قائم نہ کرپائے اور ان شاءاللہ صبح قیامت تک قائم بھی نہ کرپائیں گے۔

سچ فرمایا میرے رب نے ضربت علیهم الذلة والمسكنة۔۔جاری

۹۷۷۹۸۱۱۱۹۰۵۳۶

سوشل میڈیا کی چمک میں کھوئی ہوئی نئی نسل

خامہ بکف محمد عادل ارریاوی

آج کے اس جدید دور میں اگر ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ جہاں بھی جائیں گلی ہو یا بازار گھر ہو یا اسکول ہر جگہ بچے اور بچیاں موبائل فون ہاتھ میں لیے نظر آتے ہیں۔ کوئی ویڈیو بنا رہا ہے، کوئی ریل (Reel) تیار کر رہا ہے، اور کوئی گھنٹوں بیٹھ کر دوسروں کی ریلز دیکھنے میں مصروف ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ نئی نسل ایک الگ ہی دنیا میں کھو گئی ہے ایک ایسی دنیا جو حقیقت سے زیادہ اسکرین کے اندر بسی ہوئی ہے۔ ان ریلز میں ہر طرح کا مواد موجود ہوتا ہے کچھ چیزیں مفید بھی ہوتی ہیں، لیکن بہت سا ایسا مواد بھی ہوتا ہے جو اخلاقی طور پر درست نہیں ہوتا۔ بچے اور بچیاں، خاص طور پر کم عمر، ان چیزوں کو بغیر سمجھے دیکھتے رہتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہی چیزیں ان کی سوچ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں، ویسا ہی بولنے، ویسا ہی لباس پہننے اور ویسا ہی عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں ان کی شخصیت اور کردار سوشل میڈیا کے اثر میں ڈھلنے لگتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس میں کہیں نہ کہیں والدین کی بھی کوتاہی شامل ہوتی ہے۔ آج کل اکثر والدین جب اپنے بچوں کو نیا موبائل خرید کر دیتے ہیں تو سب سے پہلے وہ انسٹاگرام، فیس بک یا اسنیپ چیٹ جیسے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اکاؤنٹس بناتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ بچے موبائل کے ذریعے تعلیم حاصل کریں گے، نئی چیزیں سیکھیں گے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ زیادہ تر بچے پڑھائی کے نام پر موبائل کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

مزید یہ کہ سوشل میڈیا نے اجنبی لوگوں سے رابطہ بہت آسان بنا دیا ہے۔ یہی آسانی بعض اوقات خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ بچیاں جذباتی طور پر جلد متاثر ہو جاتی ہیں، اور جب وہ کسی اجنبی سے بات چیت شروع کرتی ہیں تو آہستہ آہستہ اس میں دلچسپی لینے لگتی ہیں۔ بات چیت دوستی میں بدلتی ہے، اور بعض اوقات یہ دوستی ایک ایسے تعلق میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ان کی زندگی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ کچھ واقعات ایسے بھی سننے میں آئے ہیں جن میں ابتدا ایک سادہ سی آن لائن بات چیت سے ہوئی، لیکن انجام انتہائی افسوسناک نکلا۔ کہیں دھوکہ دیا گیا، کہیں استحصال ہوا، اور کہیں زندگی تک ضائع ہو گئی۔ یہ واقعات ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہماری نئی نسل کس سمت جا رہی ہے۔

تاہم یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ ہر واقعہ ایک جیسا نہیں ہوتا اور ہر تعلق کو ایک ہی نظر سے دیکھنا درست نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے، بغیر تحقیق کے، اور بغیر کسی رہنمائی کے تعلقات قائم کیے جا رہے ہیں، جو خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سارے معاملے میں سب سے بڑی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو مکمل آزادی دینے کے بجائے ان کی رہنمائی کریں۔ بچوں کے موبائل استعمال پر نظر رکھیں، ان کے دوستوں کے بارے میں جانیں، اور ان کے ساتھ ایسا تعلق قائم کریں کہ وہ اپنے مسائل اور باتیں کھل کر شیئر کر سکیں۔ صرف ڈانٹ ڈپٹ سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ محبت، سمجھداری اور تربیت سے بہتری آئے گی۔ ساتھ ہی بچوں اور بچیوں کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ سوشل میڈیا کی دنیا حقیقت نہیں ہوتی۔ وہاں جو کچھ دکھایا جاتا ہے، وہ اکثر ایک بناوٹی زندگی ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی بہترین تصویر دکھاتا ہے، لیکن اس کے پیچھے کی حقیقت مختلف ہو سکتی ہے۔ اس لیے اندھا اعتماد کرنا، خاص طور پر اجنبی لوگوں پر، انتہائی خطرناک ہو سکتا ہے۔

یہی کہا جا سکتا ہے کہ موبائل اور سوشل میڈیا خود برے نہیں ہیں، لیکن ان کا غلط استعمال یقیناً نقصان دہ ہے۔ اگر ہم انہیں صحیح طریقے سے استعمال کریں تو یہ علم، ترقی اور رابطے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں، لیکن اگر ہم ان کے غلط پہلوؤں میں کھو جائیں تو یہ ہماری نسلوں کو تباہ بھی کر سکتے ہیں۔

اللہ ہی بہتر ہدایت دینے والا ہے، لیکن ہمیں بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھنا ہوگا اور اپنی آنے والی نسل کو محفوظ، بااخلاق اور باشعور بنانے کے لیے سنجیدہ اقدامات کرنے ہوں گے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

زوال سے بیداری تک علمائے کرام کے لیے درد بھری پکار

محمد علی شیر قادری نظامی
سکونت: روضہ شریف
، مہوتری نیپال

امتِ مسلمہ کی تاریخ جب اپنے اوراق کھولتی ہے تو ایک حقیقت بار بار سامنے آتی ہے کہ اس امت کی اصل قوت نہ دولت تھی، نہ حکومت، بلکہ وہ علم تھا جو دلوں کو روشن کرتا تھا، اور وہ علماء تھے جو اس علم کے امین تھے۔ یہی وہ طبقہ تھا جس نے اندھیروں میں روشنی، انتشار میں وحدت، اور گمراہی میں ہدایت کا چراغ جلایا۔
مگر آج جب ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو دل ایک عجیب کسک سے بھر جاتا ہے—وہ مقام کہاں گیا؟ وہ اثر کہاں کھو گیا؟ وہ ہیبت اور وہ اعتماد کیوں باقی نہ رہا؟ یہ سوال صرف تاریخ کا نہیں، بلکہ ضمیر کا سوال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب نیتوں میں کھوٹ آجائے تو علم بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔ جب مقصد اللہ کی رضا کے بجائے دنیا کی تعریف، شہرت یا گروہی برتری بن جائے تو الفاظ میں وزن باقی نہیں رہتا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دلوں میں جھانکیں—کیا ہمارا علم واقعی اللہ کے لیے ہے؟ کیا ہمارے خطبات دلوں کو بدلنے کے لیے ہیں یا صرف وقتی جوش پیدا کرنے کے لیے؟ اگر قول اور عمل میں تضاد ہو تو سب سے پہلا نقصان خود دعوت کو پہنچتا ہے۔ لوگ سننا چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔
علم صرف کتابوں میں محفوظ رہنے کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ زمانے کی رہنمائی کے لیے ہوتا ہے۔ اگر علماء خود کو صرف محدود دائرے میں قید کر لیں اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے آنکھیں بند کر لیں تو وہ قوم کی رہنمائی کیسے کریں گے؟ آج کا نوجوان سوال کرتا ہے، سوچتا ہے، تحقیق چاہتا ہے۔ اگر اس کے سوالات کا جواب حکمت، علم اور وسعت کے ساتھ نہ دیا گیا تو وہ کہیں اور جا کر جواب تلاش کرے گا—اور شاید غلط راستہ اختیار کر لے۔ یہ لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم نے اجتہاد کی روح کو زندہ رکھا ہے یا اسے صرف ماضی کی ایک داستان بنا دیا ہے؟ کیا ہم نئے مسائل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں یا صرف پرانی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں؟ یاد رکھیں، جو قوم اپنے زمانے کے سوالات کا جواب نہیں دیتی، زمانہ اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اور پھر ایک دردناک حقیقت یہ بھی ہے کہ ہم نے اختلاف کو دشمنی بنا لیا ہے۔ مسلک، جماعت، اور رائے کے نام پر جو فاصلے پیدا ہوئے ہیں، انہوں نے امت کے جسم کو کمزور کر دیا ہے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ایک عام مسلمان جب علماء کو آپس میں دست و گریباں دیکھتا ہے تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ اس کا اعتماد کہاں جاتا ہے؟ وہ کس کی بات پر یقین کرے؟ یہ وقت ہے رک کر سوچنے کا، اپنے رویوں کا جائزہ لینے کا، اور اس سوال کا جواب دینے کا کہ کیا ہم جو کر رہے ہیں وہ امت کو جوڑ رہا ہے یا توڑ رہا ہے؟ آج دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ میڈیا، سوشل پلیٹ فارمز اور جدید ذرائع ابلاغ نے فاصلے مٹا دیے ہیں۔ ایک غلط بات لمحوں میں لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے، اور ایک درست بات بھی اگر حکمت کے ساتھ پیش کی جائے تو دلوں کو بدل سکتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان ذرائع کو استعمال کر رہے ہیں یا ان سے دور کھڑے ہیں؟ اگر ہم نے اپنی آواز خود نہ پہنچائی تو کوئی اور اپنی آواز مسلط کر دے گا۔ لوگ صرف باتیں نہیں دیکھتے، کردار دیکھتے ہیں۔ اگر علماء معاشرے کے مسائل سے دور رہیں، صرف منبر تک محدود ہو جائیں، تو عوام کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ مگر جب وہی عالم کسی غریب کے آنسو پونچھتا ہے، کسی مظلوم کے حق کے لیے کھڑا ہوتا ہے، کسی بھٹکے ہوئے نوجوان کو محبت سے راستہ دکھاتا ہے—تو وہی عالم دلوں کا حکمران بن جاتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نوجوان نسل ہم سے دور ہو رہی ہے، مگر کیا ہم نے کبھی سوچا کہ کیوں؟ کیا ہم نے ان کی زبان میں ان سے بات کی؟ کیا ہم نے ان کے مسائل کو سمجھا؟ یا ہم نے صرف [illegible] فرض کر لیا کہ وہ خود ہی ہمارے پاس آجائیں گے؟ یاد رکھیں، دلوں تک پہنچنے کے لیے راستہ بنانا پڑتا ہے، اور یہ راستہ محبت، حکمت اور صبر سے بنتا ہے۔
اصلاح کا آغاز ہمیشہ اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ اگر ہم خود احتسابی کا دروازہ بند کر دیں، اپنی غلطیوں کو ماننے سے انکار کر دیں، اور ہر تنقید کو دشمنی سمجھیں تو بہتری کا سفر رک جاتا ہے۔ مگر جب ایک عالم اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے، سیکھنے کا جذبہ رکھتا ہے، اور خود کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے تو وہی رویہ اسے بلند کرتا ہے۔ آج ضرورت کسی نئی بات کی نہیں، بلکہ انہی بھولی ہوئی سچائیوں کو زندہ کرنے کی ہے۔ اخلاص، علم، حکمت، اتحاد، اور خدمت—یہی وہ ستون ہیں جن پر عروج کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ہم نے ان ستونوں کو مضبوط کر لیا تو زوال کی اندھیری رات زیادہ دیر باقی نہیں رہے گی۔ یاد رکھیں، قومیں اپنے علماء کے ساتھ اٹھتی ہیں اور انہی کے ساتھ گرتی ہیں۔ اگر علماء بیدار ہو جائیں، اپنے مقام کو پہچان لیں، اور اپنی ذمہ داری کو سچائی کے ساتھ ادا کریں تو امت کو کوئی نہیں گرا سکتا۔ مگر اگر وہی غفلت کا شکار رہیں تو پھر شکایت کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ وقت ہے جاگنے کا، سنبھلنے کا، اور لوٹ آنے کا—اس راستے کی طرف جس نے کبھی ہمیں دنیا کی قیادت دی تھی۔ کیونکہ عروج کا دروازہ آج بھی کھلا ہے، بس دستک دینے والے ہاتھ سچے ہونے چاہئیں۔

موجودہ دور میں مدارس: کثرت، چیلنجز اور افادیت کا جائزہ

ابو الخالد محمد اظہر الدین علیمی
دارالعلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر بھٹنڈی جموں

برصغیر پاک و ہند میں مدارسِ دینیہ کا ایک عظیم اور روشن تاریخی پس منظر رہا ہے۔ انہی مدارس نے صدیوں تک دینِ اسلام کی حفاظت، اشاعت اور تعلیم و تربیت کا فریضہ نہایت اخلاص کے ساتھ انجام دیا۔ بالخصوص اہل سنت و الجماعت کے مدارس نے قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی علوم کی ترویج میں بنیادی کردار ادا کیا۔
لیکن موجودہ دور میں مدارس کی کثرت، خصوصاً غیر منظم انداز میں نئے مدارس کے قیام نے کئی سوالات کو جنم دیا ہے۔ عوام کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اور بعض حلقوں میں مدارس کو محض "چندہ جمع کرنے کا ذریعہ" سمجھا جانے لگا ہے۔ اس صورتحال کا سنجیدہ تجزیہ نہایت ضروری ہے۔
سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ مدارس کی اصل ضرورت کیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں دینی تعلیم کا فروغ ایک بنیادی تقاضا ہے۔ اگر مدارس نہ ہوں تو دین کی صحیح تعلیم، قرآن کی تلاوت، حدیث کی معرفت اور فقہی مسائل کی وضاحت جیسے امور شدید متاثر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اہل علم نے مدارس کے قیام کو ضروری سمجھا۔ اس اعتبار سے مدارس کا قیام بذاتِ خود ایک نیک اور قابلِ قدر عمل ہے۔
لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس مقدس کام میں اخلاص کی جگہ دنیاوی مفادات داخل ہو جائیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد بغیر کسی منصوبہ بندی، معیار یا اہلیت کے مدرسہ قائم کر دیتے ہیں۔ چند طلبہ کو جمع کیا، ایک بورڈ لگایا اور چندہ جمع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایسے مدارس نہ تو تعلیمی معیار پر پورا اترتے ہیں، نہ ہی طلبہ کی صحیح تربیت کر پاتے ہیں۔ اس طرزِ عمل نے واقعی مدارس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا ہے۔
معاشرے میں جب ایسے غیر معیاری مدارس کی تعداد بڑھتی ہے تو لوگ عمومی طور پر تمام مدارس کو ایک ہی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً وہ عظیم ادارے بھی تنقید کا نشانہ بن جاتے ہیں جو واقعی اخلاص اور محنت کے ساتھ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے، کیونکہ اس سے عوام کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ "سفیروں کی کثرت" یعنی چندہ جمع کرنے والوں کی بہتات نے بھی اس مسئلے کو بڑھایا ہے۔ بعض لوگ مدرسے کے نام پر مختلف علاقوں میں جا کر چندہ جمع کرتے ہیں، لیکن اس کی شفافیت اور درست استعمال پر سوالات اٹھتے ہیں۔ جب عوام کو بار بار ایسے تجربات ہوتے ہیں تو وہ بدظن ہو جاتے ہیں اور پھر ہر مدرسے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تاہم اس تصویر کا دوسرا رخ بھی نہایت اہم ہے۔ آج بھی بے شمار ایسے مدارس موجود ہیں جو انتہائی منظم انداز میں کام کر رہے ہیں۔ وہاں قابل اساتذہ، باقاعدہ نصاب، طلبہ کی اخلاقی و روحانی تربیت، اور شفاف مالی نظام موجود ہوتا ہے۔ ایسے مدارس نہ صرف دین کے محافظ ہیں بلکہ معاشرے کے لیے صالح افراد تیار کر رہے ہیں۔ ان مدارس کی بدولت مساجد آباد ہیں، دینی رہنمائی میسر ہے اور اسلامی اقدار زندہ ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ تمام مدارس غیر مفید یا محض کمائی کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مدارس دو طرح کے ہو گئے ہیں: ایک وہ جو واقعی خدمتِ دین کا مرکز ہیں، اور دوسرے وہ جو اس مقدس نام کو استعمال کر کے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتحال کا حل کیا ہے؟ سب سے پہلے تو خود علماء اور دینی حلقوں کو اس مسئلے کا ادراک کرنا ہوگا۔ مدارس کے قیام کے لیے کچھ بنیادی اصول اور ضوابط طے کیے جائیں۔ ہر شخص کو مدرسہ کھولنے کی اجازت نہ ہو، بلکہ اس کے لیے علمی اہلیت، تجربہ اور مناسب انتظامی صلاحیت ضروری قرار دی جائے۔ دوسرا اہم قدم شفافیت کا ہے۔ مدارس کے مالی معاملات واضح اور ریکارڈ پر ہونے چاہئیں۔ چندہ کہاں سے آرہا ہے اور کہاں خرچ ہو رہا ہے، اس کی باقاعدہ رپورٹ ہونی چاہیے۔ اس سے عوام کا اعتماد بحال ہوگا۔
تیسری بات معیارِ تعلیم کی بہتری ہے۔ مدارس میں جدید تقاضوں کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ طلبہ کو نہ صرف دینی علوم بلکہ بنیادی عصری علوم سے بھی آراستہ کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔
چوتھا پہلو عوام کی ذمہ داری کا ہے۔ عوام کو بھی چاہیے کہ وہ تحقیق کے بغیر ہر جگہ چندہ نہ دیں، بلکہ ایسے مستند اور معروف مدارس کی مدد کریں جو واقعی دین کی خدمت کر رہے ہیں۔
آخر میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مدارسِ اہل سنت والجماعت ہمارے دینی تشخص کا ایک اہم ستون ہیں۔ ان کی کثرت بذاتِ خود کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ غیر معیاری اور غیر ذمہ دارانہ قیام مسئلہ ہے۔ اگر اخلاص، نظم و ضبط اور معیار کو برقرار رکھا جائے تو یہی مدارس امت کی سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں اصلاح نہ کی گئی تو عوامی اعتماد کا بحران مزید گہرا ہو سکتا ہے۔
لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیں، اچھے اور برے میں فرق کریں، اور مدارس کے نظام کو مضبوط، شفاف اور مؤثر بنانے کی کوشش کریں۔ یہی دین کی حقیقی

نیپال کے مدارس اسلامیہ میں انقلاب کی ضرورت

نیپال کی نئی حکومت نے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران سے تمام ریکارڈ جمع کرانے اور ان کے نصاب میں سرکاری اسکولوں کا نصاب لازمی طور پر شامل کرنے کا اعلان کیا ہے، یہ فیصلہ صرف تعلیمی اصلاحات کا نام نہیں بلکہ مسلمان نوجوانوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے، ان کی سماجی انضمام کو یقینی بنانے اور ملک کی مجموعی ترقی میں ان کا فعال کردار ادا کرنے کی ایک اہم کوشش ہے۔
نیپال میں مسلمان آبادی تقریباً ۱۴ لاکھ ۸۳ ہزار کے قریب ہے جو کل آبادی کا تقریباً ۵٫۰۹ فیصد بنتی ہے، ۲۰۸۲ بی ایس (۲۰۲۵ عیسوی) کے ریکارڈ کے مطابق نیپال میں ۱۰۶۰ سے زائد رجسٹرڈ مدارس ہیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، غیر رجسٹرڈ مدارس کی تعداد اس سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، روایتی طور پر یہ مدارس قرآن، حدیث، فقہ اور اسلامی اخلاقیات کی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھتے رہے ہیں۔ تاہم، آج کے بدلتے دور میں یہ نظام کافی نہیں رہا۔
ملک نیپال کے کونے کونے اور گلف ممالک میں کام کرنے والے نیپالی مسلمانوں کا رجحان تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے، چاہے وہ عالم دین ہوں، حافظ قرآن ہوں یا معمولی دینی تعلیم رکھنے والے، وہ اپنے بچوں کو صرف مدارس میں نہیں بھیج رہے بلکہ جدید بورڈنگ اسکولوں، انگریزی میڈیم پرائیویٹ اسکولوں اور اعلیٰ معیار کے تعلیمی اداروں میں داخل کروا رہے ہیں، اس کے لیے وہ خطیر رقم بھی خرچ کر رہے ہیں، مدارس دینیہ میں زکوۃ و صدقات بھی دے رہے ہیں، (لیکن اگر مدارس میں ہی انہیں یہ تعلیم مل جائے تو پرائیویٹ اسکول میں خطیر رقم کیوں دیں گے؟ اپنے مدارس میں ہی دیں گے) اس تبدیلی کی وجہ سادہ ہے: وہ روزمرہ زندگی میں دیکھ رہے ہیں کہ صرف دینی تعلیم پر انحصار کرنے والا نوجوان آج کے دور میں نوکری، کاروبار، سائنس، ٹیکنالوجی یا سماجی ترقی کے میدان میں کامیاب نہیں ہو پا رہا ہے، وہ خود سخت محنت سے کماتے ہیں اور اسے اپنے بچوں کی عصری تعلیم پر لگا رہے ہیں تاکہ وہ ڈاکٹر، انجینئر، آئی ٹی پروفیشنل یا کامیاب تاجر بن سکیں۔ یہ رجحان مدارس والوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے، اگر مدارس تبدیل نہیں ہوئے تو والدین خود اپنے بچوں کو سرکاری، پرائیویٹ اور بورڈنگ اسکولوں کی طرف لے جاتے رہیں گے، اور ایک دن ایسا آئے گا کہ مدارس کو مجبوراً بند کرنا پڑے گا، وسائل اور بچوں کی قلت کی وجہ سے، آج بھی بہت سے مدارس ہیں، جہاں بڑی بڑی بلڈنگز ہیں وسیع و عریض اراضی ہیں، لیکن بچوں کا فقدان ہیں قابل اساتذہ کا فقدان ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیپال کے مدارس کیوں اسی پرانے نظام پر قائم رہ کر خود کو اور اپنے طلبہ کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟ کیا اب تک وقت نہیں آیا کہ یہ مدارس اپنے نصاب اور تعلیمی نظام میں ایک مکمل انقلاب لا کر سرکاری اسکولوں اور پرائیویٹ بورڈنگ اسکولوں سے براہ راست مقابلہ کریں اور بہتر کارکردگی دکھائیں؟ جبکہ حکومت بھی ساتھ دینے کو تیار ہے۔ روایتی مدارس کا نظام صدیوں پرانا ہے، لیکن آج کا مسئلہ یہ ہے کہ "خالص دینی تعلیم" کا مطلب اگر صرف روایتی کتابیں پڑھانا اور عصری علوم سے مکمل الگ تھلگ رہنا ہے تو اس کا نتیجہ طلبہ کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے، مدارس سے فارغ التحصیل نوجوان آج خود کو "ناکارہ" سمجھنے لگے ہیں، پردیس میں جا کر لیبر کی نوکری کرنے پر مجبور ہیں، سرکاری اور غیر سرکاری پروفیشنل عہدوں کے لئے فٹ نہیں بیٹھ رہے ہیں، ان کا حلیہ، لباس، طرز زندگی اور سوچ ایسا بن جاتا ہے کہ وہ معاشرے کے مین اسٹریم سے الگ تھلگ پڑ جاتے ہیں، مدارس کا سرٹیفکیٹ حکومت قبول نہیں کر رہی، انہیں اکثر "جاہل" کی کیٹیگری میں شامل کیا جا رہا ہے، سرکاری نوکریوں، اعلیٰ تعلیمی اداروں، پروفیشنل کورسز یا یہاں تک کہ بنیادی ملازمتوں میں داخلے کے لیے ان کے پاس کوئی معتبر راستہ نہیں رہتا، ۲۰ سال مدارس میں گزارنے کے بعد طلبہ کے پاس نہ تو جدید مہارتیں ہیں، نہ قومی سطح پر تسلیم شدہ ڈگری، نہ ہی عملی زندگی کے لیے درکار صلاحیتیں، نتیجتاً وہ صرف مساجد اور مدارس تک محدود رہ جاتے ہیں، اور کامیاب اور مالدار لوگوں کا گن گان کرنا ان کا روزمرہ کا مشغلہ بن جاتا ہے، معاشرے کے معزز عہدوں، جیسے ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، سرکاری افسر، تاجر، سیاستدان یا استاد سے ان کا تقریباً مکمل صفایا ہو چکا ہے، نمائندگی کہاں رہ جاتی ہے جب آپ معاشرے سے کٹ جاتے ہیں؟ آپ کی آواز قومی سطح پر کیسے سنائی دے گی؟ آپ کی کمیونٹی کی ترقی اور حقوق کی حفاظت کیسے ہوگی؟
مدارس والے سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہی پرانی غلطیاں دہرا رہے ہیں جو برسوں سے چلی آرہی ہیں، بار بار اسی سراخ سے ڈنستے جا رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ "خالص دینی" کا مطلب صرف الگ تھلگ رہنا ہے، جبکہ اسلام خود علم کی وسعت پر زور دیتا ہے، پہلا وحی "اقرا" (پڑھ) تھا، جو صرف دینی کتابوں تک محدود نہیں بلکہ سائنس، ریاضی، فلسفہ، تاریخ اور تمام مفید علوم کو شامل کرتا ہے، اسلام نے ہمیشہ علم کو فرض قرار دیا ہے، چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی،
اب وقت آگیا ہے کہ تمام مدارس اپنے نصاب اور تعلیمی نظام میں ایک جامع انقلاب لائیں، وہ سرکاری اسکولوں اور پرائیویٹ بورڈنگ اسکولوں کے ساتھ مقابلہ کریں، اور صلاحیت کا لوہا منوائیں، کیونکہ مدارس کے طلباء محنت کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتے، وہ بہترین رزلٹ دے سکتے ہیں۔
ایک ہائبرڈ یا مربوط نصاب ممکن ہے جس میں: دینی تعلیم (قرآن مجید، حدیث نبوی، فقہ، سیرت، اسلامی اخلاقیات اور عربی زبان) کو مکمل طور پر برقرار رکھا جائے (لیکن پیٹرن بدل کر) اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچے، ساتھ ہی سرکاری نصاب کے مطابق سائنس، ریاضی، انگریزی، نیپالی زبان، سوشل سٹڈیز، کمپیوٹر سائنس، ماحولیات اور جدید مہارتیں پڑھائی جائیں، برائے نام نہیں بلکہ کامیابی کے ساتھ، تاکہ طلباء قومی سطح کے امتحانات میں نام نکال سکیں اور مدارس خاندان اور کمیونٹی کا نام روشن کر سکیں اور ملک و ملت کی خدمت کر سکیں، جدید تدریسی طریقے اپنائے جائیں: سائنس لیب، کمپیوٹر کلاسز، انگریزی میڈیم آپشن، اسپورٹس، لائبریری، extracurricular سرگرمیاں اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال۔
کچھ مدارس نے پہلے ہی اس سمت میں آغاز کیا ہے جہاں طلبہ mainstream مضامین کو اپنے مستقبل کے لیے اہم سمجھ رہے ہیں، خاص طور پر مدارس البنات میں سوشل سٹڈیز، نیپالی اور انگریزی کو مثبت دیکھا جا رہا ہے، جب کہ مدارس البنین کو سبقت لے جانا چاہئے تھا، اگر تمام مدارس اس طرف بڑھیں تو وہ نہ صرف مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ بہتر کارکردگی بھی دکھا سکتے ہیں، کیونکہ ان میں اخلاقی اور روحانی تربیت کا اضافی عنصر موجود ہوگا جو آج کے پرائیویٹ اسکولوں میں اکثر غائب ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سب کو عالم دین بننا ضروری نہیں، کچھ طلباء عالم، امام، خطیب یا دینی مدرس بنیں، جبکہ زیادہ تر ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، تاجر، معلم یا سرکاری ملازم بن کر ملک اور کمیونٹی کی خدمت کریں، متوازن تعلیم ہی انہیں دونوں دنیاؤں کا فائدہ دے گی۔
اگر مدارس یہ انقلاب لا سکیں تو فوائد بے شمار ہوں گے، طلبہ معاشرے سے جڑیں گے، حکومتی سہولیات، وظائف اور قومی پروگراموں سے فائدہ اٹھائیں گے، والدین کا رجحان مدارس کی طرف واپس آئے گا کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ یہاں بھی جدید معیار کی تعلیم مل رہی ہے، مسلمان کمیونٹی کی قومی سطح پر نمائندگی بڑھے گی، سماجی ہم آہنگی بڑھے گی اور فرقہ وارانہ فاصلے کم ہوں گے، سب سے بڑھ کر، نوجوان ملک کی تعمیر و ترقی میں فعال کردار ادا کریں گے۔
خدشات بھی موجود ہیں، کچھ لوگ ڈرتے ہیں کہ سرکاری نصاب دینی شناخت کو کمزور نہ کر دے یا مدارس پر غیر ضروری کنٹرول نہ ہو جائے، ان خدشات کا حل ممکن ہے
، مدارس کے نمائندے، علماء کرام اور حکومت مل کر مشترکہ نصاب پر متفق ہوں، اور بہترین بات یہ ہے کہ حکومت نے دینی مضامین کو مکمل تحفظ دیا ہے، آپ اپنا نصاب بھی پڑھا سکتے ہیں حکومت کے نصاب کے ساتھ، لیکن پہلے کی طرح سرکاری نصاب کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور یہ اچھی پہل ہے، اور دوسری بات شفافیت یقینی بنائی جائے اور سخت مخالفت کی بجائے فعال تعاون کا راستہ اپنایا جائے، نیپال کی حکومت کو بھی لچک دکھانی چاہیے، رجسٹریشن اور نگرانی کے ساتھ ساتھ مالی امداد، ٹیچر ٹریننگ اور انفراسٹرکچر کی سپورٹ بھی فراہم کی جائے، مدارس کو ختم کرنے کے بجائے انہیں قومی تعلیمی نظام کا فعال حصہ بنایا جائے۔
آخر میں، یہ اعلان ایک بڑا موقع ہے، مدارس والوں کو اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ الگ تھلگ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، اگر آپ معاشرے سے کٹے رہے تو آپ کی نمائندگی ختم ہو جائے گی، آپ کی آواز سننے والا کوئی نہیں رہے گا اور آپ کی کمیونٹی پیچھے رہ جائے گی، ملک میں رہنے والے اور گلف میں کام کرنے والے والدین کا بدلتا رجحان ایک وارننگ ہے، اسلام علم کا دین ہے، نیپال کے مدارس کو چاہیے کہ وہ پرانے نظریے کو چھوڑ کر جدید چیلنجز کا سامنا کریں، نصاب میں انقلاب لائیں، سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں سے مقابلہ کریں اور طلبہ کو دینی اقدار کے ساتھ جدید دنیا کے لیے تیار کریں۔ علماء کرام، والدین، مدارس کے ذمہ داران اور حکومت، سب کو مل کر کام کرنا ہوگا، صرف مخالفت یا روایت کی ضد نہیں، بلکہ اصلاح، تعاون اور ترقی کا راستہ اپنانا ہوگا، یہ تبدیلی نہ صرف ضروری ہے بلکہ ناگزیر بھی ہے، اگر آج اقدام نہ کیا گیا تو کل بہت دیر ہو چکی ہوگی، متوازن تعلیم ہی وہ کلید ہے جو مسلمان نوجوانوں کو ایک روشن مستقبل دے سکتی ہے، جہاں وہ اللہ کے سچے بندے بھی رہیں اور نیپال کے مفید، فعال اور کامیاب شہری بھی۔

راشد سیف اللہ مدینہ منورہ

نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ مبارک!

یہ بات باعثِ مسرت و افتخار ہے کہ نیپال اردو ٹائمز نے مختصر مدت میں نیپال کی اردو صحافت کو ایک نئی شناخت عطا کی اور ملک کے پہلے مستقل اور باضابطہ اردو اخبار کی حیثیت سے اپنی منفرد پہچان قائم کی۔ اس نے نہ صرف خبروں کی ترسیل کا فریضہ انجام دیا بلکہ اہلِ علم، اہلِ قلم اور ملت کے مسائل و ترجیحات کو مؤثر انداز میں عالمی سطح تک پہنچانے کا بھی قابلِ قدر کام کیا ہے۔ اس عظیم کامیابی پر علماء فاؤنڈیشن نیپال کی پوری ٹیم، بالخصوص چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی، نائب ایڈیٹر محب گرامی مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی، معاون ایڈیٹر حضرت مولانا سراقہ حسن رضوی، اور تمام قلمکار حضرات دل کی گہرائیوں سے مبارکباد مستحق ہیں۔ ان حضرات کی شبانہ روز محنت، اخلاص اور علمی بصیرت ہی اس کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیپال اردو ٹائمز کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اسے حق و صداقت کی آواز، ملت کی ترجمانی اور علم و ادب کی خدمت کا مؤثر ذریعہ بنائے، اور اس سے وابستہ تمام حضرات کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے

محمد حسنین رضا مصباحی
استاذ و مفتی: جامعہ مدینۃ العلوم خانقاہ قادری پھکولی شریف، مظفر پور

نیپال کے مدارس کی قانونی حیثیت اور مستقبل کا لائحۂ عمل

نیپال میں مدارس صرف دینی تعلیم کے مراکز نہیں بلکہ مسلم سماج کی مذہبی، تہذیبی اور سماجی شناخت کے اہم ستون ہیں۔ ملک بھر میں اندازاً ۲۵۰۰ مدارس موجود ہیں جن میں سے نصف رجسٹرڈ ہیں جبکہ نصف غیر رجسٹرڈ حالت میں چل رہے ہیں۔ لیکن سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رجسٹرڈ مدارس کی قانونی حیثیت بھی پوری طرح واضح نہیں۔ حالیہ دنوں میں جھاپا کے بعض مدارس کے ذمہ داران جب مقامی حکومت سے اضافی فنڈز اور تعاون کے سلسلے میں گفتگو کرنے گئے تو انہیں یہ بتایا گیا کہ مدارس کو صرف نجی ذرائع سے چلانے کی اجازت دی گئی تھی، حکومت ان کی مکمل مالی ذمہ داری لینے کی پابند نہیں ہے۔ یہ بات مدارس کے لئے ایک سنجیدہ سوال پیدا کرتی ہے کہ آخر ان کی اصل قانونی حیثیت کیا ہے اور مستقبل میں ان کا نظام کس بنیاد پر چلے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نیپال میں مدارس کے لئے اب تک کوئی جامع اور واضح قومی پالیسی موجود نہیں۔ بعض مدارس مقامی حکومت کے تحت رجسٹرڈ ہیں، کچھ سماجی اداروں یا کمیونٹی اسکول کی شکل میں رجسٹر ہیں، جبکہ بہت سے مدارس صرف روایتی انداز میں برسوں سے چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس کی قانونی شناخت ہر جگہ یکساں نہیں۔ بعض مدارس یہ سمجھتے ہیں کہ رجسٹریشن کے بعد انہیں سرکاری تعلیمی اداروں جیسی سہولیات ملنی چاہئیں، لیکن حکومت شاید انہیں صرف نجی مذہبی اداروں کے طور پر دیکھتی ہے۔ یہی قانونی ابہام مستقبل میں مدارس کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔

مدارس کو سب سے پہلے اپنی رجسٹریشن اور قانونی حیثیت کا مکمل جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہر مدرسہ کو یہ جاننا چاہئے کہ وہ کس قانون کے تحت رجسٹرڈ ہے، رجسٹریشن کے وقت حکومت نے کیا شرائط رکھی تھیں، اور آیا حکومت نے انہیں صرف دینی تعلیم دینے کی اجازت دی تھی یا انہیں کسی حد تک تعلیمی ادارے کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر مدارس کی حیثیت صرف نجی دینی اداروں کی ہے تو پھر حکومت یہ مؤقف اختیار کر سکتی ہے کہ ان کی مالی ذمہ داری عوام یا کمیونٹی پر عائد ہوتی ہے، نہ کہ ریاست پر۔

آج مدارس ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جہاں صرف روایتی چندہ اور زکوۃ پر انحصار کافی نہیں رہے گا۔ مہنگائی، بدلتے معاشی حالات اور مالی نگرانی کے سخت نظام کی وجہ سے مدارس کو اپنے مالی استحکام کے لئے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے۔ اگر حکومت واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ مدارس نجی وسائل سے چلیں گے، تو مدارس کو مالی خود کفالت کی

ڈاکٹر سلیم انصاری

طرف سنجیدگی سے جانا ہوگا۔ اس کے لئے وقف املاک، زرعی منصوبے، چھوٹے کاروبار، کمیونٹی سپورٹ فنڈ، اور منظم مالی منصوبہ بندی جیسے اقدامات ضروری ہو سکتے ہیں۔ مالی شفافیت بھی انتہائی اہم ہے کیونکہ عوام اور ادارے اسی مدرسہ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں جس کا نظام واضح اور منظم ہو۔

اس کے ساتھ مدارس کو یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ اگر وہ حکومت سے فنڈز یا سہولیات کا مطالبہ کریں تو اس کی بنیاد کیا ہوگی۔ صرف جذباتی اپیلیں شاید مؤثر ثابت نہ ہوں۔ مدارس کو آئینی، قانونی اور تعلیمی بنیادوں پر اپنا موقف تیار کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر مسلم اقلیت کے تعلیمی حقوق، دینی آزادی، غریب بچوں کی تعلیم و کفالت، اور سماجی خدمات جیسے نکات کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر مدارس بنیادی تعلیم، رہائش اور سماجی خدمت انجام دے رہے ہیں تو وہ یہ مؤقف اختیار کر سکتے ہیں کہ حکومت انہیں تعلیمی اور سماجی اداروں کے طور پر تسلیم کرے اور کم از کم بنیادی سہولیات یا محدود مالی تعاون فراہم کرے۔

یہ بھی واضح نظر آ رہا ہے کہ مستقبل میں حکومت مدارس کے لئے کچھ نہ کچھ قواعد و ضوابط ضرور متعارف کرائے گی۔ خاص طور پر جب مدارس کا ڈیٹا اور تفصیلات حکومت کے پاس جمع ہو رہی ہیں تو ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں رجسٹریشن، نصاب، مالی آڈٹ، طلبہ کے ریکارڈ، اساتذہ کی معلومات اور انتظامی نظام کے حوالے سے نئی پالیسیاں بنائی جائیں۔ اس لئے مدارس کو ابھی سے اپنے داخلی نظام کو مضبوط، شفاف اور منظم بنانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مستقبل کی کسی بھی پالیسی کا بہتر انداز میں سامنا کر سکیں۔

مدارس کی ایک بڑی کمزوری ان کا منتشر ہونا بھی ہے۔ ہر مدرسہ الگ انداز میں کام کر رہا ہے اور حکومت کے سامنے کوئی مضبوط اجتماعی نمائندگی موجود نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس ایک مشترکہ پلیٹ فارم یا فیڈریشن قائم کریں جو قانونی ماہرین، ماہرین تعلیم اور سماجی نمائندوں کے ساتھ مل کر مدارس کی مشترکہ پالیسی تیار کرے۔ اجتماعی حکمت عملی کے بغیر مدارس کے مسائل کا مستقل حل نکالنا مشکل ہوگا۔

آج مدارس کے لئے صرف جذباتی ردِ عمل کافی نہیں۔ یہ دور قانون، پالیسی، ادارہ جاتی نظم اور عملی حکمت عملی کا دور ہے۔ اگر مدارس نے بروقت اپنی حیثیت واضح نہ کی، مالی منصوبہ بندی نہ کی اور اجتماعی حکمت عملی اختیار نہ کی تو مستقبل میں ان کے لئے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔ لیکن اگر مدارس دانشمندی، شفافیت، اتحاد اور دور اندیشی کے ساتھ آگے بڑھیں تو وہ نہ صرف اپنی بقا کو محفوظ بنا سکتے ہیں بلکہ نیپال کے تعلیمی اور سماجی نظام میں ایک باوقار اور مثبت کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

www.nepalurdutimes.com

نیپال کا ٹریفک قانون: انصاف یا ظلم

دنیا کے ہر ملک میں ٹریفک قوانین کا مقصد عوام کی حفاظت اور انصاف کی فراہمی ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کوئی قانون اپنی نیت میں نیک ہونے کے باوجود عملی زندگی میں ایسے بھیانک نتائج پیدا کرتا ہے جن کا تصور بھی قانون سازوں نے نہ کیا ہو، نیپال کا ایک معروف ٹریفک قانون، جو حادثے میں زندہ بچ جانے والے شخص کے تمام اخراجات ڈرائیور پر ڈالتا ہے، آج کل سنگین اخلاقی اور قانونی بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ یہ قانون ایک طرف متاثرین کو تحفظ دینے کی کوشش کرتا ہے، تو دوسری طرف یہی قانون انسانی جانوں کے ضیاع کا سبب بن رہا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ دونوں طرف سے استحصال ہو رہا ہے۔

نیپال کی سڑکوں کا خوفناک منظر: اعداد و شمار
اس پوری بحث کو سمجھنے کے لیے پہلے نیپال کی سڑکوں کی صورتحال کا جائزہ لینا ضروری ہے، نیپال میں روزانہ اوسطاً ۷۵ سڑک حادثے ہوتے ہیں اور تقریباً ۷ افراد لقمہ اجل بنتے ہیں، مالی سال ۲۰۲۵/۲۰۲۶ میں نیپال پولیس کے اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں ۲۸۶۹۲ سڑک حادثوں میں ۲۵۳۹ افراد ہلاک اور ۶۹۷۶ شدید زخمی ہوئے، تاہم عالمی ادارہ صحت کا اندازہ ہے کہ اصل اموات تقریباً ۸۰۰۰ سالانہ ہو سکتی ہیں کیونکہ بہت سے واقعات رپورٹ ہی نہیں ہوتے۔
گزشتہ پانچ سالوں (۲۰۱۹ تا ۲۰۲۴) میں ۱۲۵۴۲ افراد سڑک حادثوں میں ہلاک اور ۲۹۷۲۹ شدید زخمی ہوئے، گزشتہ ایک دہائی میں ۲۴۰۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ۵۰۰۰۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔
نیپال کی سڑک حادثات کی شرح اموات فی ایک لاکھ آبادی ۲۸٫۲ ہے، جو ایشیا پیسفک کی اوسط ۱۵٫۲ سے تقریباً دوگنی ہے، ایشیا میں نیپال آٹھویں نمبر پر ہے، سڑک حادثوں سے ہونے والی اموات قدرتی آفات سے پانچ گنا زیادہ ہیں، گزشتہ پانچ سالوں میں جہاں سڑک حادثوں میں ۱۲۳۷۱ اموات ہوئیں، وہیں تمام قدرتی آفات میں صرف ۲۳۰۳ اموات ریکارڈ کی گئیں، عالمی بینک کا اندازہ ہے کہ سڑک حادثے نیپال کی جی ڈی پی کا ۵ء۱ سے ۲ فیصد نقصان کرتے ہیں۔

قانون کیا کہتا ہے؟
نیپال کے موٹر وہیکل اینڈ ٹرانسپورٹ مینجمنٹ ایکٹ ۱۹۹۳ (دفعہ ۱۶۱) کے تحت سزاؤں کا ڈھانچہ تین حصوں میں تقسیم ہے:
دفعہ ۱۶۱(۱) کے تحت جان بوجھ کر قتل کرنا عمر قید کا سبب بن سکتا ہے۔ دفعہ ۱۶۱(۲) کے تحت لاپروائی سے گاڑی چلانے کے نتیجے میں ہونے والی موت پر ۳ سے ۱۰ سال قید کی سزا ہے۔ دفعہ ۱۶۱(۳) کے تحت غیر ارادی حادثے میں موت پر ایک سال تک کی قید ہو سکتی ہے، لیکن اصل پیچیدگی یہ ہے کہ اگر متاثرہ شخص زندہ بچ جائے تو ڈرائیور یا گاڑی کے مالک پر اس کے علاج اور بسا اوقات تاحیات اخراجات کا بوجھ پڑ سکتا ہے، یہی وہ شق ہے جو انسانی رویے کو ایک خوفناک سمت میں موڑ دیتی ہے۔

جان بوجھ کر قتل: ایک انسانی المیہ
اس قانون کا سب سے تاریک پہلو وہ رویہ ہے جو یہ ڈرائیوروں میں پیدا کرتا ہے، نیپال کی عدالتوں اور تفتیشی اداروں کے ریکارڈ میں ایسے واقعات موجود ہیں جہاں حادثے کے بعد زخمی شخص کو بچانے کی بجائے اس پر گاڑی چڑھا دیا گیا اور بے دردی سے اسکو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، مالی سال ۲۰۲۴/۲۵ میں ملک بھر کی ضلعی عدالتوں میں گاڑی سے قتل کے ۵۰۲۶ مقدمات درج ہوئے، اٹارنی جنرل کے دفتر نے ۲۸۲۶ ایسے مقدمات دائر کرنے کا فیصلہ کیا جن میں ۳۵۷۴ ملزمان نامزد کیے گئے، گاڑی سے قتل کا جرم ملک میں سرکاری وکلاء کی طرف سے دائر کیے جانے والے ٹاپ ۱۰ مجرمانہ مقدمات میں چھٹے نمبر پر ہے۔ ہٹ اینڈ رن کے واقعات جو اکثر اسی خوف سے ہوتے ہیں، کے اعداد بھی چونکا دینے والے ہیں:

میٹروپولیٹن ٹریفک پولیس ڈویژن کے اعداد کے مطابق میں ۳۳۸، ۲۰۱۶_۲۰۱۷ میں ۶۱۲، اور ۲۰۱۷_۲۰۱۸ میں ۶۳۰ ہٹ اینڈ رن مقدمات درج ہوئے یعنی صرف تین سال میں تقریباً دوگنا اضافہ، مہلک ہٹ اینڈ رن حادثات کے تقریباً ۹۵ فیصد متاثرین موٹر سائیکل سوار یا پیدل چلنے والے ہیں، نیپال کے وزارت نقل و حمل کے سابق سیکریٹری تولسی پرساد سیتولا نے کہا کہ ڈرائیوروں کو ملنے والی خصوصی سہولیات نے انہیں جان بوجھ کر حادثہ کروانے اور زخمی کو ختم کرنے کی جرأت دی ہے۔

دوسرا رخ: معاوضے کا کاروبار
دیہات کی تنگ گلیوں اور پتلی سڑکوں میں جہاں بچے بے فکری سے کھیلتے ہیں اور جانور آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں، وہاں معمولی ٹریفک حادثات ایک خوفناک سماجی المیہ بن جاتے ہیں؛ ذرا سی چوٹ یا خراش کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ حقیقت پس منظر میں چلی جاتی ہے اور ہجوم کا غصہ انصاف پر غالب آجاتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کا قصور بھی ثابت نہیں ہوتا، اسے بے دردی سے مارا پیٹا جاتا ہے، پھر پولیس کے حوالے کر کے اس پر جھوٹے الزامات لگا دیے جاتے ہیں، اور اس کے بعد ایک ظالمانہ کھیل شروع ہوتا ہے جس میں غیر ضروری علاج، ہسپتال کے بڑھا چڑھا کر بنائے گئے بل، اور لاکھوں روپے کے ناجائز مطالبات اس کے سر تھوپ دیے جاتے ہیں، یہی ظلم میرے دوست قاری فیاض عرفانی کے ساتھ بھی ہوا، جو ایک زخمی شخص کی مدد کے لیے رکے تھے مگر الٹا انہی پر الزام لگا کر ان سے بھاری رقم وصول کی گئی، اسی طرح منا بھائی کے بیٹے کو بھی ایک معمولی حادثے کے بعد اسی جبر اور لالچ کا نشانہ بنایا گیا، یوں ایک بے گناہ انسان نہ صرف جسمانی اذیت سہتا ہے بلکہ ذہنی کرب، بے خوابی اور شدید پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ سب ایک ایسے معاشرتی رویے کی عکاسی کرتا ہے جو ہمدردی اور انصاف کے بجائے ظلم، لالچ اور اجتماعی ناانصافی پر قائم ہے۔

قانون کی جڑ میں تین بنیادی خرابیاں
اس پوری صورتحال کا تجزیہ کریں تو تین بنیادی خرابیاں سامنے آتی ہیں:
پہلی خرابی یہ ہے کہ قانون میں تناسب کا فقدان ہے، ہر حادثہ یکساں نہیں ہوتا، کوئی لاپروائی سے ہوتا ہے، کوئی اتفاقاً، کوئی خود متاثرہ شخص کی غلطی سے، لیکن ذمہ داری کا سارا بوجھ ایک فریق پر ڈالنا عدل کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔
دوسری خرابی سرکاری صحت اور بیمہ نظام کی کمزوری ہے، نیپال کے بڑے سیاسی جماعتوں نے اپنے منشوروں میں سڑک حادثات کے لیے خصوصی عدالت، بہتر معاوضہ نظام اور ڈرائیوروں کی تربیت کے وعدے کیے، لیکن آج تک ان میں سے کچھ بھی پوری طرح نافذ نہیں ہوا۔
تیسری خرابی عدالتی نظام کی نرمی ہے، سپریم کورٹ کے ایک اہم فیصلے میں ریکارڈ کیا گیا کہ نیپال میں کوئی ڈرائیور چاہے کتنی بھی جانیں لے لے، نہ اس کا لائسنس منسوخ ہوتا ہے اور نہ اس پر کوئی بڑا مالی بوجھ پڑتا ہے۔

قانون میں اصلاح کیسے ممکن ہے؟
ایک منصفانہ قانون وہ ہوتا ہے جو نہ صرف متاثرہ کو انصاف دے بلکہ ذمہ دار فریق کو بھی ایسی سزا دے جو انسانی فطرت کو ظلم پر مجبور نہ کرے۔
بالن سرکار سے چند ٹھوس تجاویز
ذمہ داری کا تعین حادثے کی نوعیت اور قصوروار فریق کے مطابق ہو، ایک لازمی ٹریفک انشورنس سکیم متعارف کروائی جائے جو حادثے کے اخراجات پورے کرے تاکہ ڈرائیور پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑے، معاوضے کی رقم کی ایک منطقی حد مقرر کی جائے تاکہ جھوٹے دعوؤں پر قابو پایا جا سکے، حادثے کے بعد زخمی کو مدد نہ کرنا یا اسے مزید نقصان پہنچانا ایک الگ اور سنگین جرم قرار دیا جائے، اور اس سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۲۱ دن کی وہ غیر عملی شق فوری طور پر ختم کی جائے جو قانون کو مذاق بنا دیتی ہے۔

خاتمہ
نیپال کا یہ قانون ایک ایسے سماجی المیے کی عکاسی کرتا ہے جہاں نیک نیتی سے بنائے گئے قوانین بھی غلط نتائج دے سکتے ہیں جب وہ زمینی حقائق اور انسانی نفسیات سے ہم آہنگ نہ ہوں، نیپال کے قومی انسانی حقوق کمیشن نے اپنی سالانہ رپورٹ ۲۰۲۴_۲۰۲۵ میں صاف لکھا ہے کہ حکومت کی ناکافی گاڑی انتظامی ریگولیشن کی وجہ سے شہری اپنے زندگی کے بنیادی حق سے محروم ہو رہے ہیں، جب قانون کی وجہ سے کوئی بے بس انسان سڑک پر چیختا ہوا دم توڑے، اور دوسری طرف کوئی چالاک شخص معمولی خراش کو کروڑوں کا کاروبار بنائے، تو یہ صرف قانون کی ناکامی نہیں، یہ پورے نظامِ انصاف کی ناکامی ہے، وقت آگیا ہے کہ نیپال کی حکومت اس قانون پر سنجیدگی سے نظر ثانی کرے اور ایک ایسا نظام بنائے جو واقعی انصاف کا ترجمان ہو، نہ کہ ظلم کا پردہ۔

راشد سیف اللہ
مدینہ منورہ

مراسلات

عنوان: شانِ صحافت کا درخشاں چراغ — چیف ایڈیٹر عبدالجبار علیمی نظامی

صحافت کسی بھی معاشرے کی آنکھ، کان اور زبان ہوتی ہے، اور جب یہ ذمہ داری ایسے صاحبِ فکر و نظر کے ہاتھوں میں ہو جو دیانت، بصیرت اور اخلاص کے پیکر ہوں تو یقیناً صحافت محض خبر رسانی نہیں رہتی بلکہ ایک مشن، ایک تحریک اور ایک امانت بن جاتی ہے۔ اسی قبیل کے درخشاں ناموں میں ایک معتبر اور قابلِ احترام نام چیف ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز، جناب عبدالجبار علیمی نظامی کا ہے، جنہوں نے اپنی بے مثال صلاحیتوں اور اعلیٰ صحافتی اقدار کے ذریعے اردو صحافت میں ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے۔

عبدالجبار علیمی نظامی صاحب کی شخصیت ہمہ جہت اوصاف کی حامل ہے۔ آپ نہ صرف ایک باوقار مدیر ہیں بلکہ ایک باخبر تجزیہ نگار، صاحبِ قلم دانشور اور دردِ دل رکھنے والے سماجی رہنما بھی ہیں۔ آپ کی تحریروں میں جہاں حقائق کی گہرائی ہوتی ہے، وہیں الفاظ کی شائستگی اور اسلوب کی دلکشی بھی قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ صحافت کو محض پیشہ نہیں بلکہ ایک مقدس فریضہ سمجھا، اور اسی احساسِ ذمہ داری کے تحت اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

نیپال اردو ٹائمز کے پلیٹ فارم سے آپ نے نہ صرف اردو زبان و ادب کی خدمت کی بلکہ سماجی، ملی اور تعلیمی مسائل کو بھی نہایت سنجیدگی اور جرات کے ساتھ اجاگر کیا۔ آپ کی ادارت میں یہ ادارہ ایک معتبر آواز کے طور پر ابھرا ہے، جہاں سچائی، توازن اور دیانت کو اولین ترجیح دی جاتی ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ محدود وسائل کے باوجود اگر نیت صاف اور عزم مضبوط ہو تو صحافت کے میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ نوجوان قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کی رہنمائی کی، ان کے قلم کو جِلا بخشی اور انہیں ایک مثبت سمت عطا کی۔ آج بے شمار ایسے لکھاری ہیں جو آپ کی سرپرستی میں پروان چڑھ کر اردو صحافت کا سرمایہ بن چکے ہیں۔ یہ آپ کی تربیت اور خلوص کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کے گرد ایک ایسا علمی و ادبی حلقہ قائم ہے جو علم، ادب اور شعور کے فروغ میں سرگرم عمل ہے۔

عبدالجبار علیمی نظامی صاحب کی تحریروں میں جرأتِ اظہار کے ساتھ ساتھ اعتدال اور حکمت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی جذباتیت کو اپنے قلم پر حاوی نہیں ہونے دیا بلکہ ہمیشہ دلیل، تحقیق اور توازن کو مقدم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی آواز کو نہ صرف سنجیدگی سے سنا جاتا ہے بلکہ اس پر اعتماد بھی کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ، موجودہ دور میں جب صحافت مختلف چیلنجز سے دوچار ہے، ایسے میں آپ جیسے مخلص، باوقار اور باصلاحیت مدیران کی موجودگی امید کی کرن ہے۔ آپ کی خدمات اردو صحافت کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ۔

اللہ ربُّ العزت سے دعا ہے کہ وہ جناب عبدالجبار علیمی نظامی صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ دراز عمر عطا فرمائے، ان کے قلم میں مزید تاثیر پیدا کرے، اور انہیں اسی طرح حق و صداقت کی خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین یارب العالمین۔ ✍ آفتاب عالم گوہر قادری واحدی

عزت مآب پروفیسر رفیع الدین ناصر قومی اعزاز یافتہ معلم

محترم و مکرمی
* جناب عبدالجبار علیمی * چیف ایڈیٹر، نیپال اردو ٹائمز، کھٹمنڈو
آداب و تسلیمات!
اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات سے امید ہے کہ آپ بمعہ جملہ وابستگان خیریت و عافیت سے ہوں گے۔
آج * نیپال اردو ٹائمز * کا شمارہ اردو اخبارات کے ایک گروپ میں دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس سے بے حد خوشی ہوئی۔ بارہ صفحات پر مشتمل اس خوبصورت اور معیاری اردو اخبار کو دیکھ کر دل مسرور ہو گیا۔ نیپال جیسے ملک سے آپ جس خلوص اور لگن کے ساتھ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہ واقعی قابلِ تحسین اور لائقِ ستائش ہے۔
اخبار میں خبروں کی بہترین کوریج دیکھنے کو ملی، جس میں مقامی، علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی خبروں کو نہایت سلیقے اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اداریہ حالاتِ حاضرہ کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح اصلاحِ معاشرہ سے متعلق منتخب مضامین بھی نہایت مفید اور فکر انگیز ہیں۔
اگرچہ آج کا شمارہ غالباً صحافتی ترتیب یا موضوعاتی انتخاب کے لحاظ سے مخصوص نوعیت کا تھا، تاہم اس میں ادبی مضامین، غزلیں اور نظمیں بھی بہت عمدگی سے شامل کی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ مذہبی معلومات اور دیگر عام فہم مضامین بھی شاملِ اشاعت ہیں، جو قارئین کے لیے نہایت مفید ہیں۔ یہ چونکہ ہمارا دیکھا ہوا یہ پہلا شمارہ ہے، اس لیے امید ہے کہ ہر شمارے میں مختلف موضوعات کا احاطہ کیا جاتا ہوگا۔ یقیناً کسی شمارے میں سائنسی موضوعات بھی شامل کیے جاتے ہوں گے۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو اردو زبان و ادب کے فروغ میں آپ کا کردار مزید نمایاں ہوگا۔ بہر حال، ہماری جانب سے اس کامیاب اشاعتی کاوش پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مزید کامیابیاں نصیب کرے۔
نیک تمناؤں کے ساتھ * پروفیسر رفیع الدین ناصر * قومی اعزاز یافتہ معلم اورنگ آباد، مہاراشٹر

غلام جیلانی قمر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: اردو دنیا کے علمی و ادبی حلقوں میں وہی ادارے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو معیار، سنجیدگی اور فکری بصیرت کو اپنا شعار بنائیں۔ نیپال اردو ٹائمز نے قلیل مدت میں اپنی متوازن، باوقار اور ذمہ دار صحافت کے ذریعے اہلِ ذوق کے مابین منفرد شناخت قائم کر لی ہے، جس کی بنیاد پر ادارہ علمی و ادبی حلقوں میں اعتماد و احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔
یہ امر قابلِ ستائش اور لائقِ تحسین ہے کہ نیپال اردو ٹائمز نوجوان علماء، فضلاء اور اہلِ ذوق کی علمی و فکری تحریروں کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کرتا ہے۔ نئی نسل کے قلم کاروں کی یہ حوصلہ افزائی نہ صرف علم و ادب کے فروغ کا ذریعہ ہے بلکہ اردو صحافت کے روشن مستقبل کی نوید بھی ہے۔ میں ادارے کی علمی بصیرت، کارکنان کی جاں فشانی اور اس کی گراں قدر خدمات کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس جریدے کو مزید ترقی، مقبولیت اور دوام عطا فرمائے، اور اسے حق و صداقت کی توانا آواز بنائے رکھے۔ باری تعالیٰ آپ تمام حضرات کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔
غلام جیلانی قمر یکم مئی ۲۰۲۶

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سیاہی سے لکھی ہوئی دعا

** نیپال اردو ٹائمز کے ۱۰۰ شماروں کی داستان **

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رات کا آخری پہر تھا... شہر سو چکا تھا۔ گلیاں خاموش تھیں، گھروں کے چراغ بجھ چکے تھے، مگر ایک کھڑکی اب بھی روشن تھی۔ وہ روشنی کسی بلب کی نہیں تھی...

وہ ایک عزم کی روشنی تھی۔ میز پر کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہی کی بوتل آدھی خالی ہو چکی تھی۔ قلم کی نوک تھک چکی تھی، مگر ہاتھ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ کیونکہ بعض قلم صرف لکھتے نہیں...وہ تاریخ رقم کرتے ہیں۔ یہ قلم حضرت مفتی محمد رضا قادری مصباحی نقشبندی مجددی صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ دو سال قبل اسی قلم نے صرف ایک اخبار کا آغاز نہیں کیا تھا، بلکہ ایک خواب کو جنم دیا تھا۔ ایک ایسا خواب... جس پر لوگوں نے ہنسا تھا۔ کسی نے کہا: "نیپال میں اردو اخبار؟ کون پڑھے گا؟" کسی نے کہا: "یہاں اردو کا مستقبل کہاں ہے؟" اور کسی نے تو شاید دل ہی دل میں یہ بھی سوچا ہو گا کہ یہ چراغ زیادہ دیر نہیں جل سکے گا۔ مگر وہ لوگ یہ بھول گئے تھے کہ... چراغ اپنی روشنی سے نہیں، اللہ کے حکم سے جلتا ہے۔ اور پھر ایک دن... "نیپال اردو ٹائمز" نے آنکھ کھولی۔ پہلا شمارہ جب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا تو وہ صرف چند صفحات کا مجموعہ نہیں تھا۔ وہ ایک پیاسے صحرا میں پہلی بارش تھی۔ وہ خاموش ہونٹوں کی آواز تھی۔ وہ اردو سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک امید تھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے جواب تھا جو کہتے تھے: "یہاں اردو کون پڑھتا ہے؟ وقت گزرتا گیا... کبھی وسائل کم پڑے، کبھی حالات نے آزمائش لی، کبھی تنقید کے تیر چلے، کبھی مایوسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر قلم نہیں رکا۔ جب ظلم نے سر اٹھایا، تو اس قلم نے خاموش رہنے سے انکار کر دیا۔ جب حق کو دبانے کی کوشش ہوئی، تو صفحات نے آواز بن کر پکارا۔ جب مسلکِ اعلیٰ حضرت پر حرف اٹھا، تو یہ اخبار صرف اخبار نہ رہا... ایک مضبوط حصار بن گیا۔ اور جب کسی ماں نے لرزتے ہاتھوں سے لکھا: "میرے بچے کو اردو سکھا دو..." تو ایسا محسوس ہوا جیسے حروف خود اس ماں کی گود میں جا بیٹھے ہوں۔ یہ اخبار محض کاغذ نہیں تھا۔ یہ ایک گھر تھا۔ ایک ایسا گھر... جس کی بنیاد اخلاص پر تھی، جس کی دیواریں محنت سے بنی تھیں، جس کی چھت دعاؤں سے قائم تھی، اور جس کی کھڑکیوں سے فکرِ رضا کی خوشبو آتی تھی۔ اس گھر کو مضبوط بنانے والے ہاتھوں میں دو نام ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔ حضرت مولانا عبد الجبار علیمی صاحب — چیف ایڈیٹر جن کی تحریر میں علم بھی تھا، درد بھی، بصیرت بھی اور حق گوئی بھی۔ حضرت مفتی کلام الدین نعمانی صاحب —نائب ایڈیٹر جو لفظوں کو یوں سنوارتے تھے جیسے کوئی زرگر قیمتی پتھر کو تراشتا ہے۔ یہ صرف عہدے نہیں تھے... یہ ذمہ داریاں تھیں۔ یہ امانتیں تھیں۔ یہ ایک مشن تھا۔ اور آج... نیپال اردو ٹائمز کا ۱۰۰واں شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ سو شمارے! سو بار امید کا چراغ جلانا۔ سو بار سچ کو آواز دینا۔ سو بار اردو کی خدمت کرنا۔ سو بار قلم کو تھام کر یہ کہنا: ہم ابھی زندہ ہیں... ہماری زبان ابھی زندہ ہے... ہماری فکر ابھی زندہ ہے... کاغذ کے کنارے شاید مڑ گئے ہوں گے، مگر حوصلے نہیں مڑے۔ سیاہی شاید کم ہوئی ہو، مگر عزم کم نہیں ہوا۔ وقت نے اب ایک نئی ذمہ داری سامنے رکھ دی ہے۔ وہ کہتا ہے: "اب صرف کاغذ پر نہیں، اسکرینوں پر بھی لکھو۔ نوجوانوں کے ہاتھوں میں موبائل ہے، انہیں قلم کا شعور دو۔ انگلیوں کو صرف اسکرول کرنے کے لیے نہیں، حق لکھنے کے لیے بھی استعمال کرو۔" اور پھر... جامعہ رضویہ للبنات کی بیٹیوں سے کہو: بیٹیو! یاد رکھنا... سیاہی صرف سیاہی نہیں ہوتی۔ کبھی یہی سیاہی قوموں کی تقدیر بدل دیتی ہے۔ کبھی یہی قلم ظالم کے ایوانوں کو ہلا دیتا ہے۔ کبھی یہی حروف کسی یتیم کے آنسو پونچھتے ہیں۔ اور کبھی... ایک چھوٹا سا اخبار پوری نسل کو اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنے ایمان سے جوڑ دیتا ہے۔ آج عظیم الدین رضوی قلم اٹھاتے ہیں۔ ہاتھ شاید تھکا ہوا ہے... مگر دل نہیں۔ آنکھوں میں شاید نمی ہے... مگر ارادے میں کمزوری نہیں۔ وہ ۱۰۰ویں شمارے کے آخری صفحے پر لکھتے ہیں: "یا اللہ! ہم نے سو منزلیں طے کر لی ہیں، اب ہزار منزلوں کا سفر باقی ہے۔ ہمیں شہرت نہیں چاہیے، ہمیں دنیا کی واہ واہ نہیں چاہیے، ہمیں صرف اتنی توفیق دے کہ جب حق کو آواز کی ضرورت ہو، تو ہمارا قلم خاموش نہ ہو۔ جب مظلوم کو سہارا چاہیے، تو ہمارے الفاظ اس کے ساتھ کھڑے ہوں۔ جب اردو کو چراغ کی ضرورت ہو، تو ہماری سیاہی روشنی بن جائے۔ اور جب تک دنیا میں ظلم کی ایک بھی آہ باقی ہے، مظلوم کی ایک بھی سسکی باقی ہے، حق کی ایک بھی آواز باقی ہے... اے اللہ! اس قلم کو تھکنے نہ دینا۔ آمین ثم آمین۔ آج نیپال اردو ٹائمز کا ۱۰۰واں شمارہ صرف ایک عدد نہیں... یہ سو قدموں کی داستان ہے۔ یہ سو دعاؤں کی قبولیت ہے۔ یہ سو بار شکست کے باوجود دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے کا نام ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ: جو کام اخلاص سے شروع کیا جائے، اللہ اسے راستے عطا کر دیتا ہے۔ چراغ جلتا رہے... حروف سانس لیتے رہیں... قلم چلتا رہے... اور تاریخ اپنے سنہری اوراق پر یہ جملہ ہمیشہ کے لیے لکھ دے: "ایک بار ایک قلم نے کہا تھا: میں حق کے لیے اٹھوں گا... اور پھر... وہ قلم واقعی اٹھ کھڑا ہوا۔ نیپال اردو ٹائمز کے ۱۰۰ویں شمارے پر تمام معاونین، مددگاروں، مدیران، قارئین اور محبین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ اس علمی و ادبی سفر کو قبول فرمائے، اسے دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اور اس سے وابستہ تمام مخلصین، خصوصاً بانی و مہتمم، چیف ایڈیٹر، نائب ایڈیٹر اور تمام معاونین و مددگاروں کو صحت، سلامتی، اخلاص اور استقامت عطا فرمائے۔ یا اللہ! اس قلم کو اپنی امان میں رکھ، اس اخبار کو اپنی حفاظت میں رکھ، اور اس مشن کو قیامت تک خیر کا ذریعہ بنا۔ آمین یارب العالمین۔

کلماتِ خیر

نیپال اردو ٹائمز

ملک عزیز نیپال میں بے شمار زبانیں لکھی پڑھی بولی جاتی ہیں لیکن سب سے زیادہ اہمیت و خصوصیت راشٹریہ زبان نیپالی زبان کو حاصل ہے۔ تقریباً نیپال کے سارے کاغذی و سرکاری امور نیپالی زبان ہی انجام دیئے جاتے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کی جمیع خبریں بھی راشٹریہ زبان میں ہی نشر کی جاتی ہیں اس ملک نیپال میں نکلنے والے سارے جرائد و اخبار بھی نیپالی زبان ہی کے اسیر ہیں نیز صدیوں سے ہر قسم کی خبریں و اطلاعات نیپالی ناگرکوں کو دی جارہی ہیں۔ لیکن چند سالوں میں علماء فاؤنڈیشن نیپال نے بہت سارے حیرت انگیز کاموں کو انجام دیا ہے اور سماجی، فلاحی و دینی خدمات میں نمایاں خصوصیت حاصل کیا ہے خاص طور پر آب زر سے لکھنے کے لائق غیر معمولی اہمیت کا حامل اُردو نیپال اردو ٹائمز کے نام سے تقریباً سو ہفتوں سے مسلسل اخبار شائع کرنے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے اور شائقین اخبار کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز بلا شبہ اپنی معتبر و معتمد خبروں کی نشرو اشاعت کی وجہ سے ملک وبیرون ملک میں بھی اپنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے

اور ہزاروں علماء فضلاء ادباء اور ماہر صحافیوں و دانشوروں کی دادو تحسین بھی حاصل کر چکا ہے خاص طور پر نیپال جیسے غیر تعلیم یافتہ ملک میں ایک روشنی و چراغ دکھلانے کا کام کیا ہے

اس نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر ماہر زبان و قلم فخر صحافت حضرت علامہ عبد الجبار علیمی صاحب قبلہ نے مسلسل اپنی شب وروز کی کاوشوں سے نیپال اردو ٹائمز کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا ہے اور انکے رفقاء نے بھی کافی محنت ولگن کے ساتھ نیپال اردو ٹائمز کو سنوارا ہے اور اسے معتبر معتمد اخبار کی فہرست میں شامل کرایا ہے

رب قدیر یوں ہی صبح قیامت تک نیپال اردو ٹائمز کو مثل شمس چمکتا دمکتا رکھے اور علماء فاؤنڈیشن نیپال کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

ہم کو مذہب میں بانٹتے وہ رہے
اور نفرت کے بیج بوتے گئے
پیار ، یکجہتی امن کو چھوڑے
ظلم کے ہرسو شعلے بھڑکائے
لاٹھیوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا
درد سہہ کر کسی نے اف نہ کہا
نعرۂ حق سدا بلند کیا
جس کو دنیا نے غور سے ہے سنا
تخت جمہوریت پہ جاہل ہے
جھوٹے لوگوں میں جج بھی شامل ہے
اونچی مسند پہ بیٹھا ظالم ہے
اور مظلوم ہرسو عالم ہے
چاک دامن پھٹا گریباں ہے
مال و زر لیڈروں کا ایماں ہے
جھوٹ مکاری گھر کا ساماں ہے
ان کی بربادیوں کا امکاں ہے
حوصلوں ہمتوں نے پالا ہے
ہر جواں کا ضمیر زندہ ہے
ان کا عوام سے ہی رشتہ ہے
اور علم و ہنر کا رستہ ہے
کوئی دکھ درد نہ ہی رونا ہے
اب تو ہر پل خوشی سے جینا ہے
ہر جواں قیمتی نگینہ ہے
حق کی خاطر ہی جینا مرنا ہے

ایم. ریحانہ پروین ناہید،
اکیڈمیک کنسلٹنٹ، شعبہ اردو، یوگی ویمنا
یونیورسٹی، کڈپہ، آندھرا پردیش

۱۰۰واں شمارے کے شائع ہونے پر چیف ایڈیٹر اور جملہ ادارتی ٹیم کو مبارک باد

✍ محمد حسن علیمی

خادم مدرسہ عربیہ قمر العلوم، پالہی نندن ۴ لہرولی، نول پراسی نیپال۔

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، أما بعد:

صحافت کسی بھی معاشرے کی فکری، سماجی اور اخلاقی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ ایک ذمہ دار اخبار نہ صرف عوام کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھتا ہے بلکہ ان کی فکری تربیت، دینی شعور اور قومی یکجہتی کے فروغ میں بھی نمایاں حصہ لیتا ہے۔ ایسے ہی اخبارات میں "نیپال اردو ٹائمز" کا شمار ہوتا ہے، جو اپنے معیاری مواد، سنجیدہ اسلوب اور متوازن صحافتی طرزِ عمل کی وجہ سے قارئین میں ایک قابلِ احترام مقام رکھتا ہے۔

کسی بھی اخبار کی کامیابی کے پسِ منظر میں اس کے چیف ایڈیٹر کی بصیرت، دیانت، فکری وسعت اور ادارتی حکمتِ عملی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک کامیاب چیف ایڈیٹر صرف خبریں مرتب نہیں کرتا بلکہ ادارے کی فکری سمت کا تعین بھی کرتا ہے۔ اگر چیف ایڈیٹر دیانت دار، حق گو اور ذمہ دار ہو تو اس کی مثبت سوچ پورے اخبار کے معیار میں نمایاں نظر آتی ہے۔

نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا عبد الجبار علیمی کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ ان کی ادارت میں اخبار نے خبروں کی صحت، زبان و بیان کی شائستگی اور عوامی مسائل کی ترجمانی کو اہمیت دی ہے۔ ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے کہ اخبار محض خبروں کا مجموعہ نہ رہے بلکہ ایک فکری، علمی اور اخلاقی رہنما بھی بنے۔ اداریے، تجزیے اور خصوصی مضامین میں سنجیدگی، اعتدال اور ذمہ داری کا پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے، جو کسی بھی معیاری صحافتی ادارے کی پہچان ہے۔

اس اخبار کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مختلف موضوعات پر متوازن انداز میں مواد شائع کیا جاتا ہے۔ قومی و بین الاقوامی خبریں، سماجی مسائل، تعلیمی موضوعات، ادبی مضامین، مذہبی رہنمائی اور عوامی مفاد سے متعلق تحریریں قارئین کے لیے معلومات اور شعور کا ذریعہ بنتی ہیں۔ صاف، سادہ اور شائستہ اُردو زبان کا استعمال اس کی ادبی وقعت میں اضافہ کرتا ہے۔

صحافت کی اصل روح سچائی، امانت داری اور غیر جانب داری ہے۔ ایک کامیاب اخبار وہی ہے جو تحقیق، دیانت اور ذمہ داری کو اپنی پہچان بنائے۔ اس اعتبار سے توقع کی جاتی ہے کہ اُردو ٹائمز آئندہ بھی حقائق پر مبنی صحافت، اخلاقی اقدار کے فروغ، نوجوان نسل کی فکری تربیت اور معاشرے میں مثبت سوچ پیدا کرنے کے اپنے مشن کو مزید مضبوط بنائے گا۔

آخر میں، نیپال اُردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر، ادارتی ٹیم، رپورٹرز اور تمام کارکنان کو ان کی خدمات پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق و صداقت پر قائم رہنے، عوام کی صحیح رہنمائی کرنے اور صحافت کو خدمتِ خلق اور اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنانے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

اظہار حقیقت

اظہارِ خیال کے مختلف ذرائع میں تحریر کو ہمیشہ ایک مرکزی اور مؤثر حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کی تاثیر صرف حال تک محدود نہیں رہتی بلکہ مستقبل میں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ تاہم تحریر کی مؤثر ترسیل کے لیے ایک منظم، باوقار اور ذمہ دار پلیٹ فارم ناگزیر ہوتا ہے، جہاں سماجی، معاشرتی، اقتصادی، عائلی، ملی اور شرعی مسائل کو صحیح انداز میں پیش کیا جا سکے۔

اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مؤرخِ نیپال حضرت علامہ مفتی محمد رضا مصباحی نقشبندی نے بالخصوص نیپال اور اس کے سرحدی علاقوں، اور بالعموم عالمِ اسلام کے لیے "نیپال اردو ٹائمز" کی صورت میں ایک ایسے مؤثر پلیٹ فارم کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد سماجی، معاشرتی، اقتصادی، عائلی، ملی اور شرعی مسائل کی درست ترجمانی اور ان کی مؤثر ترسیل کو یقینی بنانا ہے۔

الحمد للہ! اپنے یومِ تاسیس سے لے کر آج تک یہ ادارہ پوری ذمہ داری، دیانت داری، حسنِ انتظام اور صحافتی وقار کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا چلا آرہا ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسی عزم، استقامت اور خلوص کے ساتھ اپنی علمی، فکری اور ملی خدمات کا سفر جاری رکھے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ ۳۰ جولائی، بروز جمعرات، ۲۰۲۶ء کو "نیپال اردو ٹائمز" کا سوواں شمارہ منظرِ عام پر آنے جارہا ہے، جو اس کے صحافتی سفر کا ایک اہم اور قابلِ فخر سنگِ میل ہے۔

اس ادارے کو اس مقام تک پہنچانے میں اربابِ قرطاس و قلم کی مخلصانہ کاوشیں شامل رہی ہیں، خصوصاً حضرت علامہ عبد الجبار علیمی چیف ایڈیٹر، حضرت علامہ مفتی کلام الدین نعمانی نائب ایڈیٹر اور معاون ایڈیٹر مولانا سراقہ حسن رضوی کی مسلسل جدوجہد، علمی معاونت اور اخلاص قابلِ تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے علم و قلم میں مزید برکتیں نازل فرمائے، اور "نیپال اردو ٹائمز" کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مزید مفید، مؤثر اور بابرکت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ابو الامجد محمد ظاہر حسین مصباحی۔ نوناہی، سیتامڑھی بہار

"ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" کا سوواں شمارہ، اردو صحافت کا ایک درخشاں سنگِ میل

از قلم محمد مجیب قادری حنفی العرابی
خادم دار الافتاء البرکات فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

قارئین کرام، صحافت محض خبروں کی ترسیل کا نام نہیں، بلکہ یہ قوموں کی فکری، علمی اور تہذیبی زندگی کا آئینہ دار اور زبان و ادب کی بقا و ارتقا کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ایک باوقار صحافتی ادارہ نہ صرف حالاتِ حاضرہ سے آگاہ کرتا ہے بلکہ معاشرے میں شعور، اعتدالِ فکر اور حق گوئی کی روایت کو بھی فروغ دیتا ہے۔ خصوصاً اردو صحافت، جس نے ہر دور میں علم و ادب، دینی اقدار اور قومی شعور کی آبیاری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، آج بھی اہلِ قلم کی امانت اور قوم کی فکری رہنمائی کا اہم وسیلہ ہے۔

موجودہ پُرآشوب دور میں کسی ہفت روزہ اخبار کا مسلسل، باقاعدگی اور استقامت کے ساتھ شائع ہوتے رہنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بے شمار اخبارات و رسائل بڑی شان سے منظرِ عام پر آئے، مگر وسائل کی قلت، نامساعد حالات اور دیگر مشکلات کے باعث زیادہ عرصہ اپنی اشاعت برقرار نہ رکھ سکے۔

ایسے حالات میں نیپال کی سرزمین سے "ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" کا مسلسل سو (۱۰۰) شمارے مکمل کرنا اور اس تاریخی موقع پر خصوصی ضمیمہ شائع کرنا بلا شبہ اردو صحافت کے لیے ایک قابلِ فخر کامیابی اور یادگار سنگِ میل ہے۔ یہ صرف ایک عددی ہدف کی تکمیل نہیں بلکہ عزمِ مسلسل، استقامت، دیانتِ صحافت اور اردو زبان و ادب سے بے لوث وابستگی کی روشن علامت ہے۔

اس کامیابی کے پس منظر میں اس ہفت روزہ کے سرپرستِ اعلیٰ، مورخِ نیپال حضرت حافظ و قاری مفتی محمد رضا نقشبندی قادری مصباحی صاحب قبلہ مدرس الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، اترپردیش، انڈیا کی علمی، تحقیقی اور فکری سرپرستی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی رہنمائی اور سرپرستی نے اس ادارے کو ایک مضبوط علمی و صحافتی سمت عطا کی ہے۔

اسی طرح ادارۂ نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر جناب عبد الجبار علیمی صاحب، نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی صاحب، معاون ایڈیٹر محمد حسن سراقہ رضوی صاحب، مشیر اعلیٰ حضرت علامہ نور محمد خالد مصباحی صاحب اور ادارتی بورڈ کے تمام اراکین، کالم نگاروں، قلمکاروں اور معاونین کی مخلصانہ محنت، مستقل مزاجی اور خلوصِ نیت اس کامیابی کی حقیقی بنیاد ہیں۔ یقیناً ان حضرات کی شبانہ روز کاوشوں ہی کا ثمرہ ہے کہ آج "ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" نے نیپال کی اردو صحافت میں ایک نمایاں اور باوقار مقام حاصل کیا ہے۔

یہ ہفت روزہ درحقیقت نیپال اور بیرونِ نیپال کے تمام اہلِ علم، علماء، ادباء، شعراء، محققین، دانشوروں اور سنجیدہ قارئین کا مشترکہ علمی و ادبی سرمایہ ہے۔ میری تمام اہلِ قلم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ اس معیاری صحافتی سفر میں اپنا بھرپور علمی تعاون جاری رکھیں، اپنے تحقیقی مضامین، فکر انگیز مقالات، اصلاحی کالم، ادبی تخلیقات اور مفید تجاویز کے ذریعے اس ادارے کو مزید مستحکم اور مؤثر بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

میں اس تاریخی موقع پر سرپرستِ اعلیٰ، پوری ادارتی ٹیم، انتظامیہ، تمام قلمکاروں، معاونین، قارئین اور وابستگانِ "ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز" کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ہفت روزہ کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس کی علمی و صحافتی خدمات کو مزید وسعت بخشے، اسے حق و صداقت کا مؤثر ترجمان بنائے اور اس کے ذمہ داران و معاونین کی تمام کوششوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

دعا گو و خیر خواہ
از قلم محمد مجیب قادری حنفی العرابی خادم دار الافتاء البرکات فاؤنڈیشن
ضلع سراہا، نیپال۔
وقتِ تحریر:
۲۶ جولائی ۲۰۲۶ء، بروز اتوار
رات ۰۵:۰۱ بجے (حجاز مقدس سعودی عرب۔)

(سوواں چراغ، سو اجالے)

نیپال اردو ٹائمز: خدمتِ اردو کا درخشاں سنگِ میل

راقم۔ محمد قمر الزماں علیمی یار علوی اشرفی ثنائی دار العلوم فیضانِ ملک العلماء
نرنکاری نگر گونڈی ممبئی

قلم جب اخلاص کی روشنائی میں ڈبویا جائے، فکر جب ملت کے درد سے آشنا ہو، اور صحافت جب مفاد کی نہیں بلکہ مقصد کی امین بن جائے، تو پھر وقت اس کی سطروں کو محض کاغذ پر نہیں، تاریخ کے اوراق پر ثبت کرتا ہے۔ نیپال اردو ٹائمز کا سوواں شمارہ اسی تابندہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ خلوص، استقامت اور اعلیٰ مقصد کے سامنے وسائل کی قلت بھی سرنگوں ہو جاتی ہے۔

نیپال جیسی سرزمین، جہاں اردو زبان کا دائرۂ استعمال محدود سمجھا جاتا ہے، وہاں مسلسل سو شماروں تک ایک معیاری، باوقار اور زندہ اردو جریدے کی اشاعت کسی معمولی کاوش کا نام نہیں، بلکہ یہ عشقِ اردو، شوقِ علم اور جذبۂ خدمت کی ایسی داستان ہے جسے آنے والی نسلیں احترام سے یاد کریں گی۔

اس کامیابی کے پس منظر میں اگر کسی شخصیت کا نام سب سے نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے تو وہ مدیرِ اعلیٰ، علامہ عبد الجبار علیمی ہیں، جنہوں نے صرف ایک اخبار کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ ایک فکری تحریک کو جنم دیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ صحافت محض خبر رسانی نہیں، بلکہ قوموں کی فکری تعمیر، زبان کی حفاظت اور تہذیب کی آبیاری کا مؤثر ترین ذریعہ بھی ہے۔

علامہ عبد الجبار علیمی نے نیپال اردو ٹائمز کو اختلافات کی آماجگاہ بنانے کے بجائے اتحاد، اعتدال، ادب، تحقیق، دینی شعور اور تہذیبی اقدار کا ترجمان بنایا۔ ان کی ادارت میں یہ جریدہ اہلِ قلم کے لیے ایک معتبر پلیٹ فارم اور قارئین کے لیے علم و ادب کا قابلِ اعتماد سرچشمہ بن گیا۔

یہ حقیقت بھی لائقِ اعتراف ہے کہ کوئی ادارہ ایک فرد کے سہارے منزل تک نہیں پہنچتا۔ اس کے پیچھے ایک خاموش مگر مخلص قافلہ ہوتا ہے، جو نام و نمود سے بے نیاز ہو کر خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ نیپال اردو ٹائمز کے معاون مدیران، لکھاری، نامہ نگار، پروف ریڈر، ڈیزائنرز اور تمام کارکنان اس مبارک سفر کے وہ گمنام معمار ہیں جن کی محنت نے اس ادارے کو استحکام بخشا۔ یہ سوواں شمارہ دراصل ان تمام نفوسِ قدسیہ کی اجتماعی ریاضت کا ثمرہ ہے۔

اردو صحافت کی تاریخ میں بہت سے رسائل و جرائد وقت کی گرد میں گم ہو گئے، مگر وہی ادارے باقی رہے جنہوں نے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ نیپال اردو ٹائمز نے بھی ثابت کیا کہ معیار، دیانت اور تسلسل ہی کسی صحافتی ادارے کی اصل پہچان ہیں۔

سوواں شمارہ دراصل اختتام نہیں بلکہ ایک نئے سفر کی ابتدا ہے۔ یہ اس عزم کی تجدید ہے کہ اردو زبان کی شمع مزید فروزاں ہو گی، اہلِ قلم کو نئے افق میسر آئیں گے، اور نیپال کی سرزمین سے اردو ادب کی خوشبو مزید دور تک پھیلے گی۔ ہم مدیرِ اعلیٰ علامہ عبد الجبار علیمی، ان کے تمام معاونین، قلم کاروں، خیر خواہوں اور قارئین کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ وہ اس ادارے کو مزید ترقی، وقار، قبولیت اور دوام عطا فرمائے۔ نیپال اردو ٹائمز کا یہ سوواں شمارہ صرف ایک عدد نہیں، بلکہ سو خوابوں کی تعبیر، سو چراغوں کی روشنی اور سو منزلوں کی نوید ہے۔ اللہ کرے کہ یہ قافلہ اسی عزم، اسی وقار اور اسی اخلاص کے ساتھ صدیوں تک علم و ادب کے افق کو منور کرتا رہے۔ آمین۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

خصوصی شمارہ

31/جولائی 2026 مطابق 15/صفر المظفر 1448ھ /15 گتے ساون 2083

غزل

لکھ دے مری وفا کو بھی مری ادا کے ساتھ
میرا نصیب جُڑ گیا تیری رضا کے ساتھ

جلتا رہا ہوں عمر بھر اک سچ کی آگ میں
رکھنا مرا چراغ بھی ٹوٹے دیا کے ساتھ

کچھ زخم وقت نے بھی دیے امتحان میں
کچھ تو سکون بھی ملا دل کی صدا کے ساتھ

وہ مسکرا کے چھوڑ گیا دل کو اس طرح
جیسے کوئی جدا ہو بہت سی ادا کے ساتھ

ہاتھوں پہ رنگِ عشق بھی چمکے گا بالیقیں
سرخی میرے لہو کی ملا لو حنا کے ساتھ

دل نے کہا کہ صبر کو سینے میں باندھ لے
ہونٹوں پہ مسکراں ہی رہی بے وفا کے ساتھ

وہ جب ملا تو خوف بھی سمٹا ہوا ملا
اک اجنبی سا قرب تھا اس آشن-ا کے ساتھ

فیصل یہی ہنر ہے غزل کے مزاج میں
لکھ دو جو دل میں آئے مگر التجا کے ساتھ

از قلم محمد فیضان فیصل
جمال نگر سہرسہ بہار انڈیا
۷۵۴۵۸۶۶۲۵۷

دینی اداروں کا تحفظ: وقت کی اہم ترین قومی، ملی اور دینی ذمہ داری

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفی سہلاؤ شریف، گرڈیا، ضلع: باڑمیر (راجستھان)

ملتِ اسلامیہ کی علمی، دینی، اخلاقی اور تہذیبی شناخت کا سب سے مضبوط ستون مدارس، مساجد اور خانقاہیں ہیں۔ یہی وہ مبارک مراکز ہیں جہاں قرآنِ کریم کی تعلیم عام ہوتی ہے، سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی دلوں کو منور کرتی ہے، عقیدہ و عمل کی اصلاح ہوتی ہے، اخلاق و کردار کی تعمیر کی جاتی ہے، روحانی تربیت کا اہتمام ہوتا ہے اور خدمتِ خلق کے جذبات کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ صدیوں سے یہی ادارے معاشرے میں امن، اخوت، اعتدال، رواداری، خیر خواہی اور حسنِ اخلاق کے فروغ کا مؤثر ذریعہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کا وجود صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے خیر، امن اور استحکام کی علامت ہے۔

موجودہ حالات ہم سب سے غیر معمولی سنجیدگی، بصیرت، دور اندیشی اور باہمی اتحاد کا تقاضا کرتے ہیں۔ خصوصاً سرحدی اور حساس علاقوں میں واقع مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے حوالے سے مختلف نوعیت کے مسائل اور چیلنجز سامنے آرہے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں محض جذباتی ردِ عمل یا وقتی جوش سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ حکمت، آئینی شعور، قانونی بصیرت، منظم منصوبہ بندی اور اجتماعی تدبر ہی کامیابی کی ضمانت بن سکتے ہیں۔

یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مدارس، مساجد اور خانقاہوں کا تحفظ صرف چند عمارتوں، زمینوں یا جائیدادوں کی حفاظت کا نام نہیں بلکہ یہ ہماری دینی شناخت، علمی سرمایہ، تہذیبی وراثت، ملی شعور اور آئندہ نسلوں کے فکری مستقبل کے تحفظ کا معاملہ ہے۔ اگر یہ ادارے مضبوط، منظم اور باوقار رہیں گے تو امت کا دینی تشخص بھی محفوظ رہے گا اور معاشرے میں اخلاقی اقدار بھی مستحکم ہوں گی۔

آج کے دور میں کسی بھی دینی ادارے کی اصل طاقت صرف اس کی قدامت، شہرت یا عوامی مقبولیت نہیں بلکہ اس کا مضبوط انتظام، شفاف مالی نظام، قانونی استحکام، اعلیٰ تعلیمی معیار، منظم ریکارڈ، سماجی خدمات اور عوام کا غیر متزلزل اعتماد ہے۔

اس لیے ہر مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کو اپنے انتظامی، تعلیمی اور قانونی نظام کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہر ادارے کے تمام قانونی کاغذات، رجسٹری، وقف نامے، ملکیت کے ریکارڈ، نقشے، سرکاری دستاویزات اور دیگر ضروری فائلیں مکمل، محفوظ اور ہر وقت تازہ رکھی جائیں۔ موجودہ ڈیجیٹل دور میں ان تمام ریکارڈز کی الیکٹرانک کاپیاں بھی محفوظ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں ادارے کے حقوق کا مؤثر تحفظ کیا جاسکے۔ اگر کسی معاملے میں قانونی پیچیدگی پیدا ہو تو جذباتی فیصلوں یا غیر ذمہ دارانہ اقدامات کے بجائے مستند قانونی ماہرین اور اہلِ علم سے مشورہ کیا جائے اور ہر قدم مکمل طور پر آئین و قانون کے دائرے میں رہ کر اٹھایا جائے۔ قانون کی پاسداری نہ صرف ایک شہری ذمہ داری ہے بلکہ اسلامی تعلیمات بھی عدل، نظم اور ذمہ داری کا درس دیتی ہیں۔

اسی طرح مقامی انتظامیہ، سرکاری اداروں، سماجی نمائندوں اور بااثر افراد کے ساتھ خوشگوار، باوقار اور تعمیری روابط قائم رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ مسلسل رابطہ، باہمی اعتماد اور مثبت مکالمہ بہت سے مسائل کو جنم لینے سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے اور اداروں کے وقار میں اضافہ کرتا ہے۔

دینی اداروں کو اپنی داخلی اصلاح پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ تعلیمی معیار میں بہتری، نظم و ضبط کی مضبوطی، صفائی داریوں سے پوری طرح واقف رہیں۔

آج کا دور انتشار کا نہیں بلکہ اتحاد کا ہے۔ تمام دینی، تعلیمی اور سماجی اداروں کو علاقائی، جماعتی اور شخصی اختلافات سے بالاتر ہو کر مشترکہ دینی و ملی مفادات کے لیے تعاون، مشاورت اور باہمی اعتماد کو فروغ دینا چاہیے۔ منتشر قوتیں ہمیشہ کمزور ہوتی ہیں، جبکہ متحد قومیں ہر آزمائش کا مقابلہ صبر، حکمت اور ثابت قدمی کے ساتھ کرتی ہیں۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مدارس، مساجد اور خانقاہوں کی اصل طاقت ان کی بلند و بالا عمارتیں نہیں بلکہ ان کا اخلاص، کردار، علم، خدمتِ دین، خدمتِ انسانیت، عوامی اعتماد، شفافیت، حسنِ انتظام اور قانون کی مکمل پاسداری ہے۔ جب یہ تمام اوصاف کسی ادارے میں جمع ہو جائیں تو اس کا وقار بھی محفوظ رہتا ہے، اس کی ساکھ بھی مضبوط ہوتی ہے اور اس کا مستقبل بھی روشن ہو جاتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جذبات کے بجائے حکمت، اختلاف کے بجائے اتحاد، تصادم کے بجائے مکالمہ، انتشار کے بجائے تنظیم، اور بے ترتیبی کے بجائے منظم منصوبہ بندی کو اختیار کریں۔ اگر ہم اپنے دینی اداروں کو علمی، اخلاقی، انتظامی، قانونی اور سماجی ہر اعتبار سے مضبوط بنا دیں تو ان شاء اللہ یہ عظیم مراکز آئندہ نسلوں کے لیے بھی ہدایت، اصلاح، علم، امن اور خیر کا روشن مینار بنے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام مدارس، مساجد، خانقاہوں اور دینی اداروں کی ہر قسم کے فتنوں اور آفات سے حفاظت فرمائے، ان کے ذمہ داران کو حکمت، بصیرت، اخلاص، دیانت اور استقامت عطا فرمائے، ہمارے وطن میں امن، عدل، قانون کی بالادستی، باہمی احترام اور بھائی چارے کو فروغ دے، اور ہمیں اپنی دینی، ملی اور قومی امانتوں کی صحیح معنوں میں حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین (ﷺ)

پیغمبر اعظم ﷺ کی زندگی کامل نمونہ، ہر زمانے کے لئے رہنمائی ہے

آج کی دنیا بظاہر ترقی یافتہ مگر باطن میں بے چین ہے۔ سائنس نے فاصلوں کو مٹا دیا مگر دلوں میں دوریاں بڑھا دی ہیں۔ تعلیم عام ہوئی مگر تربیت ناپید، دولت بڑھی مگر سکون کم ہو گیا۔ ایسے میں انسانیت کو جس رہنما، جس نجات دہندہ، اور جس رحمت کی ضرورت ہے، وہ صرف محمدِ عربی ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے — جن کی حیاتِ طیبہ عقل و وحی، عدل و رحمت، علم و عمل کا حسین امتزاج ہے۔

اقبال نے فرمایا:

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

سیرتِ نبوی ﷺ: انسانیت کے لیے کامل نمونہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) ترجمہ کنزالعرفان "یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔"

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّد المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرت میں پیروی کیلئے بہترین طریقہ موجود ہے جس کا حق یہ ہے کہ اس کی اقتدا اور پیروی کی جائے، جیسے غزوہِ خندق کے موقع پر جن سنگین حالات کا سامنا تھا کہ کفارِ عرب اپنی بھرپور افرادی اور حَربی قوت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے اچانک نکل پڑے تھے اور ان کے حملے کو پَسپا کرنے کے لئے جس تیاری کی ضرورت تھی اس کے لئے مسلمانوں کے پاس وقت بہت کم تھا، اور افرادی قوت بھی اس کے مطابق نہ تھی، خوارک کی اتنی قلت ہوگئی کہ کئی، کئی دن فاقہ کرنا پڑتا تھا، پھر عین وقت پر مدینہ منورہ کے یہودیوں نے دوستی کا معاہدہ توڑ دیا اور ان کی غداری کی وجہ سے حالات مزید سنگین ہو گئے، ایسے ہو شُربا حالات میں تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی کیسی شاندار سیرت پیش فرمائی کہ قدم قدم پر اپنے جانثار صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ ساتھ موجود رہیں۔ اور اسی طرح جب خندق کھودنے کا موقع آیا تو اس کی کھدائی میں خود بھی شرکت فرمائی، چٹانوں کو توڑا اور مٹی کو اٹھا اٹھا کر باہر پھینکا، جب خوراک کی قلت ہوئی، تو دوسرے مجاہدین کی طرح خود بھی فاقہ کشی برداشت فرمائی، اور اس دوران اگر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے فاقے کی تکلیف سے پیٹ پر ایک پتھر باندھا تو سیّد العالمین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مبارک شکم پر دو پتھر بندھے ہوئے نظر آئے۔ (ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نہ صرف عبادت کا سلیقہ سکھایا بلکہ انسان بننے کا ہنر بھی دیا۔

مثلاً — حکومت کیسی ہو، تجارت کیسی ہو، تعلیم کیسی ہو — ہر گوشۂ حیات میں آپ ﷺ کی سیرت نور کا مینار ہے۔

جیسا کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات انکا لائف اسٹائل، طرز زندگی اپنے آپ میں ایک مثال ہے، لیکن اگر ہم صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انہوں نے سیّد المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہونے کو اپنی زندگی کا اوّلین مقصد بنایا ہوا تھا اور ان کے نزدیک تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے اَقوال، اَفعال اور اَحوال کی پیروی کرنے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ چیز اور کوئی نہ تھی، یہاں اسی سے متعلق صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے چند واقعے کو پیش کرنے کی سعی کرتا ہوں، قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں (۱) پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سفر جہاد میں کسی منزل پر قیام فرماتے تھے تو ادھر ادھر پھیل جاتے تھے، ایک بار آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ یہ مُتَفَرِّق ہونا شیطان کا کام ہے۔ اُس کے بعد صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اس کی اس شدت سے پابندی کی کہ جب بھی منزل پر اترتے تھے تو اس قدر سمٹ جاتے تھے، کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اس کے نیچے آجاتے۔

(۲) حضرت حمران بن ابان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں: ہم حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس تھے، آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور جب وضو کر کے فارغ ہوئے تو مسکرائے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا؟ پھر (خود ہی جواب دیتے ہوئے) فرمایا: ”جس طرح میں نے وضو کیا اسی طرح رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے وضو فرمایا تھا اور اس کے بعد مسکرائے تھے۔ (صراط الجنان) مفتی قاسم صاحب (۳) حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے دریافت کیا کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے اور حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وفات شریف کس دن ہوئی؟ (بخاری، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنین، ۱ / ۴۶۸، الحدیث: ۱۳۸۷)

اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی آرزو تھی کہ کفن اور یومِ وفات میں حضورِ انور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مُوافقت ہو۔ زندگی میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی اتباع تو کرتے ہی تھے وہ وفات میں بھی آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہی کی اتباع چاہتے تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے۔" آج جب نسل پرستی، قوم پرستی اور طبقاتی تفریق نے دنیا کو توڑ دیا ہے، سیرتِ نبوی ﷺ ہمیں پھر ایک امتِ واحدہ بننے کا پیغام دیتی ہے۔ "امن و رحمت کا پیغام" رسولِ اکرم ﷺ کا لقب ہی "رحمۃٌ للعلمین" ہے۔ آپ ﷺ نے دشمنوں کے لیے بھی بددعا نہیں کی بلکہ رحمت بن کر آئے۔

فتح مکہ پر فرمایا: "جاؤ، تم سب آزاد ہو!" دنیا آج اگر جنگوں، تعصب اور انتقام سے بھری ہوئی ہے، تو نجات کا راستہ صرف یہی ہے کہ وہ رحمتِ عالم ﷺ کی تعلیماتِ عفو و محبت اپنائے۔

تعلیم و تربیت: امت کی بنیاد

پہلی وحی کا پہلا لفظ "اقرأ" (پڑھو) انسانیت کے لیے دائمی پیغامِ عام ہے۔ نبی ﷺ نے علم کو فرض قرار دیا اور فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"

محترم قارئین کرام یہ تعلیم ہی ہے، جو ہمیں بتاتی ہے کہ ترقی کا راز علم میں ہے، مگر وہ علم جو ایمان و اخلاق کے ساتھ ہو۔

حضور پُر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی زندگی ہر ایک کے لئے کامل نمونہ ہے: یاد رہے کہ عبادات، معاملات، اَخلاقیات، سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنے میں اور نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں، الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر پہلو کے اعتبار سے تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی اور سیرت میں ایک کامل نمونہ موجود ہے، لہٰذا ہر ایک کو اور بطورِ خاص مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اَقوال میں، اَفعال میں، اَخلاق میں، کردار میں، حتیٰ کہ اپنے دیگر احوال میں بھی سیّد المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک سیرت پر عمل پیرا ہوں اور اپنی زندگی کے تمام معمولات میں سیّد العالمین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی پیروی کریں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اپنی کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن" میں اس آیت (جو آیت اوپر گزر چکی ہے) پر بہت پیارا کلام فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکارِ ابد قرار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک ذات ہر درجے اور ہر مرتبے کے انسان کے لئے نمونہ ہے، جیسے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے توکّل کا حال یہ تھا کہ دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی، صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا، تو امت کے مَساکین کو چاہئے کہ ان مبارک حالات کو دیکھیں اور صبر سے کام لیں۔

اسی طرح جو سلطنت اور بادشاہت کی زندگی گزار رہا ہے، تو وہ ان حالات کا ملاحظہ کرے، کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، تمام وہ کفار سامنے حاضر ہیں، جنہوں نے بے انتہا تکلیفیں پہنچائی تھیں، آج موقع تھا، کہ ان تمام گستاخوں سے بدلہ لیا جائے مگر ہوا یہ کہ فتح فرماتے ہی عام معافی کا اعلان فرما دیا، کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے، جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو امن ہے، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امن ہے، الغرض، حضرت یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر دس بھائیوں نے چند گھنٹے ظلم و ستم کیا جس کے نتیجے میں ایک مختصر عرصے تک آپ آزمائشوں میں مبتلا رہے اور جب وہ حضرت یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سلطنت میں غلہ لینے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا: "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ" آج تم پر کوئی سختی نہ ہوگی، اللہ تمہاری مغفرت فرمادے۔

مگر حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا حال یہ ہے کہ آپ نے ۱۳ سال تک اپنے اوپر اہلِ مکہ کی سختیاں برداشت کیں، صحابہ کرام، اہلِ بیتِ عظام، ان کے گھر والے اور ان حضرات کی جان و مال، عزت و آبرو سب ہی خطرے میں رہے، اور آخر کار دیس کو چھوڑ کر پردیسی ہونا پڑا، مگر جب اپنا موقع آیا تو سب کو معاف فرما دیا، لہٰذا قیامت تک کے سَلاطین اس کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔

اسی طرح اگر کوئی مالداری اور خوشحالی کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو ان حالات کو ملاحظہ کرے کہ ایک شخص کے کھیت میں لمبی ککڑی پیدا ہوئی، تحفہ کے طور پر بارگاہ میں حاضر کی، تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس کے عِوض میں ایک لپ بھر سونا عنایت فرمایا۔ ایک بار بکریوں سے بھرا ہوا جنگل حضور پُر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ملکیت میں آیا، کسی نے عرض کی: یاحبیبَ اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، اب اللہ تعالیٰ نے حضور کو بہت ہی مالدار بنا دیا۔ ارشاد فرمایا: ”تو نے میری مالداری کیا دیکھی؟ عرض کی: اس قدر بکریاں ملکیت میں ہیں۔ ارشاد فرمایا: جا سب تجھ کو عطا فرمادیں۔ وہ اپنی قوم میں یہ مال لے کر پہنچے اور قوم والوں سے کہا: اے لوگو! ایمان لے آؤ، رب کی قسم! محمدٌ رَّسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِوَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اتنا دیتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں فرماتے۔ حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ایک بار اتنا دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے، لہٰذا مالدار یہ واقعات اپنے خیال میں رکھیں اور سنت مصطفی ﷺ کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔

اور اگر کسی کی زندگی اہل و عیال کی زندگی ہے، تو وہ یہ خیال کرے کہ میری تو ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ چار بیویاں ہیں اور کچھ اولاد مگر محبوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ۹ بیویاں ہیں، اولاد اور اولاد کی اولاد، غلام، لونڈیاں، مُتَوَسِّلین اور مہمانوں کا ہجوم ہے، پھر کس طرح ان سے برتاؤ فرمایا اور اسی کے ساتھ ساتھ کس طرح رب عَزَّوَجَلَّ کی یاد فرمائی۔

ایسے ہی اگر کوئی تارک الدنیا اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو غارِ حرا کی عبادت، وہاں کی ریاضت، دنیا کی بے رغبتی کو دیکھے۔ سیّد المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی قوت و طاقت کا یہ حال ہے کہ جنگِ حُنَین میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خچر پر تنہا رہ گئے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کفار نے خچر کو گھیر لیا، حضرت عباس اور ابو سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا باگ پکڑے ہوئے تھے، جب ملاحظہ فرمایا کہ کفار نے یلغار کی ہے تو خچر سے اترے اور فرمایا: ہم جھوٹے نبی نہیں ہیں، ہم عبد المطلب کے پوتے ہیں، اس پر کسی کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ سامنے ٹھہر جاتا۔

ابو رکانہ عرب کا مشہور پہلوان تھا، جو کبھی بھی کسی سے مغلوب نہ ہوتا تھا، حضور پُر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے تین بار اسے زمین پر دے مارا، وہ اسی پر حضور انور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا مداح بن گیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے رحم و کرم کا یہ حال کہ نہ کبھی کسی کو برا فرمایا نہ خادم یا اہلِ خانہ کو ہاتھ سے مارا (لہٰذا طاقت اور قوت رکھنے والے ان حالات پر غور کریں) غرض کہ ساری قومیں (اور ہر مرتبے کے انسان سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ذات مبارک کو) اپنے لئے نمونہ بنا کر دنیا میں آرام اور ہدایت سے رہ سکتے ہیں۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص ۱۶۰-۱۵۸، ملخصًا)

پورے کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیرتِ نبوی ﷺ ہر عہد، ہر قوم، ہر ذہن اور ہر مکتبِ فکر کے لیے ایک زندہ منشورِ حیات ہے۔

اگر دنیا ظلم، لالچ اور بے سکونی سے نجات چاہتی ہے تو اُسے واپس اُس چراغ (ﷺ) کی طرف لوٹنا ہو گا جس نے اندھیروں میں روشنی کی، غلاموں کو انسانیت بخشی، اور جہالت کے ریگزار میں علم و عدل کے چشمے جاری کیے۔ سیرتِ نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنا صرف مذہبی فریضہ نہیں، بلکہ انسانی بقا کی ضمانت ہے۔

یاد رکھیں! پیغمبر اعظم ﷺ کا پیغام وقت اور جگہ کا محتاج نہیں — وہ کل بھی رہنما تھے، آج بھی ہیں، اور قیامت تک رہیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی کامل طریقے سے پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، امین۔

فقط والسلام

جھاپا کے ایک گاؤں سے جے این یو تک: میری داستانِ علم و عمل: ڈاکٹر سلیم جھاپا

ڈاکٹر سلیم انصاری، جھاپا، نیپال

پس منظر اور والد کا تعلیمی وژن

میرا تعلق جھاپا گاؤں پالیکا، وارڈ نمبر ۴، ضلع جھاپا، نیپال کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔ میری پیدائش ایک محدود وسائل رکھنے والے مگر تعلیم دوست خاندان میں ہوئی۔ ہم سات بہن بھائی ہیں، جن میں چار بھائی اور تین بہنیں شامل ہیں، جبکہ میں چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔

محدود معاشی وسائل کی وجہ سے میرے والد مرحوم الکاس انصاری تمام بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، لیکن ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ خاندان میں کم از کم ایک بچے کو اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو۔ اسی سوچ کے تحت انہوں نے میری اعلیٰ تعلیم کو اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد بنایا۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، میرے والد کے روشن تعلیمی وژن، میری والدہ کی دعاؤں، میرے بھائیوں اور دیگر اہلِ خانہ کی بے لوث قربانیوں اور اپنے اساتذۂ کرام کی مخلصانہ رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ اگر والد کی دور اندیشی، والدہ کی دعائیں، بھائیوں کا تعاون اور اساتذہ کی مسلسل سرپرستی نہ ہوتی تو شاید میں یہ سفر طے نہ کر پاتا۔

ابتدائی تعلیم اور دینی سفر

میری ابتدائی دینی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب سے شروع ہوئی، جبکہ نرسری سے جماعت دوم تک کی تعلیم میں نے تری بھوون اسکول، جھاپا بازار میں حاصل کی۔

سن ۱۹۹۸ میں میرا داخلہ جامعہ اسلامیہ براٹ نگر میں ہوا، جہاں ۲۰۰۳ تک تعلیم حاصل کی۔ یہ میری زندگی کا وہ دور تھا جس میں دینی تعلیم کے ساتھ نظم وضبط، کردار سازی، مطالعے کی عادت اور علم سے محبت میرے مزاج کا حصہ بنتی گئی۔ اسی زمانے میں مجھے احساس ہوا کہ علم ہی وہ سرمایہ ہے جو انسان اور معاشرے دونوں کی تقدیر بدل سکتا ہے۔

جامعہ اسلامیہ براٹ نگر میں طالب علمی کے دوران میں ہمیشہ نمایاں طلبہ میں شمار ہوتا تھا۔ پڑھنے کا شوق، اساتذہ کی رہنمائی اور مسلسل محنت نے مجھے ہر میدان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔

جامعۃ الفلاح: شخصیت سازی کا اہم مرحلہ

سن ۲۰۰۳ میں میرا داخلہ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ میں ہوا، جہاں سے میں نے ۲۰۰۸ میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

جامعۃ الفلاح میں گزارے گئے چار سال میری علمی اور فکری زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئے۔ یہاں مجھے دینی علوم کے ساتھ ساتھ زبان، ادب، تحقیق اور تنقیدی فکر کو سمجھنے کا بہترین ماحول ملا۔

اسی دوران حکومتِ ہند کے ادارے نیشنل کونسل فار پروموشن آف اردو لینگویج (NCPUL) کے تحت ڈپلومہ اِن فنکشنل عربی بھی کامیابی کے ساتھ مکمل کیا، جس نے عربی زبان، ترجمہ، ابلاغ اور عملی لسانی مہارتوں میں میری مضبوط بنیاد قائم کی۔

تعلیمی جدوجہد اور امتیازی کارکردگی

طالب علمی کے زمانے ہی سے میری کوشش رہی کہ میں صرف نصابی تعلیم تک محدود نہ رہوں بلکہ ہمہ جہت شخصیت کی تعمیر پر بھی توجہ دوں۔

جامعہ اسلامیہ براٹ نگر اور بعد ازاں جامعۃ الفلاح دونوں اداروں میں مجھے امتیازی طلبہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ تقریری مقابلوں، مضمون نویسی، علمی کوئز، ادبی سرگرمیوں اور دیگر فکری مسابقوں میں متعدد انعامات، اسناد اور تمغے حاصل کیے۔

کھیلوں سے بھی خصوصی دلچسپی رہی۔ جامعہ کی سطح پر فٹ بال کے مقابلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی اعزازات حاصل کیے۔ آج بھی مطالعہ، تحقیق، علمی مباحث، فٹ بال اور بیڈ منٹن میری پسندیدہ مشاغل میں شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا علمی ماحول

عالمیت مکمل کرنے کے بعد ۲۰۰۸ کے اواخر میں میرا داخلہ دارالعلوم دیوبند (قدیم) میں ہوا، جہاں سے میں نے ۲۰۰۹ میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے دوران مجھے حدیث اور دیگر اسلامی علوم اپنے وقت کے جلیل القدر علماء سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ سے جے این یو تک

سن ۲۰۰۹ میں میرا داخلہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں عربی زبان و ادب کے شعبے میں ہوا۔ میرے لیے یہ زندگی کا ایک نیا مرحلہ تھا، جہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمی ماحول، تنقیدی فکر اور لسانی مہارتوں کو مزید فروغ دینے کا موقع ملا۔ ۲۰۱۲ میں میں نے عربی زبان و ادب میں گریجویشن کامیابی کے ساتھ مکمل کیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم کے دوران مختلف علمی، ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا موقع ملا، جس نے میری فکری وسعت اور تحقیقی ذوق میں نمایاں اضافہ کیا۔ اسی عرصے میں گرمیوں کی تعطیلات کے دوران نئی دہلی کے اسلامک کلچرل سینٹر میں معروف ٹریز جناب منور زمان کے زیرِ نگرانی دو ماہ کا انگریزی اسپوکن کورس بھی کیا، جس سے میری انگریزی ابلاغی صلاحیتوں میں مزید نکھار آیا اور بین الاقوامی ماحول میں کام کرنے کا اعتماد پیدا ہوا۔

بعد ازاں ۲۰۱۲ میں میرا داخلہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی (جے این یو)، نئی دہلی میں ہوا، جہاں سے میں نے ۲۰۱۴ میں عربی زبان و ادب میں ایم اے مکمل کیا۔ ایم اے کے بعد معاشی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر مجھے تقریباً دو برس تک مختلف کارپوریٹ کمپنیوں میں مترجم اور لسانی ماہر کی حیثیت سے ملازمت کرنی پڑی تاکہ اپنی آئندہ تعلیم کے اخراجات خود برداشت کر سکوں۔

اس دوران میں نے نہ صرف پیشہ ورانہ تجربہ حاصل کیا بلکہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے لیے مالی وسائل بھی مہیا کیے۔

بعد ازاں ۲۰۱۶ میں دوبارہ جے این یو میں ایم فل میں داخلہ لیا، جسے ۲۰۱۸ میں کامیابی کے ساتھ مکمل کیا۔

اسی سال پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا اور ۲۰۲۲ میں اپنی ڈاکٹریٹ کی تحقیق مکمل کی۔

میری ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تحقیق نیپال میں عربی زبان اور اسلامیات کی تدریس، ارتقاء، علمی خدمات اور تحقیقی روایت کے موضوع پر مرکوز رہی۔ اس تحقیق کے ذریعے مجھے نیپال میں عربی و اسلامی علوم کی تاریخ، تعلیمی اداروں، علمی شخصیات اور ان کی خدمات کو ایک منظم اور تحقیقی انداز میں پیش کرنے کا موقع ملا۔ نیپال کے ایک دور افتادہ گاؤں سے جنوبی ایشیا کی ممتاز جامعہ تک پہنچنے کا یہ سفر میرے لیے اس حقیقت کا عملی ثبوت ہے کہ اگر انسان کے پاس عزم، مسلسل محنت، والدین کی دعائیں، اساتذہ کی رہنمائی اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا ہو تو محدود وسائل بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

مالی مشکلات اور خاندانی قربانیاں

تعلیمی سفر میرے لیے ہرگز آسان نہیں تھا۔ اسکول سے لے کر گریجویشن تک مجھے شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کئی مواقع ایسے آئے جب وسائل کی کمی کے باعث میری تعلیم رک جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔

ایسے نازک وقت میں میرے والد مرحوم نے میرے بڑے بھائی شکیل انصاری کو ہدایت کی کہ وہ میری تعلیم کے اخراجات برداشت کریں۔ انہوں نے اپنے والد کی اس خواہش کو نہایت خلوص، محبت اور ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا اور میری گریجویشن تک تمام تعلیمی اخراجات برداشت کیے۔ ان کی اس بے لوث قربانی نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔

گریجویشن مکمل کرنے کے بعد میں نے اپنی مزید تعلیم اپنی محنت اور اپنے وسائل سے جاری رکھی۔ ترجمہ، فری لانس کام، پیشہ ورانہ خدمات اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ذریعے میں نے اپنی ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی سمیت اعلیٰ تعلیم کے تمام اخراجات خود برداشت کیے اور مسلسل محنت کے ساتھ اپنی تعلیمی منزلیں طے کیں۔

میں ہمیشہ اپنے والد کے تعلیمی وژن، اپنی والدہ کی دعاؤں، اپنے بڑے بھائی کی قربانی، خاندان کے تعاون اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو اپنی کامیابی کی اصل بنیاد سمجھتا ہوں۔

اساتذۂ کرام سے استفادہ

میری زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ رہی کہ مختلف تعلیمی اداروں میں اپنے وقت کے ممتاز اور جلیل القدر اساتذہ سے علم حاصل کرنے کا شرف ملا۔

جامعہ اسلامیہ براٹ نگر میں مولانا سلیمان سلفی، مولانا حبیب الرحمن امینی، مولانا عبدالقادر سنابلی، ماسٹر آزاد انصاری، مولانا جلال الدین سلفی، مولانا عبدالرؤوف اور دیگر اساتذہ نے میری علمی اور اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔

جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ میں مولانا طاہر مدنی، مولانا اظہار مدنی، مولانا نعیم احمد اصلاحی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا رئیس فلاحی، ماسٹر منور، مولانا اخلاق کریمی اور دیگر اساتذہ کی سرپرستی نصیب ہوئی، جنہوں نے تحقیق، اعتدال اور علمی دیانت کی راہ دکھائی۔

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری، حضرت مولانا ارشد مدنی، حضرت مولانا عبدالحق اور دیگر اکابر اساتذہ سے حدیث اور دیگر علوم حاصل کرنے کا شرف ملا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پروفیسر ایوب ندوی، پروفیسر رفیع العماد فیضان، پروفیسر فوزان، پروفیسر عبدالمجید قاضی، پروفیسر خالد حامدی، پروفیسر حبیب اللہ اور دیگر اساتذہ کی علمی رہنمائی حاصل ہوئی۔

اسی طرح جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں پروفیسر رضوان الرحمٰن، پروفیسر مجیب الرحمن، پروفیسر محمد بشیر، پروفیسر قطب الدین اور دیگر ممتاز اساتذہ کی نگرانی میں اپنی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق مکمل کی۔

میں اپنے تمام اساتذۂ کرام کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ان کی شفقت، دعائیں، علمی رہنمائی اور تربیت میری زندگی کا وہ سرمایہ ہیں جسے میں اپنی ہر کامیابی کی بنیاد سمجھتا ہوں۔

پیشہ ورانہ زندگی اور عالمی تجربہ

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میری پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز عربی زبان، ترجمہ اور لسانی خدمات کے شعبے سے ہوا۔ گزشتہ دس برس سے زائد عرصے کے دوران مجھے مختلف قومی اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، جہاں میں نے مترجم، مراجع، کوآرڈینیٹر، کوالٹی اینالسٹ، سینئر عربی ماہر اور ٹیم لیڈ کے طور پر ذمہ داریاں انجام دیں۔

میری پیشہ ورانہ زندگی کا اہم حصہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ساتھ وابستہ رہا۔ میں نے تھیورم انڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ (Theorem India Pvt. Ltd)، ٹاٹا کنسلٹنسی سروسز (TCS) اور ایکسنچر (Accenture) سمیت متعدد عالمی کمپنیوں میں مختلف ذمہ داریوں پر خدمات انجام دیں۔ ان اداروں میں کام کرتے ہوئے مجھے ترجمہ، مراجعہ اور کثیر لسانی منصوبوں کے انتظام اور ٹیم کی قیادت کا وسیع تجربہ حاصل ہوا۔

اس وقت میں مختلف قومی اور بین الاقوامی اداروں کو عربی، انگریزی، اردو، ہندی اور نیپالی زبانوں میں ترجمہ، مراجعہ اور لسانی مشاورت کی پیشہ ورانہ خدمات فراہم کر رہا ہوں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ترجمہ صرف الفاظ کی منتقلی نہ ہو بلکہ زبان، ثقافت، مفہوم اور سیاق و سباق کو بھی پوری دیانت داری کے ساتھ منتقل کیا جائے۔

تعلیم کے بارے میں میرا نظریہ

میرا پختہ یقین ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد معیاری تعلیم ہوتی ہے۔ مضبوط تعلیمی نظام ہی ایک باشعور، خود مختار اور ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔

اسی لیے میں ہمیشہ تعلیم، تعلیمی اصلاحات اور خصوصاً مدارس کی ترقی کے موضوع پر لکھتا اور اظہارِ خیال کرتا رہتا ہوں۔ میری رائے میں مدارس کو اپنی دینی شناخت برقرار رکھتے ہوئے جدید علوم، عالمی زبانوں، تحقیق، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر، مصنوعی ذہانت اور عصرِ حاضر کی مہارتوں سے بھی طلبہ کو آراستہ کرنا چاہیے، تاکہ وہ دینی خدمت کے ساتھ ساتھ ملکی اور عالمی سطح پر بھی مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

میں ہمیشہ اس بات کا حامی رہا ہوں کہ دینی اور عصری تعلیم کے درمیان مصنوعی تقسیم ختم ہونی چاہیے۔ ایک ایسا متوازن تعلیمی نظام وقت کی ضرورت ہے، جہاں قرآن و سنت کی تعلیم کے ساتھ جدید سائنس، سماجی علوم، زبانوں اور تحقیق کو بھی مناسب اہمیت دی جائے۔

اتحادِ امت اور دینی ہم آہنگی

میری سوچ کا ایک اہم پہلو امتِ مسلمہ کا اتحاد ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلکی اختلافات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے، لیکن ان اختلافات کو باہمی احترام، برداشت اور حسنِ اخلاق کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کو ان امور میں الجھنے کے بجائے ان مشترکہ مقاصد پر توجہ دینی چاہیے جن پر پوری امت متفق ہے، جیسے تعلیم، دعوت، رفاہ، اخلاق، نوجوانوں کی تربیت، غربت کا خاتمہ اور سماجی خدمت۔

میرے نزدیک امت کی حقیقی قوت اس کے اتحاد، تعلیم، باہمی اعتماد اور خدمتِ خلق میں مضمر ہے، نہ کہ باہمی اختلافات کو بڑھانے میں۔

قومی سیاست اور سماجی ذمہ داری

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ہر شہری کو اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔

میری رائے میں سیاست صرف اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ عوامی خدمت، شفافیت، احتساب، انصاف اور بہتر طرزِ حکمرانی کا ایک مؤثر وسیلہ ہونی چاہیے۔ اسی لیے میں ہمیشہ متوازن، تعمیری اور ذمہ دار سیاسی سوچ کا حامی رہا ہوں۔

میں نوجوانوں کو بھی یہی پیغام دیتا ہوں کہ وہ سیاست کو نفرت اور تقسیم کا ذریعہ بنانے کے بجائے عوامی خدمت، دیانت داری اور قومی تعمیر کے ایک مؤثر پلیٹ فارم کے طور پر دیکھیں۔

سماجی خدمت میرا نصب العین

میرا یقین ہے کہ معاشرے کی تعمیر صرف حکومتوں کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر فرد کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہر شخص کو اپنی صلاحیت، علم اور وسائل کے مطابق معاشرے اور ملک کی ترقی کے لیے رضاکارانہ خدمات انجام دینی چاہئیں۔ خصوصاً تعلیم، صحت، سماجی شعور، ماحولیات، نوجوانوں کی رہنمائی اور فلاحی سرگرمیوں میں معاشرے کے باشعور افراد کو آگے آنا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دینی، سماجی اور رفاہی خدمات کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور انسانیت کی خدمت ہونا چاہیے، نہ کہ ذاتی شہرت، مالی منفعت یا کسی دنیاوی مفاد کا حصول۔

قلمی خدمات اور علمی دلچسپیاں

تعلیم اور پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی میری زندگی کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ ابتدا ہی سے مجھے مطالعہ، تحقیق اور تحریر سے گہرا شغف رہا ہے۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی جرائد، رسائل اور اخبارات میں تعلیم، عربی زبان، اسلامیات، ترجمہ، سماجی اصلاح، قومی یکجہتی، مذہبی ہم آہنگی، مدارس کی ترقی، سیاسی اعتدال اور عصری مسائل پر میرے مضامین، تحقیقی مقالات اور تجزیے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ میری تحریریں محض تنقید تک محدود نہ ہوں بلکہ مسائل کے عملی، مثبت اور قابلِ عمل حل بھی پیش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قلم محض اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح، فکری بیداری اور مثبت تبدیلی کا ایک مؤثر وسیلہ بھی ہے۔

مستقبل کا وژن

میری خواہش ہے کہ نیپال میں عربی زبان، اسلامیات، ترجمہ اور تحقیق کے میدان میں معیاری علمی کام کو فروغ دیا جائے۔ خصوصاً مدارس اور جدید تعلیمی اداروں کے درمیان علمی تعاون، مشترکہ تحقیقی منصوبوں اور نصابی ہم آہنگی پر کام کیا جائے تاکہ نئی نسل دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی بھرپور استفادہ کر سکے۔

اسی طرح میری کوشش ہے کہ عربی، اردو، انگریزی اور نیپالی زبانوں کے درمیان معیاری ترجمے، علمی تبادلے اور تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے، تاکہ نیپال کے علمی سرمایہ کو عالمی سطح پر متعارف کرایا جاسکے اور دنیا کی مفید علمی و تحقیقی کاوشیں نیپالی قارئین تک پہنچ سکیں۔

میری یہ بھی خواہش ہے کہ نوجوانوں کی تعلیمی رہنمائی، کیریئر کونسلنگ، زبانوں کی تعلیم اور تحقیقی تربیت کے لیے ایسے ادارے قائم ہوں جہاں دینی اور عصری تعلیم کو ایک دوسرے کا معاون سمجھتے ہوئے ایک متوازن نظامِ تعلیم تشکیل دیا جاسکے۔

نوجوانوں کے نام میرا پیغام

میں نوجوانوں سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں علم کو سب سے بڑی دولت سمجھیں۔ محدود وسائل، غربت یا دیہی پس منظر کو کبھی اپنی کمزوری نہ بنائیں۔ اگر ارادہ مضبوط ہو، محنت مسلسل ہو، والدین کی دعائیں، اساتذہ کی رہنمائی اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا ہو تو کوئی منزل دور نہیں رہتی۔

اپنے وقت کی قدر کریں، مطالعہ کو معمول بنائیں، نئی زبانیں سیکھیں، ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھائیں، تحقیق کی عادت اپنائیں اور اپنی صلاحیتوں کو صرف ذاتی کامیابی تک محدود نہ رکھیں بلکہ انہیں اپنے معاشرے، اپنی قوم اور اپنے ملک کی خدمت کے لیے استعمال کریں۔

اختتامیہ

جب میں اپنے ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو ایک چھوٹے سے گاؤں کے مکتب سے لے کر جواہر لال نہرو یونیورسٹی تک کا یہ سفر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں، والدین کی دعاؤں، خاندان کی قربانیوں، اساتذۂ کرام کی شفقت اور مسلسل محنت کی ایک خوبصورت داستان محسوس ہوتا ہے۔

میں اپنے مرحوم والد الکاس انصاری کے اس خواب کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ خاندان کا کم از کم ایک فرد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور علم کے ذریعے معاشرے کی خدمت کرے۔ میری والدہ کی دعائیں، میرے بڑے بھائی شکیل انصاری کی بے لوث قربانی، دیگر بھائیوں اور بہنوں کی حوصلہ افزائی، اساتذۂ کرام کی تربیت اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہی میری زندگی کی اصل کامیابی ہے۔ میں آج بھی خود کو ایک طالبِ علم سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ سیکھنے کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اگر میری زندگی، جدوجہد، تعلیم، تحقیق، پیشہ ورانہ تجربات اور تحریروں سے کسی نوجوان کو علم حاصل کرنے، اپنے خواب پورے کرنے اور اپنے معاشرے و ملک کی خدمت کرنے کی ترغیب ملتی ہے تو میں اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اخلاص، علمِ نافع، حسنِ عمل اور خدمتِ خلق کی توفیق عطا فرمائے اور میری تمام کوششوں کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے۔ آمین۔

نیپال اردو ٹائمز: سو شماروں کا سفر

٭ محمد سلمان العطاری ٭

٭ مرکزی جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج ٭

الحمد للہ! جب کوئی ادارہ مسلسل محنت، اخلاص اور استقامت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتا ہے تو منزلیں خود اس کا استقبال کرتی ہیں۔ نیپال اردو ٹائمز کا سوویں شمارے کی دہلیز پر پہنچنا اسی مسلسل جدوجہد، اعتماد اور عوامی پذیرائی کی روشن دلیل ہے۔ یہ صرف ایک ہفت روزہ اخبار نہیں بلکہ نیپال میں اردو زبان، دینی اقدار، سماجی شعور اور مثبت صحافت کا ایک معتبر ترجمان بن چکا ہے۔

اس اخبار کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ حق، صداقت اور غیر جانب دار صحافت کو اپنا شعار بنایا۔ نہ سنسنی خیزی کا سہارا لیا، نہ غیر ضروری مبالغہ آرائی کو اختیار کیا، بلکہ ذمہ دارانہ انداز میں قارئین تک معلومات پہنچانے کی کوشش کی۔ یہی وہ وصف ہے جس نے اسے اہلِ علم، اہلِ قلم اور عوام کے درمیان قابلِ اعتماد مقام عطا کیا۔

سوواں شمارہ محض ایک عدد نہیں بلکہ ان بے شمار راتوں کی یادگار ہے جو اس ادارے کی ٹیم نے محنت میں گزاری ہوں گی، ان مشکلات کی علامت ہے جنہیں صبر اور حوصلے سے عبور کیا گیا، اور ان دعاؤں کا ثمر ہے جو قارئین نے اس کے لیے کیں۔

اس کامیاب سفر کے پس منظر میں ایڈیٹر مولانا عبدالجبار علیمی صاحب، نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی صاحب کی شبانہ روز محنت، بصیرت اور صحافتی وابستگی نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک مدیر کا اصل کمال یہی ہوتا ہے کہ وہ اخبار کو صرف خبروں کا مجموعہ نہ رہنے دے بلکہ اسے قوم کی آواز بنا دے۔ نیپال اردو ٹائمز کے صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ادارتی قیادت نے اس ذمہ داری کو بھرپور احساس کے ساتھ نبھانے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح معاون ایڈیٹر مولانا محمد حسن سراقہ رضوی صاحب اور دیگر ادارتی ٹیم بھی اس صحافتی کارواں کے اہم ستون ہیں۔ علمی بصیرت، زبان کی شائستگی اور ادارتی معاونت نے یقیناً اس اخبار کے معیار کو بہتر بنانے میں قابلِ قدر کردار ادا کیا ہے۔ کسی بھی کامیاب ادارے کے پیچھے ایک مضبوط ٹیم ہوتی ہے، اور نیپال اردو ٹائمز کی ادارتی اس حقیقت کا خوبصورت نمونہ ہے۔

ادارے میں اہلِ قلم، علماء، دانشوروں، شعراء اور سماجی شخصیات کو سوویں شمارے کے خصوصی ضمیمے میں شرکت کی دعوت دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اخبار خود کو صرف ایک اشاعتی ادارہ نہیں سمجھتا بلکہ علمی اور فکری تحریک کا حصہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔

نیپال جیسے ملک میں، جہاں اردو صحافت کے وسائل محدود ہیں، وہاں ایک رجسٹرڈ اور باقاعدگی سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار کا سو شماروں تک پہنچ جانا معمولی کامیابی نہیں۔ یہ اس ادارے کے اخلاص، محنت اور قارئین کی محبت کا خوبصورت اظہار ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ نیپال اردو ٹائمز آئندہ بھی اسی وقار کے ساتھ ترقی کی نئی منزلیں طے کرے، حق و صداقت کی شمع روشن رکھے، اردو زبان کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھے اور نیپال کے علمی، ادبی اور سماجی افق پر اپنی روشنی بکھیرتا رہے۔

سوواں شمارہ مبارک ہو!

اللہ تعالیٰ ایڈیٹر مولانا عبدالجبار علیمی صاحب، معاون ایڈیٹر محمد حسن سراقہ رضوی صاحب، نائب ایڈیٹر مفتی کلام الدین نعمانی صاحب، پوری ادارہ، تمام قلم کاروں، معاونین اور کارکنان کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اس ادارے کو مزید استحکام، وسعت اور مقبولیت عطا فرمائے، اور اسے نیپال میں اردو صحافت کا ایک درخشاں مینار بنائے رکھے۔ آمین۔

٭ محمد سلمان العطاری ٭

٭ مرکزی جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج ٭

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

خصوصی شمارہ
31/ جولائی 2026 مطابق 15/ صفر المظفر 1448ھ / 15 گتے ساون 2083

واسنا سے سادھنا: نفس کی غلامی سے روح کی آزادی تک

بختیار برکاتی۔ خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دہلی

انسانی زندگی ایک مسلسل کشمکش کا نام ہے—ایک طرف خواہشات (واسنا) کی کھینچ، اور دوسری طرف روح کی بلندی کی پکار۔ یہی کشمکش انسان کے باطن کو بناتی اور بگاڑتی ہے۔ اگر انسان خواہشات کا غلام بن جائے تو وہ ظاہری کامیابی کے باوجود اندر سے کھوکھلا رہتا ہے، لیکن اگر وہ انہی خواہشات کو قابو میں لا کر انہیں روحانی ترقی کا ذریعہ بنا لے تو یہی کیفیت "واسنا سے سادھنا" کہلاتی ہے۔

"واسنا" سنسکرت کا لفظ ہے، جس سے مراد وہ اندرونی خواہشات، رجحانات اور لذتیں ہیں جو انسان کو دنیاوی چیزوں کی طرف مائل کرتی ہیں۔ یہ خواہشات بظاہر فطری ہوتی ہیں، مگر جب یہی بے قابو ہو جائیں تو انسان کے دل و دماغ پر حاوی ہو کر اسے بے سکونی، حسد، لالچ اور خود غرضی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

اس کے برعکس "سادھنا" ایک ایسا منظم روحانی عمل ہے جس کا مقصد انسان کے باطن کو پاک کرنا اور اسے حقیقتِ مطلقہ سے جوڑنا ہے۔ سادھنا صرف عبادات کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے جس میں انسان اپنی سوچ، اپنے عمل اور اپنی خواہشات کو ایک اعلیٰ مقصد کے تابع کر دیتا ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ کیا واسنا کو مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا ہے؟ روحانی اساتذہ کا جواب ہے: نہیں۔ واسنا کو ختم نہیں بلکہ بدلا جا سکتا ہے۔ یہی تبدیلی سادھنا کا اصل ہدف ہے۔ جب انسان اپنی خواہشات کو قابو میں لا کر انہیں خیر، محبت اور خدمت کے راستے پر ڈال دیتا ہے تو وہی واسنا اس کے لیے زنجیر نہیں بلکہ سیڑھی بن جاتی ہے۔

تصوف اور روحانیت میں اس سفر کو تین مراحل میں بیان کیا گیا ہے: تخلی، تحلی اور تجلی۔

پہلا مرحلہ "تخلی" ہے، جس میں انسان اپنے دل کو غیر ضروری اور نقصان دہ خواہشات سے خالی کرتا ہے۔ دوسرا مرحلہ "تحلی" ہے، جہاں وہ اپنی شخصیت کو اچھے اخلاق اور مثبت عادات سے آراستہ کرتا ہے۔ اور تیسرا مرحلہ "تجلی" ہے، جہاں اس کے باطن میں نورِ حقیقت ظاہر ہونے لگتا ہے۔

موجودہ دور میں، جہاں مادّیت اور تیز رفتار زندگی نے انسان کو ہر لمحہ نئی خواہشات کے پیچھے دوڑنے پر مجبور کر دیا ہے، "واسنا سے سادھنا" کا تصور پہلے سے زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ سوشل میڈیا، مقابلہ بازی اور ظاہری کامیابی کی دوڑ نے انسان کے اندر ایک نہ ختم ہونے والی بے چینی پیدا کر دی ہے۔ اس بے چینی کا علاج باہر نہیں، بلکہ انسان کے اپنے اندر ہے۔ عملی طور پر "واسنا سے سادھنا" کا آغاز چھوٹے قدموں سے کیا جا سکتا ہے۔ روزانہ چند لمحے خاموشی میں بیٹھ کر اپنے خیالات کا جائزہ لینا، غیر ضروری خواہشات کو پہچاننا، اور اپنی زندگی کو سادہ اور متوازن بنانا—یہ سب سادھنا کے بنیادی اصول ہیں۔ ذکر، مراقبہ، اور خدمتِ خلق جیسے اعمال انسان کے باطن کو مضبوط کرتے ہیں اور اسے اپنی خواہشات پر قابو پانے کی طاقت دیتے ہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اس راستے میں کسی رہبر یا مرشد کی رہنمائی حاصل کرے، کیونکہ باطنی سفر میں خود فریبی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایک سچا رہنما انسان کو اس کے نفس کے فریب سے بچا کر اسے درست سمت دکھاتا ہے۔

آخر میں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ "واسنا سے سادھنا" کوئی وقتی عمل نہیں بلکہ ایک مسلسل سفر ہے۔ یہ سفر انسان کو نفس کی غلامی سے نکال کر روح کی آزادی تک لے جاتا ہے۔ جب انسان اپنی خواہشات کا مالک بن جاتا ہے، تو وہ حقیقی سکون، اطمینان اور خوشی کو پا لیتا ہے—وہ سکون جو دنیا کی کسی بھی مادی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی دراصل انسان کی اصل کامیابی ہے۔

کیا مدارس کو اب قومی تعلیمی نظام کے تحت لایا جائے گا؟

حالیہ دنوں میں مسلم کمیشن نیپال کی جانب سے مدارس کے حوالے سے جو معلومات طلب کی گئی تھیں، اب بڑی تعداد میں مدارس نے وہ معلومات اور ڈیٹا جمع کرا دیا ہے۔ یہ ایک اہم مرحلہ ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حکومت اب مدرسہ سیکٹر کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت مدارس کے موجودہ نظام، ان کے انتظام، تعداد، طلبہ، اساتذہ اور قانونی حیثیت کو سمجھنے کے بعد آئندہ دنوں میں کچھ قواعد و ضوابط اور گائیڈ لائنز متعارف کروا سکتی ہے۔

فی الحال یہ کہنا مشکل ہے کہ حکومت کس نوعیت کی گائیڈ لائنز جاری کرے گی اور ان کا مدارس کے موجودہ نظام پر کیا اثر پڑے گا۔ وقت ہی بتائے گا کہ یہ پالیسیاں کس حد تک سخت یا نرم ہوں گی، اور مدارس کے نظام میں کس نوعیت کی تبدیلیاں آئیں گی۔ لیکن اتنا ضرور واضح ہے کہ حکومت اس وقت مدارس کے شعبے کو ایک منظم شکل دینا چاہتی ہے۔ اندازوں کے مطابق نیپال میں تقریباً ڈھائی ہزار مدارس موجود ہیں، جن میں سے تقریباً نصف رجسٹرڈ ہیں جبکہ باقی مدارس غیر رجسٹرڈ ہیں۔ اس غیر منظم صورتحال کی وجہ سے حکومت بھی ایک واضح تعلیمی اور انتظامی خاکہ تیار کرنا چاہتی ہے۔ یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ مدارس نیپال کے مسلمانوں کی دینی، تعلیمی اور سماجی زندگی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ کئی دہائیوں سے مدارس نے قرآن، حدیث، فقہ، عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں مدارس نے ایسی خدمات انجام دی ہیں جہاں دیگر تعلیمی سہولیات بہت کم تھیں۔ ہزاروں طلبہ نے انہی اداروں سے بنیادی دینی تعلیم حاصل کی اور معاشرے میں دین اور اخلاق کی خدمت انجام دی۔ اس لیے مدارس کے حوالے سے کوئی بھی پالیسی بناتے وقت زمینی حقائق، مسلمانوں کی دینی ضروریات اور مدارس کی تاریخی خدمات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدارس کا نظام کئی مسائل کا شکار بھی رہا ہے۔ تعلیمی معیار میں فرق، وسائل کی کمی، انتظامی کمزوریاں، غیر منظم پھیلاؤ، رجسٹریشن کے مسائل، مالی شفافیت کا فقدان اور داخلی اختلافات جیسے مسائل طویل عرصے سے موجود ہیں۔ بعض علاقوں میں ایک ہی بستی یا محلے میں کئی مدارس قائم ہیں، مگر نہ وہاں طلبہ کی مناسب تعداد ہوتی ہے اور نہ ہی معیاری اساتذہ دستیاب ہوتے ہیں۔ اس صورتحال سے وسائل تقسیم ہو جاتے ہیں اور تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے۔

اسی طرح بہت سے مدارس قانونی طور پر رجسٹرڈ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے آئندہ دنوں میں انہیں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ حکومت کی نظر میں جب کوئی شعبہ غیر منظم ہو تو اس کے لیے پالیسی سازی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم کمیشن نے مدارس سے معلومات طلب کیں تاکہ ایک واضح تصویر سامنے آ سکے اور مستقبل کے لیے کوئی پالیسی بنائی جا سکے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حکومت مدارس کے لیے رجسٹریشن، نصاب، طلبہ کے ریکارڈ، اساتذہ کی اہلیت، مالی حسابات، عمارتوں کے معیار اور عصری تعلیم کے حوالے سے کچھ رہنما اصول جاری کرے۔ بعض لوگ اس حوالے سے خدشات رکھتے ہیں، جبکہ بعض حلقے اسے اصلاح اور بہتری کا موقع سمجھتے ہیں۔ لیکن موجودہ وقت میں سب سے زیادہ ضرورت جذباتی ردعمل کے بجائے سنجیدہ غور و فکر اور حکمت عملی کی ہے۔

مسلمانوں کو اس مرحلے کو صرف ایک حکومتی کارروائی کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ اسے ایک ایسے موقع کے طور پر دیکھنا چاہیے جہاں مسلمان خود بھی مدارس کے مستقبل کے حوالے سے اپنی رائے اور تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان خاموش رہیں گے اور صرف یہ انتظار کریں گے کہ حکومت کیا فیصلہ کرتی ہے، تو پھر ممکن ہے کہ بہت سے اہم زمینی حقائق پالیسی سازی میں شامل نہ ہو سکیں۔

اسی لیے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم تنظیمیں، مدارس بورڈز، علماء، دانشور، سماجی کارکن اور سماجی لیڈران مل بیٹھ کر سنجیدگی سے غور کریں۔ انہیں یہ طے کرنا چاہیے کہ مدارس کے مستقبل کے لیے کون سی تجاویز زیادہ مناسب اور قابلِ عمل ہو سکتی ہیں۔ ان تجاویز کو صرف زبانی باتوں یا سوشل میڈیا تک محدود رکھنے کے بجائے ایک تحریری شکل دی جائے اور مسلم کمیشن اور وزارتِ تعلیم تک پہنچایا جائے۔

اگر مسلمان اپنی سنجیدہ، متوازن اور قابلِ عمل تجاویز حکومت تک پہنچائیں گے تو حکومت کو مدارس کے نظام کو بہتر انداز میں سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور اگر حکومت ان تجاویز کو مناسب سمجھے گی تو ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نکات آئندہ گائیڈ لائنز کا حصہ بھی بن جائیں۔ یہی ایک دانشمندانہ اور تعمیری راستہ ہے۔

مثال کے طور پر مسلمان یہ تجویز دے سکتے ہیں کہ مدارس کی دینی خودمختاری اور شناخت کو برقرار رکھا جائے۔ اسی کے ساتھ عصری تعلیم کے بنیادی مضامین کو مناسب حد تک شامل کیا جائے تاکہ مدارس کے طلبہ مستقبل میں قومی سطح پر بھی بہتر کردار ادا کر سکیں۔ اسی طرح رجسٹریشن کے عمل کو آسان، شفاف اور زمینی حقائق کے مطابق بنانے کی تجویز دی جا سکتی ہے۔

مسلم قیادت اس بات پر بھی زور دے سکتی ہے کہ چھوٹے مکاتب اور بڑے مدارس کے درمیان فرق کو سمجھا جائے۔ ہر مکتب کو مدرسہ قرار دے کر اس پر یکساں اصول لاگو کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ مکاتب بنیادی دینی تعلیم کا اہم ذریعہ ہیں، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ اس لیے مکاتب کے نظام کو کمزور کرنے کے بجائے اسے مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح مدارس کے اندر بھی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ صرف حکومت کو تنقید کا نشانہ بنانے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ مدارس کو اپنے نظم و نسق، تعلیمی معیار، اساتذہ کی تربیت، طلبہ کی نگرانی اور مالی شفافیت پر بھی توجہ دینی ہوگی۔ جہاں ممکن ہو، چھوٹے اور کمزور مدارس کو ضم کر کے مضبوط اور معیاری ادارے قائم کیے جائیں تاکہ وسائل کا بہتر استعمال ہو سکے۔

یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے کہ مدارس کو غیر ضروری سیاست اور گروہ بندی سے دور رکھا جائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض اوقات مدارس ذاتی اختلافات یا مسلکی بنیادوں پر قائم کیے جاتے ہیں، جس سے اجتماعی نقصان ہوتا ہے۔ اگر ہم واقعی مدارس کے مستقبل کو محفوظ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر اجتماعی مفاد کے بارے میں سوچنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہم مستقبل کے چیلنجز کا سامنا اتحاد، حکمت اور سنجیدگی کے ساتھ کریں گے یا پھر اختلافات اور جذباتی نعروں میں الجھے رہیں گے۔ اگر ہم نے بروقت سنجیدہ قدم نہ اٹھایا تو ممکن ہے کہ فیصلے ہمارے بغیر ہی ہو جائیں۔

لیکن اگر مسلمان متحد ہو کر اپنی تجاویز، خدشات اور سفارشات حکومت کے سامنے پیش کریں گے تو یقیناً بہتر نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔

یہ وقت تمام مسلم تنظیموں، مدارس بورڈز، علماء، ائمہ، دانشوروں اور کمیونٹی رہنماؤں کے لیے مل بیٹھنے کا ہے۔ انہیں مدارس کے مستقبل کے حوالے سے ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے۔ اس لائحہ عمل میں مدارس کی دینی شناخت، رجسٹریشن، عصری تعلیم، نصاب، مالی شفافیت، مکاتب کے نظام اور تعلیمی معیار کے حوالے سے واضح تجاویز شامل ہونی چاہئیں۔ پھر ان تجاویز کو باقاعدہ تحریری شکل میں مسلم کمیشن اور وزارتِ تعلیم کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔

نعتیہ غزل۔

بزمِ فخر ازہر کا کلام

جب حقیقت نہیں پتا ان کی
پھر کوئی کیا کرے ثنا ان کی

عاصی امت کی مغفرت کے لیے
"رب سلم رہی صدا ان کی"

آنِ واحد میں ڈال دیتی ہے
جان مردوں میں خاکِ پا ان کی

چشمِ شفقت وہ جن پہ کر دیں گے
بخشی جائے گی بس خطا ان کی

عید ہو جائے گی مری اس دم
جب ملے گی مجھے لقا ان کی

مرتے دم تک بشیر رضوی کے
لب پہ جاری رہے ثنا ان کی

فکر و قلم۔
محمد بشیر القادری رضوی
گلاب پوری ثم کھنڈوی

ہمالیہ کی بقعہ نوردی سے اٹھنے والی اردو کی خوشبو: "نیپال اردو ٹائمز" کے ۹۹ ہفتے اور سنچری کی طرف سفر

کوہ ہمالیہ کی بلند و بالا چوٹیوں اور حسین و جمیل وادیوں کی سرزمین سے جب صحافت کا کوئی روشن مینار طلوع ہوتا ہے، تو وہ نہ صرف سرحدی حدود کو عبور کرتا ہے بلکہ دلوں کے تار بھی آپس میں جوڑ دیتا ہے۔ "نیپال اردو ٹائمز" محض ایک اخبار کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ نیپال اور خطے کے اردو دان طبقے کی امنگوں، احساسات اور فکری بیداری کا ایک ایسا آئینہ ہے جو مسلسل ۹۹ ہفتوں سے اپنی تابندگی بکھیر رہا ہے۔

آج جب اس باوقار جریدے نے کامیابی کے ساتھ ۹۹ ہفتے مکمل کر لیے ہیں اور یہ اپنے تاریخی ۱۰۰ ویں شمارے (سنچری) کی دہلیز پر کھڑا ہے، تو یہ لمحہ نہ صرف ادارتی ٹیم کے لیے فخر و انبساط کا حامل ہے بلکہ دنیا بھر کے اردو قارئین کے لیے بھی جشن کا مقام ہے۔ ہمالیہ کے دامن سے اٹھنے والی صحافت کی یہ مدھم لیکن توانا آواز اس بات کا ثبوت ہے کہ زبانِ اردو کی محبت کسی جغرافیائی قید کی محتاج نہیں ہے۔

گزشتہ ۹۹ ہفتوں کے دوران "نیپال اردو ٹائمز" نے جس تسلسل، استقامت اور فکری بصیرت کے ساتھ خبروں، ادبی مضامین اور معلوماتی مواد کو اپنے قارئین تک پہنچایا ہے، وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ مشکل ترین حالات اور وسائل کی طویل جنگ کے باوجود ہفتہ وار بنیادوں پر اس کارواں کو آگے بڑھانا ایک انہی عزمِ صمیم کا منہ بولتا ثبوت ہے جو بانیان اور اس کی پوری ٹیم کے دل میں دھڑکتا ہے۔

اب جب کہ ہم اس اخبار کے ۱۰۰ ویں خصوصی ضمیمے کے منتظر ہیں، یہ ہم سب کا اخلاقی اور ملی فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس روشن سفر میں اپنا بھرپور حصہ ڈالیں۔ آئیے! اپنے تاثرات، قیمتی آراء اور تہنیتی پیغامات "نیپال اردو ٹائمز" کی انتظامیہ کو ارسال کریں تاکہ اس تاریخی سنگِ میل کو مزید یادگار بنایا جا سکے۔

دعا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی سے نکلنے والا یہ صحافتی مینار ہمیشہ یونہی روشن رہے، ترقی کی نئی منزلیں طے کرے، اور اردو زبان و ادب کی آبیاری کا یہ مقدس سلسلہ یونہی جاری و ساری رہے۔ آمین!

محمد ہاشم القاسمی خادم دار العلوم پاڑا ضلع پرولیا مغربی بنگال

نو آبادیاتی ذہنیت کو للکار بالیندر شاہ کا جرأت مندانہ قدم

سفارت کاری کی دنیا میں ایک اصول صدیوں سے قائم ہے، وزیراعظم، وزیراعظم سے ملتا ہے، وزیر خارجہ، وزیر خارجہ سے، یہ کوئی تکبر یا ہٹ دھرمی نہیں، بلکہ یہ وہ ضابطہ ہے جسے دنیا کی تمام بڑی اور باوقار حکومتیں صدیوں سے مانتی آئی ہیں، لیکن جنوبی ایشیا میں، اور بالخصوص چھوٹے ممالک میں، یہ اصول کب کا بھلا دیا گیا تھا، نیپال کے نئے وزیراعظم بالیندرا شاہ نے اس روایت کو توڑتے ہوئے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جسے نہ صرف سراہا جانا چاہیے بلکہ پورے خطے کے لیے ایک سبق کے طور پر یاد رکھا جانا چاہیے۔

وہ روایت جو وقار کو کھا گئی۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے جنوبی ایشیا کے ممالک میں ایک انتہائی افسوسناک طریقہ رائج ہو گیا ہے، بڑے ممالک کا کوئی بھی درمیانے درجے کا سفارت کار آتا ہے، کوئی اسسٹنٹ سیکرٹری یا کوئی خصوصی ایلچی آتا ہے تو ان ممالک کے وزرائے اعظم اس کے استقبال کے لیے فوراً حاضر ہو جاتے ہیں، کیا یہ مہمان نوازی ہے؟ نہیں یہ خود سپردگی ہے، یہ وہ ذہنیت ہے جو نوآبادیاتی دور سے چلی آ رہی ہے، جب چھوٹے ممالک کے حکمران بڑے ملکوں کے ادنیٰ نمائندوں کے سامنے بھی دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں، خود ان ممالک کے وزرائے اعظم اسے اپنی عظمت سمجھتے ہیں جیسے امریکہ یا برطانیہ کا کوئی بھی نمائندہ مل لے تو بہت بڑی بات ہو گئی، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس رویے نے ان ممالک کے وقار کو تار تار کر دیا اور بیرونی طاقتوں کو یہ تاثر دیا کہ ان کے ساتھ کسی بھی سطح پر، کسی بھی انداز میں معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

پچھلے وزرائے اعظم کا عمومی رویہ

۲۰۰۶ کے بعد سے تمام وزرائے اعظم جناب کے پی شرما اولی، جناب شیر بہادر دیوبا، جناب پشپ کمل دہال پرچنڈا مختلف ملکوں کے سفراء سے انفرادی طور پر ملتے تھے، اکثر وزارتِ خارجہ کے کسی افسر کے بغیر، نہ کوئی نوٹ لیا جاتا، نہ کوئی ریکارڈ رکھا جاتا، خارجہ پالیسی جس کے ہاتھ میں اقتدار ہو اس کی ذاتی پسند کے تابع ہو جاتی تھی، نیپال کے سابق سفیر شمبھو رام سمکھڑا نے خود کہا "پچھلی حکومتوں میں ایک قسم کی لاپرواہی تھی، کوئی ذمہ دار نہیں تھا"۔ خلاصہ یہ کہ ہر آنے والا سفیر، ہر درمیانے درجے کا امریکی یا بھارتی افسر سیدھا وزیراعظم سے ملتا رہا، یہ روایت اتنی پختہ ہو گئی تھی کہ جب بالیندراشاہ نے اسے توڑا تو بعض سفراء کو صدمہ ہوا۔

شاہ کا فیصلہ—اصول کی واپسی۔

وزیراعظم بالیندراشاہ نے مارچ ۲۰۲۶ میں اقتدار سنبھالتے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ صرف اپنے ہم منصبوں سے یعنی وزرائے اعظم، صدور، اور وزرائے خارجہ سے ملاقات کریں گے، اس پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے پہلے امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ سمیر پال کاپور سے ملنے سے معذرت کی، اور پھر ٹرمپ کے خصوصی ایلچی سرجیو گور سے بھی ملاقات نہ کی، باوجود اس کے کہ امریکی جانب سے بھرپور کوشش کی گئی۔

یہ فیصلہ کوئی بے سوچا سمجھا اقدام نہیں تھا، یہ ایک باضابطہ اعلانیہ پالیسی ہے، جسے وزیراعظم شاہ نے شروع سے ہی قائم کیا اور تمام ممالک کے سفیروں کو اپریل کے اوائل میں اجتماعی طور پر بلا کر یہ طرزِ عمل واضح کر دیا۔

پروٹوکول کمزوری نہیں، قوت ہے

کچھ لوگ یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ نیپال ایک چھوٹا ملک ہے، اسے بڑی طاقتوں سے تعلقات خراب کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے، لیکن یہی سوچ اصل مسئلہ ہے، چھوٹا ملک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وقار بھی چھوٹا ہو، بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ جو چھوٹے ممالک اپنا وقار نہیں بچاتے، طاقتور ممالک انہیں کبھی برابر کا شریک نہیں سمجھتے، کیا امریکہ کا وزیراعظم کبھی نیپال کے کسی درمیانے درجے کے سفارت کار سے ملتا ہے؟ کیا برطانیہ، فرانس یا جرمنی میں ایسا ہوتا ہے؟ یہ تمام ممالک سختی سے یہی پروٹوکول مانتے ہیں، پھر صرف جنوبی ایشیا کے ممالک کے لیے یہ اصول کیوں نہ ہو؟ وزیراعظم شاہ نے ایک انتہائی واضح اور درست پیغام دیا ہے نیپال اپنا احترام چاہتا ہے، اور احترام لینے کے لیے پہلے خود کو قابلِ احترام ثابت کرنا پڑتا ہے۔

وقار کی بحالی—ایک ضروری اور جرأتمندانہ عمل

جو وقار برسوں میں کھویا جاتا ہے، اسے بحال کرنا آسان نہیں ہوتا، اس کے لیے اصول پر قائم رہنے کا حوصلہ چاہیے اور قلیل مدتی تکلیف برداشت کرنے کی صلاحیت چاہیے، وزیراعظم شاہ نے یہ سب دکھایا ہے، اندرونی آوازیں بھی اٹھیں کہ بڑے ممالک سے تعلقات کا خیال رکھا جائے، لیکن تعلقات کا خیال رکھنا اور اپنا وقار گنوانا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں، دنیا کا سب سے کامیاب سفارتی طریقہ وہی ہے جس میں برابری کی بنیاد پر بات ہو، نہ جھکتے ہوئے، نہ غرور سے، بلکہ اعتماد اور وقار کے ساتھ۔

خلاصہ

نیپال کے وزیراعظم بالیندرا شاہ کا یہ فیصلہ تاریخی ہے، انہوں نے ایک ایسی روایت کو چیلنج کیا جو دراصل نوآبادیاتی دور کی میراث تھی، انہوں نے ثابت کیا کہ پروٹوکول محض ایک رسمی ضابطہ نہیں، یہ قومی وقار کا آئینہ ہے، جو ممالک اپنے آپ کو باوقار سمجھتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں، اپنے ہم پلہ سے ملتے ہیں، اور باقی کام وزراء اور سفارت کار انجام دیتے ہیں، آج نیپال نے یہی کیا ہے، اور یہ فیصلہ پورے خطے کے لیے ایک روشن مثال ہے کہ چھوٹا ملک بھی بڑے وقار کے ساتھ سر اٹھا کر کھڑا ہو سکتا ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

اکس مسلم تحریک اور جدید ارتداد (تحقیق و تجزیہ)

قسط-۱

ڈاکٹر حسن مدنی ندوی

ریسرچ اسکالر اسلامک یونیورسٹی انڈونیشیا

مذہب تبدیلی اور ارتداد، اسلامی علمِ کلام اور جنوبی ایشیائی تاریخ و معاصر مذہبی سیاست کے اندر انتہائی متنازعہ خطہ تشکیل دیتے ہیں۔ ہزار سال سے زائد عرصے سے، اسلامی فقہ "رِدّہ" کے علمی، قانونی، اور سیاسی پہلوؤں سے نبرد آزما رہی ہے؛ یہ وہ عربی اصطلاح ہے جو دینِ اسلام سے انحراف، یعنی ارتداد کے لیے مخصوص ہے۔ سنی فقہ کے چاروں بڑے مکاتب (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے ساتھ ساتھ شیعہ فقہی روایات میں بھی تاریخی طور پر ردّہ کو دو الگ حیثیتوں میں دیکھا گیا: ایک، علمی و روحانی جرم (یعنی عہدِ الٰہی کی خلاف ورزی)، اور دوسرا، اسلامی ریاست کے خلاف سیاسی بغاوت یا غداری۔ یہ امتیاز تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ثابت ہوا، کیونکہ ارتداد کو بالعموم محض انفرادی ضمیر کی خلاف ورزی کے بجائے سیاسی مخالفت اور بغاوت کی ایک صورت سمجھا جاتا تھا۔ تاہم معاصر دور میں، بالخصوص برصغیرِ ہند میں، ارتداد ایک نجی خطا سے بدل کر ایک ایسی شناخت کی صورت اختیار کر چکا ہے جو علی الاعلان بیان کی جاتی ہے، تنظیمی طور پر منظم ہے اور سیاسی طور پر متحرک ہے۔

اکس مسلم تحریک: ایک سماجی اور فکری مظہر

سابقہ "اکس مسلم تحریک" بحیثیت ایک سماجی مظہر، اپنی موجودہ شکل میں نہایت فعال ہے۔ اگرچہ انفرادی طور پر اسلامی تاریخ کے ہر دور میں لوگ مختلف وجوہات کی بنیاد پر دینِ اسلام سے دستبردار ہوتے رہے ہیں، لیکن ایک اجتماعی شناخت اور سیاسی آواز کے دعوے دار خود ساختہ "اکس مسلم "برادریوں کا ظہور بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز کی خاص پیداوار ہے۔ برطانیہ کی "کونسل آف ایکس مسلمز"، جو سنہ ۲۰۰۷ء میں قائم ہوئی، مغربی تناظر میں اس تحریک کا پہلا ادارہ جاتی مظہر بنی۔ کارکن مریم نمازے اس تحریک کے مقصد کو یوں بیان کرتی ہیں کہ یہ "بغیر کسی خوف کے ارتداد اور توہینِ مذہب کے حق کے لیے احتجاج میں کھڑی ایک برادری ہے، اور مذہب سے آزادی اور ضمیر کی آزادی پر اصرار کرتی ہے۔" یہ تناظر اکس مسلمز کو محض ایک الٰہیاتی عقیدے کے مسترد کنندگان کے بجائے بنیادی انسانی حقوق کے دفاع میں کھڑی ایک تحریک کے طور پر پیش کرتا ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ مذہبی رخصتی کو سماجی طور پر کس طرح از سرِ نو اہمیت دی جا رہی ہے۔

ہندوستانی معاشرہ اس تناظر کے مطالعے کے لیے ایک نہایت اہم میدان فراہم کرتا ہے۔ پیو ریسرچ سینٹر کی طرف سے جاری کردہ جامع اعداد و شمار کے مطابق (جو ان کے سروے "مذہبِ ہند: رواداری اور تفریق" سے حاصل ہوئے)، تقریباً ۴۱ لاکھ ۱۴ ہزار ایسے ہندوستانی جو مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے، اب اسلام چھوڑ چکے ہیں۔ یہ تعداد ہندوستان کی تقریباً ۱۹ کروڑ ۶۰ لاکھ کی مجموعی مسلم آبادی کا محض ۲ فیصد بنتی ہے، یعنی ایک اقلیت کے اندر ایک مزید اقلیت، مگر مطلق اعداد کے اعتبار سے ایک حیران کن رقم ہے۔ اس تعداد کو جو چیز خاص اہمیت عطا کرتی ہے، وہ محض مجموعی عدد نہیں بلکہ وہ سماجی نمود اور تنظیمی ہم آہنگی ہے جو آج اکس مسلم شناخت کی پہچان بن چکی ہے۔ ماضی میں، دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں اسلام سے دستبردار ہونے والے افراد اکثر خاموشی اور احتیاط کے ساتھ ایسا کرتے تھے، تاکہ خاندانی بے دخلی، سماجی بائیکاٹ اور ممکنہ تشدد جیسے سنگین سماجی نقصانات سے بچا جا سکے۔ آج، ہندوستان کے بڑے شہروں میں نوجوان، تعلیم یافتہ اور شہری مسلمان علانیہ طور پر اپنا مذہب ترک کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں اکس مسلم تحریک کا ظہور جنوبی ایشیا میں مذہبی تبدیلی کے روایتی بیانیوں کو چیلنج کرتا ہے۔ تاریخی طور پر، اسلام سے رخصتی مخصوص راستوں پر عمل پیرا رہی ہے: نوآبادیاتی دور میں تعلیمی رسائی اور سماجی ترقی کے لیے نچلی ذات اور اچھوت تصور کیے جانے والے ہندو طبقات کا مسیحیت اختیار کرنا؛ قبائلی اور مقامی برادریوں کا تبلیغی رابطوں کے ذریعے بدھ مت یا مسیحیت کی جانب مائل ہونا؛ یا افراد کا کسی الگ اجتماعی شناخت کے دعوے کے بغیر بتدریج سیکولرزم، لادینیت یا انسانیت ہی دین ہے جیسے فریم ورک میں تحلیل ہو جانا۔ معاصر اکس مسلم تحریک ان تمام نمونوں سے مختلف ہے۔ یہ افراد محض اسلام کو ترک نہیں کر رہے، بلکہ سرگرمی سے نئی شناختوں کی تلاش میں ہیں۔ کچھ الحاد اور سائنس کی طرف رجوع کرتے ہیں، جبکہ دیگر بسا اوقات باضابطہ "دوبارہ تبدیلیِ مذہب" کے پروگراموں کے ذریعے ہندو فلسفے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ کچھ اپنی توجہ سیکولر ہندوستانی سیاست، بدھ مت یا ذاتی، غیر مذہبی روحانیت کی جانب موڑ لیتے ہیں۔ یہ مظہریاتی تنوع اور ارتداد کو ہندو قوم پرست منصوبوں میں سمو لینے کا عمل کافی تجزیاتی پیچیدگی کو جنم دیتا ہے۔

تحقیق کا دائرہ کار اور بنیادی سوالات

یہ مقالہ ہندوستان میں سابق مسلم تحریک کا جائزہ تین بنیادی تجزیاتی سوالات کے ذریعے لینا چاہتا ہے:

اول: وہ نفسیاتی، سماجی، فکری اور وجودی بحرانوں کا کون سا مجموعہ ہے جو بالخصوص نوجوان جنوبی ایشیائیوں میں اسلام سے تبدیلیِ مذہب کا محرک بنتا ہے، اور یہ ذاتی رخنے وسیع تر ساختیاتی قوتوں (بشمول اقلیتی مذہبی حیثیت، تعلیمی نظام، روزگار کا عدم استحکام اور سیاسی پسماندگی) کے ساتھ کس طرح باہم عمل کرتے ہیں؟

دوم: ہندو قوم پرست تنظیموں کی جانب سے سابق مسلم شناخت کی سیاسی کاری، مذہبی رخصتی کے مظہریات، معنی سازی اور زندگی کے تجربے کو کس طرح از سرِ نو تشکیل دیتی ہے، اور اس نجی روحانی سفر کو وسیع تر فرقہ وارانہ اور سیاسی منصوبوں کے اندر بھرتی شدہ کارکن میں کیسے بدل دیتی ہے؟

سوم: ہم اس سوال کا مطالعہ کیسے کر سکتے ہیں کہ لوگ اپنا مذہب کیوں ترک کرتے ہیں، جبکہ سکے کے دونوں رخ کو مدِ نظر رکھا جائے؟ ہمیں ایک ایسا طریقہ درکار ہے جو ایک طرف کسی فرد کے ذاتی، آزاد انتخاب کی وضاحت کرے، اور دوسری طرف ان بیرونی دباؤ (جیسے سماجی توقعات، قوانین اور سیاست) کو بھی تسلیم کرے جو اس انتخاب کو آسان یا مشکل بناتے ہیں۔

ترکِ مذہب کے عالمی رجحانات

گزشتہ چند دہائیوں کے دوران، تبدیلیِ مذہب اور ترکِ مذہب کے موضوع پر لکھے گئے بین الاقوامی علمی و تحقیقی لٹریچر میں نمایاں نظریاتی اور منہجی ارتقا دیکھنے میں آیا ہے۔ ابتدائی دور کی تحقیقات، جو زیادہ تر علمِ کلام اور تبلیغی تاریخ سے متاثر تھیں، تبدیلیِ مذہب کو عموماً دو متضاد زاویوں سے پرکھتی تھیں: یا تو اسے سازگار حالات میں فرد کے آزادانہ اور عقلی انتخاب کا نتیجہ قرار دیا جاتا تھا، یا پھر اس کے برعکس، اسے مادی مجبوری، نفسیاتی کمزوری یا مبلغین کی جانب سے فریب دہی کا شاخسانہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم، آج کے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ تبدیلیِ مذہب دراصل ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے۔ یہ کسی ایک محرک کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی اپنی شخصیت، اس کی تہذیب و ثقافت، وابستہ اداروں، حلقۂ احباب، خاندانی پس منظر اور اس کے گرد و پیش کے معاشی و سیاسی حالات کی مجموعی بنت سے تشکیل پاتا ہے۔

تبدیلیِ مذہب کے موضوع پر تحقیق کرنے والے صفِ اول کے ماہر، لیوس رامبو، اس حوالے سے صراحت کرتے ہیں کہ کوئی بھی نیا عقیدہ اپنانا محض ایک وقتی یا سادہ سا فیصلہ نہیں، بلکہ یہ ایک کٹھن اور مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ یہ کسی واحد سبب کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ ایک طویل عرصے تک اثر انداز ہونے والے مختلف عوامل اور دباؤ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ رامبو کی اس فکر نے محققین کے زاویۂ نگاہ کو یکسر بدل کر رکھ دیا؛ جس کے بعد وہ تبدیلیِ مذہب کو محض ایک سطحی واقعے کے بجائے ایک ایسے کثیر الجہتی عمل کے طور پر دیکھنے لگے جو بے شمار عوامل کے باہمی تعامل سے وجود میں آتا ہے۔

مختلف علاقائی تنازعات اور علمی جائزوں میں سامنے آنے والا ایک انتہائی اہم تجرباتی رجحان وہ ہے جسے بعض محققین دنیا بھر کے نوجوان مسلمانوں میں "ترکِ مذہب کی لہر" کا نام دیتے ہیں۔ مسیحی و مسلم تعلقات پر تحقیق کرنے والے ادارے 'زویمر سینٹر برائے مسلم مطالعات' کے مشاہدے کے مطابق، "اسلام کو اس وقت ان نوجوان مسلمانوں کی جانب سے ترکِ مذہب کی ایک بڑی لہر کا سامنا ہے جو شدید ایمانی بحران میں مبتلا ہیں۔" یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ یہ رجحان محض مغربی یا سیکولر معاشروں تک محدود نہیں رہا، بلکہ ارتداد کے خلاف سخت قانونی سزائیں رکھنے والے قدامت پسند مسلم اکثریتی ممالک (جیسے پاکستان، ایران، سعودی عرب اور تیونس) میں بھی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد ان بنیادی عقائد اور مذہبی پیمانوں پر سوالات اٹھانے لگی ہے جنہیں ان کے آباؤ اجداد سمجھتے تھے۔ بعض علمی حلقوں میں اس صورتحال کو اسلامی اداروں کے استحکام کے لیے ایک 'وقت کا سانحہ' سے تعبیر کیا جا رہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ آبادیاتی اور تعلیمی رجحانات نوجوان نسل میں ترکِ اسلام کے اس عمل کو مزید تیز کر رہے ہیں۔

دورِ حاضر میں ارتداد کو ترکِ مذہب کے تاریخی ادوار سے جو چیز ممتاز کرتی ہے، وہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے پلیٹ فارمز کا کلیدی کردار ہے۔ ماضی میں مذہبی شکوک و شبہات ایک انتہائی نجی معاملہ ہوا کرتے تھے، جنہیں انسان یا تو اپنے دل تک محدود رکھتا تھا یا محض چند انتہائی قریبی دوستوں سے شیئر کرتا تھا۔ لیکن آج ڈیجیٹل پلیٹ فارمز نے اس صورتحال کو یکسر بدل دیا ہے۔ اب ان کی بدولت ایسی عالمی اور باہم مربوط برادریاں تشکیل پا رہی ہیں جہاں مذہب چھوڑنا کوئی راز نہیں رہا، بلکہ اس کا کھلے عام اظہار کیا جاتا ہے، فخریہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور بتدریج اسے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ آن لائن فورمز، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز، یوٹیوب چینلز اور اسلامی افکار پر تنقید کرنے والے ڈیجیٹل کتب خانے، نوجوان مسلمانوں کو متبادل نظریات سے روشناس کرتے ہیں۔ یہ جغرافیائی طور پر دور دراز بیٹھے لیکن ہم خیال افراد کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرتے ہیں، جس سے انہیں اپنی مقامی مسلم برادریوں کی کڑی نگرانی اور سماجی دباؤ سے آزاد ہو کر نئی شناختیں تراشنے کا موقع مل جاتا ہے۔

لیوس رامبو کا نظریۂ تبدیلیِ مذہب

جدید دور کے محققین جب بھی تبدیلیِ مذہب کے اسباب اور محرکات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو وہ بالعموم لیوس رامبو کی ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی شہرہ آفاق کتاب ہی سے رجوع کرتے ہیں۔ رامبو نے انسان کے اس روحانی تجربے کو ایک مرحلہ وار عمل میں تقسیم کیا ہے، اور ان کے وضع کردہ اصول آج بھی اس میدان میں حرفِ آخر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ چونکہ نفسیات اور مذہب کے ماہر ہیں، اس لیے ان کی تحقیق نفسیات، عمرانیات، بشریات، تاریخ، علمِ کلام اور علمِ تبلیغ کے عمیق مطالعے کا نچوڑ ہے۔ انہوں نے اپنا یہ ماڈل، تبدیلیِ مذہب پر موجود ایک صدی سے زائد عرصے پر محیط تحقیقی لٹریچر کے منظم جائزے اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے تفصیلی انٹرویوز کی بنیاد پر تشکیل دیا ہے۔

رامبو کے نظریے کی سب سے اہم جدت ان کا یہ استدلال ہے کہ تجرباتی سطح پر دیکھا جائے تو مسیحیت، اسلام، بدھ مت، ہندو مت یا کسی بھی دوسرے مذہب کو اپنانے کے عمل میں "کوئی بنیادی فرق" نظر نہیں آتا، بلکہ ان تمام متنوع روایات میں "تبدیلیِ مذہب کے نفسیاتی اور سماجی ڈھانچے حیرت انگیز حد تک ایک جیسے ہیں۔" ان کا یہ جامع استدلال ماضی کے ان تمام علمی رجحانات کو یکسر مسترد کرتا ہے جن کے تحت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہر مذہب میں تبدیلی کے محرکات اور حرکیات اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہوتی ہیں۔ رامبو کا وضع کردہ ماڈل درج ذیل سات باہم جڑے ہوئے مراحل پر مشتمل ہے:

سیاق و سباق (Context): اس سے مراد وہ تمام ثقافتی، سماجی، مذہبی، ادارہ جاتی اور انفرادی عوامل ہیں جو مل کر کسی شخص کے اندر نئے مذہب کو قبول کرنے کے لیے سازگار ماحول اور زمین ہموار کرتے ہیں۔

بحران (Crisis): یہ مرحلہ انفرادی، سماجی یا وجودی نوعیت کے ان ہنگامی حالات یا صدمات پر زور دیتا ہے جو انسان کی موجودہ شناخت، وابستگیوں اور زاویۂ نگاہ کو متزلزل کر دیتے ہیں۔

جستجو (Quest): یہ ایک فعال اور شعوری جدوجہد کا نام ہے، جس میں فرد بحران کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ذہنی خلفشار کا حل تلاش کرنے کے لیے نئے نظریات اور متبادل راستوں کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔

مڈبھیڑ (Encounter): یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب فرد پہلی بار کسی متبادل مذہب یا نظریے سے واقف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا پہلا باقاعدہ رابطہ استوار ہوتا ہے۔

تعامل (Interaction): اس مرحلے میں فرد اس نئے مذہب کے ساتھ گہرا تعلق بناتا ہے؛ اس میں نئے عقیدے کے پیروکاروں کے ساتھ مراسم بڑھانا، ان کی تعلیمات و رسومات کو سمجھنا اور ان کی برادری اور عالمی نظریے سے بتدریج مانوس ہونا شامل ہے۔

عہدِ بستگی (Commitment): یہ مرحلہ نئی مذہبی شناخت کو باقاعدہ طور پر قبول کرنے اور اس نئی برادری میں مکمل

نتائج (Consequences): یہ آخری مرحلہ تبدیلیِ مذہب کے بعد مرتب ہونے والے طویل المدتی سماجی، نفسیاتی، جذباتی اور وجودی اثرات کا احاطہ کرتا ہے۔

جنوبی ایشیا میں تبدیلیِ مذہب کی تاریخ

جنوبی ایشیا میں مذہبی تبدیلی پر ہونے والی علمی تحقیق، دورِ حاضر میں ارتداد کے محرکات کو سمجھنے کے لیے ایک نہایت اہم تاریخی پس منظر فراہم کرتی ہے۔ رچرڈ ایٹن نے بنگال میں قبولِ اسلام کی تاریخ پر جو بنیادی اور اہم کام کیا ہے، وہ صدیوں پر محیط دستاویزی شواہد، آبادیاتی تجزیوں اور سماجیاتی تشریحات کا نچوڑ ہے۔ ان کی تحقیق مؤثر انداز میں یہ ثابت کرتی ہے کہ نوآبادیاتی دور سے قبل، جنوبی ایشیا میں تبدیلیِ مذہب کا تعلق محض انفرادی عقیدے یا روحانیت سے نہیں تھا، بلکہ یہ بنیادی طور پر نئے معاشی نظاموں تک رسائی، سماجی ترقی کے مواقع اور انتظامی ڈھانچے میں شمولیت کی خواہش سے گہرائی تک جڑا ہوا تھا۔ ایٹن خاص طور پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ "یہ ہندو نہیں تھے جنہوں نے سب سے زیادہ آسانی سے اسلام قبول کیا، بلکہ یہ وہ غیر زرعی، جنگلوں اور چراگاہوں میں بسنے والی قومیں تھیں جن کا برہمنیت اور ذات پات کے طبقاتی نظام سے یا تو سرسری سا تعلق تھا، یا پھر وہ اس نظام سے بالکل ہی کٹی ہوئی تھیں۔" اس تناظر میں دیکھا جائے تو تبدیلیِ مذہب بنیادی طور پر ایک ایسی عملی حکمتِ عملی تھی جو نئے اور غالب سیاسی و معاشی نظام کے ساتھ ساتھ سماجی ڈھانچے میں انضمام کو ممکن بناتی تھی، نہ کہ یہ محض کسی روحانی ترغیب کے زیرِ اثر کیا گیا الٰہیاتی فیصلہ تھا۔

یہ تاریخی پس منظر عصری ہندوستانی معاشرے کی موجودہ مذہبی حرکیات کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ انیسویں صدی میں ہندو مت کی جانب 'دوبارہ تبدیلیِ مذہب' کی منظم تحریکیں ابھریں، جن میں بالخصوص مصلح دیانند سرسوتی کا قائم کردہ 'آریہ سماج' نمایاں تھا۔ یہ دراصل مسیحی مبلغین کی کوششوں اور اسلام کی جانب مسلسل بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف ایک سوچی سمجھی نظریاتی اور ادارہ جاتی جوابی کارروائی تھی۔ آریہ سماج نے ایک باقاعدہ مہم کا آغاز کیا جسے 'شدھی' کے نام سے جانا گیا، جس کا بظاہر مقصد ان افراد اور برادریوں کو دوبارہ ہندو مت میں شامل کرنا تھا جو پہلے اسلام، مسیحیت یا کسی اور مذہب کی جانب راغب ہو چکے تھے۔ آریہ سماج کے نزدیک یہ عمل نیا مذہب اپنانے کے بجائے اپنی اصل کی طرف 'بازیافت اور بحالی' تھا۔ تاہم، شدھی مہم سے متاثر ہونے والے افراد اور اس کا جائزہ لینے والے جدید محققین کے مطابق، یہ کوئی حقیقی روحانی بیداری نہیں تھی، بلکہ ابھرتی ہوئی ہندو قوم پرستی کے زیرِ اثر مسلط کردہ ایک جبری فرقہ وارانہ صف بندی تھی۔

اس حوالے سے دورِ حاضر کی نسلیاتی اور بشریاتی تحقیق ان افراد کی پیچیدہ اور غیر واضح سماجی حیثیت پر روشنی ڈالتی ہے جو جنوبی ایشیا میں اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں۔ سنہ ۲۰۲۲ء میں 'کنٹمپریری ساؤتھ ایشیا' مجلے میں شائع ہونے والے ایک اہم مقالے میں، محقق ایم وی سبرامنیم نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہندو مت اختیار کرنے والی مسلم جوگی برادریوں کا جائزہ لیا اور 'سماجی جمود' کا ایک نیا تجزیاتی تصور پیش کیا۔ سبرامنیم کا استدلال ہے کہ ہندو مت اختیار کرنا سماجی جمود کا باعث بن سکتا ہے؛ یعنی روایتی ہندو برادری کی جانب سے نومسلموں کو مکمل طور پر قبول نہ کیے جانے کے سبب، وہ ہمیشہ ایک ادھوری اور درمیانی سماجی حیثیت کے شکار رہتے ہیں۔ ان مسلم جوگیوں نے باقاعدہ ہندو مت اختیار کیا اور ہندو رسومات و شناخت بھی اپنائی، اس کے باوجود وہ مروجہ ہندو جوگیوں کی ذاتوں اور برادریوں میں پوری طرح ضم نہ ہو سکے۔ نتیجتاً، انہیں اپنی الگ برادریاں بنانا پڑیں جنہیں 'شدھی جوگی' کا نام دیا گیا۔ اس طرح ایک نئی ذات وجود میں آگئی جس نے مذہب بدلنے کے باوجود ان پر لگی سابقہ شناخت کی چھاپ کو برقرار رکھا۔

اس تحقیق کے نتائج موجودہ دور کے 'ایکس مسلم' افراد کے تجربات کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہیں۔ وہ سابق مسلمان جو بالخصوص منظم 'گھر واپسی' مہمات کے تحت ہندو مت اختیار کرتے ہیں، عموماً یہ محسوس کرتے ہیں کہ مذہب بدل لینے سے انہیں وہ سماجی قبولیت، اپنائیت، یا ماضی کے مذہب کا داغ مٹ جانے کا احساس خود بخود حاصل نہیں ہو جاتا جس کی وہ توقع کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، ہندو معاشرے میں ان کی حیثیت انتہائی مبہم رہتی ہے؛ جہاں ایک طرف ان کی مسلم شناخت اب بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی، تو دوسری طرف انہیں ہندو برادری کے ڈھانچے میں مکمل شمولیت سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔

ہندو قوم پرستی، 'گھر واپسی' اور ارتداد کا سیاسی استعمال

جدید علمی تحقیق اس بات کو پوری صراحت کے ساتھ عیاں کرتی ہے کہ دورِ حاضر کے ہندوستان میں اسلام ترک کرنے کا عمل، ہندو قوم پرست سیاسی ایجنڈے اور ان کے نظریاتی مقاصد کے ساتھ کس حد تک گہرائی سے جڑ چکا ہے۔ ہندی کی اصطلاح 'گھر واپسی' دراصل اسی 'دوبارہ تبدیلیِ مذہب' کی مہم کی جدید اور ادارہ جاتی شکل ہے۔ یہ مہمات بنیادی طور پر ہندو قوم پرست تنظیموں کی جانب سے چلائی جاتی ہیں، جن میں 'وشوا ہندو پریشد' (VHP)، جو ۱۹۶۴ء میں ہندو ثقافتی قوم پرستی کے فروغ کے واضح ایجنڈے کے ساتھ قائم ہوئی، اور 'راشٹریہ سویم سیوک سنگھ'

اور آزاد ہندوستان میں ہندو قوم پرست سیاست کی فکری و تنظیمی اساس رہی ہے، سرِ فہرست ہیں۔ اس کے علاوہ انیسویں صدی کی اصلاحی تحریک 'آریہ سماج' آج بھی ان رسومات کے لیے ادارہ جاتی ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔ یہ تنظیمیں صراحتاً اس عمل کو ایک 'گھر واپسی' کے پروگرام کے طور پر پیش کرتی ہیں، جس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم ہے کہ مسلمان اور مسیحی دراصل وہ لوگ ہیں جو اپنی حقیقی ہندو وراثت سے بھٹک گئے تھے، اور اب انہیں اپنی اصل تہذیبی و روحانی جڑوں کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

تاہم، 'گھر واپسی' کا تنقیدی جائزہ لینے والے محققین کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان مہمات کا بنیادی محرک قطعی طور پر روحانی یا الٰہیاتی نہیں، بلکہ سراسر سیاسی ہے۔ محققہ گیتا رنڈل نے ۲۰۱۹ء میں 'ریلیجنز' مجلے میں شائع ہونے والے اپنے ایک اہم مطالعے، جس کا عنوان "گھر واپسی اور رخصتی: ہندوستان میں سیاست اور اجتماعی تبدیلیِ مذہب کا تنازع" تھا، میں یہ استدلال پیش کیا ہے کہ "گھر واپسی کے رجحان میں موجودہ اضافے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے بنیادی طور پر ہندو قوم پرستی اور ملک کی سماجی و سیاسی تاریخ میں اس کی پیدائش و نشوونما کے عدسے سے دیکھا جائے۔" رنڈل بتاتی ہیں کہ ان مہمات کے پیچھے کارفرما اصل نظریاتی مقصد وہی ہے جسے براؤن یونیورسٹی کے ماہرِ سیاسیات اور جنوبی ایشیائی نسلی و مذہبی تنازعات کے محقق، آشوتوش ورشنی، "ہندوائزیشن" کا نام دیتے ہیں۔ اس سے مراد ایک ایسی قومی ریاست کی تشکیل ہے جس کی بنیاد سیاسی اداروں، آئینی ڈھانچوں، قانون کی حکمرانی یا شہری قوم پرستی کے بجائے صرف اور صرف ہندو تہذیب کے ساتھ جذباتی وفاداری پر استوار ہو۔ VHP اور RSS جیسی تنظیموں کے بیان کردہ ہندو قوم پرست ایجنڈے کے مطابق، ایک سچی ہندوستانی قومی شناخت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلم آبادی چند بنیادی مفروضوں کو تسلیم کرے:

اول، ہندوستانی تہذیب اور تاریخ میں ہندو مت کی مرکزی حیثیت؛

دوم، رام، کرشن اور شیو جیسی شخصیات کو محض مذہبی پیشوا نہیں بلکہ قومی ہیرو اور علامتیں ماننا؛

سوم، فرقہ وارانہ تشدد، امتیازی سلوک اور قومی دھارے سے بے دخلی کے حوالے سے مسلمانوں کی تاریخی اور موجودہ شکایات کو حقیقی ناانصافیوں کے بجائے ناجائز اور بے بنیاد قرار دینا۔

یہ امر بھی خاص توجہ طلب ہے کہ 'گھر واپسی' مہمات کے تجرباتی اعداد و شمار یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کوئی نچلی سطح سے اٹھنے والی قدرتی، انفرادی یا روحانی تحریکیں نہیں ہیں۔ اس کے برعکس، یہ اعلیٰ سیاسی سرپرستی اور وافر وسائل سے لیس انتہائی منظم مہمات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ دستاویزی شواہد بتاتے ہیں کہ ۲۰۱۴ء میں آگرہ کے مقام پر ہندو قوم پرست تنظیموں نے ایک مربوط اقدام کے تحت ۱۰۰ سے ۲۵۰ کے درمیان مسلمانوں کو دوبارہ ہندو مت میں شامل کرنے کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح ۲۰۱۷ء میں، بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) کی زیرِ حکومت ریاست اتر پردیش کے علاقے امبیڈکر نگر میں ایک مہم چلائی گئی، جس میں کم از کم ۲۲ افراد (بشمول خواتین اور بچوں) کو آریہ سماج کے ایک مندر میں منعقدہ خفیہ تقریب کے دوران مذہب تبدیل کروایا گیا۔ ایسی دیگر بے شمار دستاویزی مہمات کا مرکز زیادہ تر بی جے پی کے زیرِ اقتدار ریاستیں (جیسے اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ) رہی ہیں۔ ان مہمات کا وقت جان بوجھ کر ایسا چنا جاتا ہے جب فرقہ وارانہ کشیدگی عروج پر ہو، کسی خاص سیاسی مسئلے پر معاشرہ منقسم ہو، یا انتخابات سر پر ہوں؛ جو اس بات کا واضح اور بھرپور اشارہ ہے کہ یہ مہمات انفرادی روحوں کی فلاح کے بجائے تبدیلیِ مذہب کے مذموم سیاسی استعمال کا ہتھیار ہیں۔

ان مہمات کا وسیع پیمانہ اور سیاسی کردار اس وقت مزید طشت از بام ہو جاتا ہے جب ہم ان کے پیچھے موجود اداروں اور شخصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ وشوا ہندو پریشد (VHP)، جسے ۱۹۶۴ء میں سوامی پرکاش آنند سرسوتی اور دیگر ہندو قوم پرستوں نے قائم کیا تھا، کھلے عام خود کو ہندو مفادات کا محافظ اور ہندو اتحاد کا علمبردار قرار دیتی ہے۔ ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی کے دوران ۱۹۲۵ء میں قائم ہونے والی تنظیم آر ایس ایس (RSS)، ہمیشہ سے ہندو قوم پرست سیاست کا نظریاتی چشمہ اور تنظیمی بنیاد رہی ہے۔ اس کے کئی سرکردہ ارکان ہندوستان کے وزیرِ اعظم کے منصب تک پہنچے، جن میں اٹل بہاری واجپائی (۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۴ء) اور نریندر مودی (۲۰۱۴ء تا حال) نمایاں ہیں۔ یہ تنظیمیں ہندوستان کے سیاسی منظر نامے میں کوئی معمولی یا حاشیائی حیثیت نہیں رکھتیں، بلکہ خصوصاً ۲۰۱۴ء میں مودی اور بی جے پی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے یہ مرکزی کردار ادا کر رہی ہیں۔ بی جے پی کی حکومت والی ریاستوں میں 'گھر واپسی' مہمات کا ارتکاز اور ان میں سرکاری اہلکاروں کی دستاویزی شمولیت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ جنہیں کبھی خالص مذہبی تحریکیں سمجھا جاتا تھا، اب وہ جزوی طور پر ریاستی مشینری اور سیاسی ڈھانچے

ہم نے تاریخ کیوں کھو دی؟ خلافتِ راشدہ سے آج کے ہندوستان تک اُمتِ مسلمہ کا سفر

سید آصف امام کاکوی
۷۹۷۰۶۳۱۱۶۷

تاریخ صرف گزرے ہوئے زمانوں کا نام نہیں، بلکہ آنے والے کل کی رہنمائی کا چراغ بھی ہے۔ جو قومیں اپنی تاریخ کو بھول جاتی ہیں، وہ اپنا مستقبل بھی دوسروں کے ہاتھوں میں دے دیتی ہیں۔ اور جو قومیں اپنی عظمت کے اسباب کو پہچان لیتی ہیں، وہ زوال کی گہرائیوں سے بھی دوبارہ عروج کی منزل تک پہنچ سکتی ہیں۔ آج جب ہم دنیا بھر میں مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو دل بے اختیار درد سے بھر جاتا ہے۔ کہیں جنگ ہے، کہیں غربت، کہیں جہالت، کہیں باہمی اختلاف، کہیں تعلیمی پسماندگی، کہیں نفرت کی سیاست اور کہیں شناخت کے مسائل۔ ہندوستان جیسے عظیم اور متنوع ملک میں بھی مسلمان مختلف سماجی، تعلیمی اور معاشی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان سب حالات کے درمیان ایک سوال بار بار ذہن میں ابھرتا ہے: آخر وہ اُمت، جس نے کبھی علم، انصاف، تہذیب اور انسانیت کی قیادت کی تھی، آج اس مقام تک کیسے پہنچی؟ اس سوال کا جواب جذبات سے زیادہ تاریخ میں پوشیدہ ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی طاقت صرف تلوار نہیں تھی، بلکہ ان کا کردار تھا۔ ان کی پہچان انصاف تھی، ان کی دولت دیانت تھی، ان کا سرمایہ علم تھا، اور ان کی قوت اللہ پر بھروسہ تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالی تو حالات نہایت نازک تھے۔ عرب کے کئی قبائل بغاوت پر آمادہ تھے، بعض نے زکوٰۃ سے انکار کیا، بعض نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ساتھ دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک کمزور قیادت پورے نظام کو بکھرنے دیتی، مگر حضرت ابو بکرؓ نے ثابت قدمی سے امت کو متحد رکھا۔ ان کا پیغام واضح تھا کہ دین کے اصول حالات کے دباؤ سے تبدیل نہیں ہوتے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا، جسے تاریخ انصاف کی ایک روشن مثال کے طور پر یاد کرتی ہے۔ ان کی عدالت میں ایک عام شہری بھی اپنے حق کے لیے آواز اٹھا سکتا تھا۔ راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کرنے والا حکمران اپنی رعایا کے حال سے باخبر رہتا تھا۔ ان کے نزدیک حکومت کا مطلب اقتدار نہیں، بلکہ جواب دہی تھا۔ یہی احساسِ ذمہ داری ایک ریاست کو مضبوط بناتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے

بنیاد پر ہمیشہ کے لیے نہیں ملتے، بلکہ ان کا تعلق کردار، انصاف، علم اور عمل سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا زوال بھی کسی ایک جنگ، کسی ایک بادشاہ یا کسی ایک واقعے سے شروع نہیں ہوا۔ یہ ایک طویل عمل تھا، جس میں ہم نے آہستہ آہستہ اپنی وہ خوبیاں کھو دیں جنہوں نے ہمیں دنیا کی قیادت عطا کی تھی۔ جس امت نے "اقرأ" سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا تھا، وہ امت آہستہ آہستہ کتاب سے دور ہوتی چلی گئی۔ جس قوم نے دنیا کو کتب خانے دیے، وہ خود مطالعے سے دور ہونے لگی۔ جس معاشرے میں عالم کا مقام بادشاہ سے بلند سمجھا جاتا تھا، وہاں علم کی جگہ حسب و نسب، دولت اور اقتدار نے لینا شروع کر دی۔ ہم نے اختلاف کو برداشت کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو کمزور کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ فقہی اختلاف، جو علمی وسعت کی علامت تھے، بعض اوقات باہمی نفرت کا سبب بن گئے۔ سیاسی اختلافات نے امت کو مزید تقسیم کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں کو وہ کام آسان لگنے لگا جو ایک متحد امت کے مقابلے میں کبھی ممکن نہ تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بغداد پر حملہ ہوا تو صرف ایک شہر نہیں گرا، بلکہ علم کا ایک عظیم مرکز خاک میں مل گیا۔ لاکھوں کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دی گئیں۔ یہ منظر صرف عمارتوں کی تباہی کا نہیں تھا، بلکہ ایک فکری زوال کی علامت بھی تھا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے کئی ادوار میں دوبارہ خود کو سنبھالا، لیکن جدید دور میں جب سائنس، صنعت، تعلیم اور ٹیکنالوجی کی نئی دنیا وجود میں آ رہی تھی، تو بہت سے مسلم معاشرے اس رفتار سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شعبے جن میں کبھی مسلمان رہنما تھے، ان میں دوسروں نے قیادت سنبھال لی۔ ہندوستان کی تاریخ بھی مسلمانوں کی خدمات سے خالی نہیں ہے۔ یہاں مسلمانوں نے صرف حکومتیں ہی قائم نہیں کیں، بلکہ زبان، ادب، فنِ تعمیر، موسیقی، دستکاری، تعلیم اور تہذیب میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اردو زبان اسی مشترکہ تہذیب کی خوبصورت علامت ہے، جس میں مختلف ثقافتوں اور زبانوں کی خوشبو شامل ہے۔ مدارس، خانقاہیں، کتب خانے اور تعلیمی مراکز صدیوں تک علم کے چراغ روشن کرتے رہے۔ بے شمار علماء، صوفیاء، شعراء اور مفکرین نے محبت، رواداری اور اخلاق کا پیغام عام کیا۔ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں

کریم کی حفاظت کے میدان میں وہ خدمات انجام دیں جنہیں امت ہمیشہ یاد رکھے گی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے علم، حکمت، شجاعت اور عدل کی ایسی مثالیں قائم کیں جو آج بھی رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ یہ چاروں خلفاء مختلف مزاج رکھتے تھے، مگر ایک چیز ان سب میں مشترک تھی: اقتدار ان کے لیے مقصد نہیں، امانت تھا۔ اسی سوچ نے مسلمانوں کو دنیا میں عزت دی۔ وقت گزرا تو مسلمانوں نے صرف حکومتیں قائم نہیں کیں، بلکہ علم و تہذیب کے ایسے مراکز آباد کیے جہاں مذہب، فلسفہ، ریاضی، طب، فلکیات، ادب اور فنونِ لطیفہ نے نئی بلندیوں کو چھوا۔ بغداد، قرطبہ، دمشق، قاہرہ اور سمرقند جیسے شہر علم کے چراغ بن گئے۔ دنیا کے مختلف خطوں سے طلبہ وہاں آتے، سیکھتے اور پھر اپنے علاقوں میں علم کی روشنی پھیلاتے۔ مسلمانوں نے اس زمانے میں یہ نہیں سوچا کہ علم صرف ایک قوم یا ایک مذہب کی میراث ہے۔ انہوں نے جہاں سے بھی مفید علم ملا، اسے سیکھا، اسے بہتر بنایا اور پوری انسانیت تک پہنچایا۔ یہی کشادہ دلی ان کی ترقی کا راز تھی۔ مگر تاریخ ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ عروج ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ جب قومیں علم سے دور ہونے لگتی ہیں، جب اختلاف دشمنی میں بدل جاتا ہے، جب انصاف کمزور پڑ جاتا ہے، جب اقتدار خدمت کے بجائے ذاتی مفاد کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور جب کردار کی جگہ صرف نعروں کو اہمیت دی جانے لگتی ہے، تو زوال کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زوال ایک دن میں نہیں آیا، بلکہ صدیوں کے دوران پیدا ہونے والی کمزوریوں کا نتیجہ

تھا۔ آج ہمیں اپنی تاریخ پر فخر ضرور ہونا چاہیے، مگر صرف ماضی کے قصے سنا کر حال کی ذمہ داریوں سے فرار اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ عزت وراثت میں نہیں ملتی، اسے ہر نسل کو اپنے کردار، اپنے علم، اپنی محنت اور اپنے انصاف سے دوبارہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے آج ضرورت اس بات کی ہے
کہ ہم ماضی کی عظمت کو یاد ضرور کریں، مگر اس سے بھی زیادہ یہ سوچیں کہ اس عظمت کی بنیادیں کیا تھیں، اور کیا ہم نے ان بنیادوں کو اپنی زندگی میں باقی رکھا ہے؟ تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ کوئی قوم ہمیشہ عروج پر نہیں رہتی اور کوئی قوم ہمیشہ زوال میں بھی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے کہ وہ دنوں کو لوگوں کے درمیان پھیرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عزت، اقتدار اور غلبہ صرف نسب، زبان یا ماضی کی عظمت کیقربانیاں دیں۔ اس تاریخ کو یاد رکھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ ملک کی تعمیر میں سب کی مشترکہ حصہ داری رہی ہے۔ آج ہندوستان ایک متنوع، جمہوری اور آئینی ملک ہے، جہاں مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی درست ہے کہ مختلف طبقات، جن میں مسلمان بھی شامل ہیں، تعلیم، روزگار، معاشی ترقی اور سماجی مواقع جیسے کئی چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں صرف شکایت کافی نہیں ہوتی۔ ہر قوم کو اپنے اندر بھی جھانکنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کو بہترین تعلیم دینی ہوگی۔ لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کی تعلیم کو یکساں اہمیت دینی ہوگی۔ نئی ٹیکنالوجی، سائنس، تحقیق، کاروبار اور جدید مہارتوں میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اپنے اختلافات کو کم کر کے اجتماعی ترقی پر توجہ دینی ہوگی۔ سب سے بڑھ کر اپنے کردار کو ایسا بنانا ہوگا کہ ہماری پہچان ہمارے اخلاق، دیانت، محنت اور خدمت سے ہو۔ اسلام ہمیں مایوسی نہیں، امید کا درس دیتا ہے۔ اگر ہم اپنی تاریخ سے سبق سیکھیں، اپنے حال کا دیانت داری سے جائزہ لیں اور مستقبل کے لیے علم، اتحاد اور کردار کو بنیاد بنائیں تو آنے والی نسلیں ایک بہتر معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں۔ اصل سوال یہ نہیں کہ ہمارے بزرگ کتنے عظیم تھے؛ اصل سوال یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے کیا وراثت چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آج دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ طاقت کی تعریف بدل چکی ہے۔ کبھی سلطنتوں کی وسعت طاقت کی علامت تھی، آج علم، معیشت، تحقیق، ٹیکنالوجی، میڈیا اور کردار طاقت کی اصل بنیاد بن چکے ہیں۔ جو قوم علم میں آگے ہے، وہی دنیا کی قیادت کر رہی ہے۔ یہ حقیقت بھی تلخ ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان جنگ، بے گھری، غربت، تعلیمی پسماندگی اور سیاسی بے یقینی

مگر اس حقیقت کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ صرف دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرا کر کوئی قوم ترقی نہیں کرتی۔ ہر قوم کو اپنے اندر بھی جھانکنا پڑتا ہے۔ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ یہاں مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے لوگ صدیوں سے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ مسلمانوں
کی فتوحات نہیں تھیں۔ ہماری طاقت صرف جذبات نہیں تھے۔ ہماری اصل طاقت ایمان، علم، انصاف، کردار، اتحاد، محنت اور اللہ پر کامل بھروسہ تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صداقت. حضرت عمر فاروقؓ کا عدل حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کا علم و شجاعت. یہ صرف تاریخ کے ابواب نہیں، بلکہ زندگی گزارنے کا مکمل دستور ہیں۔ اگر ہم واقعی اپنے بزرگوں سے محبت کرتے ہیں تو صرف ان کے نام لینے سے نہیں، بلکہ ان کے کردار کو اپنی زندگی میں اتارنے سے کریں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر گھر میں ایک کتاب خانہ ہو۔ ہر بچہ قرآن بھی پڑھے اور سائنس بھی۔ ہر نوجوان مسجد سے بھی جڑا ہو اور یونیورسٹی سے بھی۔ ہر تاجر دیانت دار ہو۔ ہر استاد مخلص ہو۔ ہر صحافی سچ لکھنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ہر سیاست دان عوام کو امانت سمجھے۔ اور ہر شہری اپنے ملک کے آئین، قانون اور امن کا احترام کرے۔ یہی وہ راستہ ہے جو قوموں کو عزت دیتا ہے۔ میں اپنے قلم کے ذریعے اپنی نوجوان نسل سے کہنا چاہتا ہوں مایوس مت ہونا۔ اپنی تاریخ پڑھو، مگر ماضی میں مت جیو۔ حال کو سمجھو، مستقبل کی تیاری کرو۔ اپنے والدین کی عزت کرو۔ اپنے اساتذہ سے علم حاصل کرو۔ اپنے ملک سے محبت کرو۔ اپنے دین کو سمجھو۔ اور انسانیت کی خدمت کو اپنی پہچان بنا لو۔ یاد رکھو، دنیا میں عزت مانگنے سے نہیں، اپنے کردار سے حاصل ہوتی ہے۔ آخر میں میرے قلم سے صرف ایک دعا نکلتی ہے اے اللہ! اس امت کو پھر سے علم کی روشنی عطا فرما۔ ہمارے دلوں سے نفرتیں دور فرما۔ ہمیں انصاف، دیانت اور اتحاد کی دولت عطا فرما۔ ہمارے نوجوانوں کو بہترین تعلیم، مضبوط کردار اور بلند حوصلہ عطا فرما۔ ہمارے وطن ہندوستان میں امن، بھائی چارہ، انصاف اور خوشحالی قائم رکھ۔ ہمیں ایسا مسلمان بنا جو اپنے دین کا بھی سچا نمائندہ ہو اور اپنے وطن کا بھی بہترین شہری ہو۔ آمین۔ وقت گزر جائے گا. نسلیں بدل جائیں گی. حکومتیں بدل جائیں گی. مگر تاریخ ہمیشہ یہ سوال پوچھتی رہے گی کہ جب تمہارے سامنے علم اور جہالت، اتحاد اور انتشار، کردار اور مفاد، سچ اور جھوٹ میں سے انتخاب کا وقت آیا تھا، تو تم نے کس راستے کا انتخاب کیا؟ قوموں کی تقدیر نعروں سے نہیں بدلتی، بلکہ قلم، کتاب، کردار، انصاف اور مسلسل محنت سے بدلتی ہے۔ اگر ہم نے یہ راستہ اختیار کر لیا تو یقین رکھیے، آنے والی نسلیں صرف ہمارا ماضی نہیں پڑھیں گی، بلکہ ہمارے آج کو بھی اپنی

محمد رفیعؒ: ایک لازوال آواز، جو آج بھی دلوں میں زندہ ہے

۴۶ویں برسی پر خراجِ عقیدت
جدہ میں مقیم ایک شیدائی امان اللہ نظامی نے اپنے گھر کو ہندی فلموں کے نادر میوزیم میں تبدیل کر دیا تھا

ممبئی، ۳۰ جولائی:
ہندوستانی فلمی موسیقی کی تاریخ میں اگر کسی ایک آواز کو دوام اور ابدیت حاصل ہوئی ہے تو وہ بلاشبہ محمد رفیعؒ کی آواز ہے۔ اپنی بے مثال گائیکی، سادگی، خوش اخلاقی اور فن سے غیر معمولی وابستگی کے باعث وہ نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا بھر میں موسیقی کے شائقین کے دلوں پر آج بھی حکمرانی کر رہے ہیں۔ ان کے انتقال کو ۴۴ برس گزر چکے ہیں، تاہم ان کے نغموں کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بزرگوں کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل بھی اسی محبت اور وارفتگی کے ساتھ ان کے گیت سنتی اور گنگناتی ہے۔

۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو محمد رفیع اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ، جمعہ کا بابرکت دن اور ممبئی میں موسلا دھار بارش کے باوجود باندرہ سے سانتا کروز کے جوہو مسلم قبرستان تک لاکھوں افراد ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ معروف صحافی حسن کمال نے اس موقع پر ہفت روزہ اردو بلٹز میں اپنے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ رمضان کا مقدس مہینہ اور جمعہ کا دن محمد رفیع جیسے نیک اور مخلص انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کی علامت ہے اور وہ یقیناً جنت الفردوس کے مستحق ہوں گے۔ چار دہائیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہ منظر اور یہ الفاظ آج بھی لوگوں کے حافظے میں محفوظ ہیں۔

محمد رفیع ۲۴ دسمبر ۱۹۲۴ء کو پنجاب کے ضلع امرتسر کے گاؤں کوٹلہ سلطان سنگھ میں ایک متوسط مسلم خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں وہ ایک فقیر کی آواز سے بے حد متاثر ہوئے جو گلیوں میں گاتے ہوئے گزرتا تھا۔ اسی آواز نے ان کے دل میں موسیقی سے محبت کی بنیاد رکھی۔ ان کے بڑے بھائی حمید نے اس رجحان کو نہ صرف پہچانا بلکہ ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور انہیں باقاعدہ موسیقی کی تعلیم دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

فلمی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد محمد رفیع نے اپنی منفرد آواز

، بے مثال ادائیگی اور ہر کیفیت کے مطابق آواز ڈھالنے کی غیر معمولی صلاحیت کے ذریعے وہ مقام حاصل کیا جو بہت کم فنکاروں کو نصیب ہوتا ہے۔ انہوں نے رومانوی گیت، درد انگیز نغمے، قوالیاں، بھجن، نعتیں، غزلیں، قومی نغمے اور مزاحیہ گیت—ہر صنف میں اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔

محمد رفیع کی آواز کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر اداکار کی شخصیت کے مطابق اپنے انداز کو بخوبی ڈھال لیتے تھے۔ انہوں نے پرتھوی راج کپور، راج کپور، شمی کپور، رندھیر کپور اور رشی کپور سمیت کپور خاندان کی کئی نسلوں کے لیے اپنی آواز دی۔ شمی کپور نے ان کے انتقال پر جذباتی انداز میں کہا تھا: "میری آواز چلی گئی۔" یہ جملہ محمد رفیع کی عظمت کا ایک نمایاں اعتراف سمجھا جاتا ہے۔

ان کے گائے ہوئے ہزاروں نغموں میں "چودھویں کا چاند ہو"، "تیری پیاری پیاری صورت کو"، "چاہے مجھے کوئی جنگلی کہے"، "دل کے جھروکے میں"، "بابل کی دعائیں لیتی جا"، "تعریف کروں کیا اس کی"، "یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں"، "تیری آنکھوں کے سوا"، "پردہ ہے پردہ"، "یہ ریشمی زلفیں"، "آدمی مسافر ہے"، "جو وعدہ کیا وہ نبھانا پڑے گا"، "سہانی رات ڈھل چکی"، "بار بار دیکھو"، "آنے سے اس کے آئے بہار" اور متعدد دیگر شاہکار شامل ہیں، جو آج بھی موسیقی کے شائقین کی زبان پر ہیں۔

محمد رفیع کو ان کی غیر معمولی خدمات کے اعتراف میں چھ فلم فیئر ایوارڈز سے نوازا گیا، جبکہ حکومتِ ہند نے انہیں پدم شری کے اعزاز سے بھی سرفراز کیا۔ اپنے طویل فنی سفر میں انہوں نے ہزاروں گیت گائے جن کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔

محمد رفیع کے مداح صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھے بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، خلیجی ممالک، یورپ اور امریکہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہی عقیدت مندوں میں افغان نژاد امان اللہ نظامی بھی شامل تھے، جو طویل عرصہ

امان اللہ نظامی کو ہندی فلموں اور فلمی موسیقی سے غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اپنے گھر کو ایک منفرد فلمی میوزیم کی شکل دے رکھی تھی، جہاں ۱۹۳۰ء کی دہائی سے لے کر جدید دور تک کی ہزاروں فلموں کے ویڈیو کیسٹ، سی ڈیز اور دیگر نادر فلمی مواد محفوظ تھا۔ انہوں نے اپنے مکان میں ایک نجی تھیٹر بھی قائم کیا تھا، جہاں فلمی تاریخ کا قیمتی سرمایہ محفوظ رکھا گیا تھا۔

محمد رفیع سے ان کی عقیدت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء، یعنی جس روز محمد رفیع کا انتقال ہوا، اسی دن ان کے بڑے صاحبزادے کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے خاندانی مخالفت کے باوجود اپنے بیٹے کا نام محمد رفیع رکھا۔ ان کا مؤقف تھا کہ اپنے محبوب گلوکار کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر طریقہ ممکن نہیں۔

امان اللہ نظامی پرانی ہندی فلموں کے ایک چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا

سمجھے جاتے تھے۔ کسی بھی فلم، اداکار، اداکارہ، موسیقار یا گیت کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس کی مکمل تفصیلات بیان کر دیتے تھے۔ محمد رفیع کے بے شمار نغمے انہیں ازبر تھے،

آج اگرچہ امان اللہ نظامی اس دنیا میں موجود نہیں، تاہم ان کی قائم کردہ فلمی یادگار اور محمد رفیع سے ان کی بے مثال وابستگی اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ ایک عظیم فنکار اپنے فن کے ذریعے نسلوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

شاعر کے یہ اشعار محمد رفیع کی شخصیت پر آج بھی پوری طرح صادق آتے ہیں:
تم مجھے یوں بھلا نہ پاؤ گے جب کبھی سنو گے گیت میرے سنگ سنگ تم بھی گنگناؤ گے۔
واقعی، محمد رفیع صرف ایک گلوکار نہیں تھے بلکہ برصغیر کی موسیقی کا وہ

درخشاں باب تھے جسے وقت کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ان کی آواز آج بھی فضاؤں میں گونجتی ہے، دلوں کو مسحور کرتی ہے اور آنے والی نسلوں کو بھی اسی طرح متاثر کرتی رہے گی جس طرح گزشتہ کئی دہائیوں سے کرتی آ رہی ہے۔

Javed Jamaluddin Javed@
۹۸۶۷۶۴۷۷۴۱

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

سورة النازعات ایک مختصر تعارف

سورۃ النازعات ایک مختصر تعارف محمد عبد الحفیظ اسلامی خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ و سینئر کالم نگار ۹۸۴۹۰۹۹۲۲۸ قرآن کریم کی یہ ۷۹ ویں سورت "النازعات" (پارہ عَمّ) مکی سورتوں میں شامل ہے، اس میں ۴۶ آیات کریمہ ۲ رکوعات آئے ہیں، حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ "سورۃ النبا" کے معاً بعد نازل ہوئی سورت ہے۔ اور خود اس کا مضمون اور اس میں بیان کردہ چیز یہ بتارہی ہے کہ یہ مکہ میں نبوت کے ابتدائی دور میں نازل شدہ سورت ہے۔ قارئین کرام کو پھر ایک بار یہ بات یاد دلانا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ قیامہ، سے شروع ہوکر مذکورہ بالا سورت "النازعات" جملہ پانچ سورتوں میں جو سلسلہ وار آیات نازل ہوئی ہیں، ان سب کے مضامین میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ یعنی ان سورتوں میں آخرت اور قیامت پر پرزور انداز میں بات سمجھائی گئی ہے۔ لہٰذا اب اس سورہ "النازعات" میں بھی روز قیامت اور زندگی بعد موت کی وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس انجام بد سے آگاہ کردیا گیا کہ خدا کے رسولِ برحق کو جھٹلانے کا کتنا بُرا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ آغاز سورہ میں پانچ مختلف اوصاف کی حامل ہستیوں کا ذکر ہوا یعنی حکم خداوندی کے مطابق ساری کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم کھاکر اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوکر رہے گی اور موت کے بعد دوسری زندگی ضرور پیش آکر رہے گی۔ زندگی بعد موت کے اثبات میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ (دیکھو!) جو فرشتے آج انسانوں کے اندر سے جو جان نکال لے جاتے ہیں کل وہی فرشتہ اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں میں دوبارہ جان لوٹا سکتے ہیں اور اس بات پر بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جو فرشتے آج اللہ کے حکم کی تعمیل میں کائنات کا انتظام چلارہے ہیں وہی فرشتے کل اللہ ہی کے حکم کے مطابق اس کا نظام درہم برہم بھی کرسکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا نظام بھی قائم کرسکتے ہیں، مختصر یہ کہ قیامت کا برپا ہونا انسانوں کا دوبارہ جی اُٹھنا ناممکن ہرگز نہیں۔ اس سلسلہ میں مزید وضاحت فرمائی گئی کہ قیامت برپا کرنے میں اللہ تعالی کو کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ یہ لوگ (مشرکین مکہ و منکرین آخرت) اسے ایک امر محال سمجھ کر اس میں ہنسی اُڑا رہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے بس ایک جھٹکا، دنیا کو اور اس کے نظام کو اُلٹ پلٹ کرر کھ دے گا۔ اسی طرح کا ایک اور جھٹکا اس بات کے لیے کافی ہے کہ تم ایک دوسری دنیا میں اپنے آپ کو زندہ موجود پاؤ گے۔ پھر اس سورۃ میں قیام و آخرت تھے، اس دن کے احوالِ آخرت دیکھ دیکھ کر خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ جسے وہ ناممکن تصور کرتے ہوئے دنیا میں زندگی بسر کی تھی۔ پھر آگے مضمون میں مشرکین کو عبرت دلانے کیلئے آیت ۱۵ میں یوں بیان ہوتا ہے۔ "ھَلۡ اَتٰکَ حَدِیۡثُ مُوۡسٰی" (کیا تمہیں موسیٰؑ کے قصے کی خبر پہنچی ہے؟) یہ اچانک حضرت موسیٰ کا یہاں جو ذکر آگیا ہے یہ بہت ہی اہم ہے کیونکہ اس کا روئے سخن فرعون کی طرف ہے۔ مفسرین کرام اسکی دلنشیں تشریح فرماتے ہیں ۱: حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں " قیامت کا ذکر ہورہا ہے کہ اچانک روئے سخن فرعون کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ انکارِ قیامت پر سختی سے اڑے ہوئے تھے، کسی دلیل سے وہ متاثر نہیں ہورہے تھے، اس لئے ان کے سامنے ایک ایسے شخص کا دردناک انجام پیش کیا جارہا ہے جو قیامت کا منکر تھا اور اسی وجہ سے وہ سرکشی و طغیانی میں اتنا دور نکل گیا تھا۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ اے میرے رسول کے ساتھ ٹکر لینے والو! اور اس کی باتوں کا انکار کرنے والو! تم سے پہلے فرعون جیسے مطلق العنان حکمراں نے میرے رسول، موسی علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح ٹکر لی تھی۔ وہ بھی ان کی تکذیب کرتا اور قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا وہ تم نے بارہا سُنا ہے۔ کیا تم اپنے لئے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔ نیز اس میں اللہ تعالی اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے موسٰی کو کامیاب کیا ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا، اسی طرح ہم آپ کے دین کا بول بالا کریں گے اور آپ کی نبوت کا پرچم ہر جگہ لہرا دیں گے۔" (ضیاء القرآن) ۲: حضرت مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ۔ لکھتے ہیں کہ " چونکہ آخرت کو نہ ماننا اور اس کا مذاق اڑانا دراصل کسی فلسفے کو رد کردینا نہیں تھا بلکہ اللہ کے رسول کو جھٹلانا تھا، اور جو چالیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چل رہے تھے وہ کسی عام آدمی کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کے رسول کی دعوت کو زک دینے کے لئے تھیں، اس لیے وقوع آخرت کے مزید دلائل دینے سے پہلے ان کو حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ سنایا جارہا ہے تاکہ وہ خبردار ہوجائیں کہ رسالت سے ٹکرانے اور رسول کے بھیجنے والے خدا کے مقابلے میں سر اٹھانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔" (تفہیم القرآن) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہاں پر مختصر طور پر قصہ بیان فرماتے ہوئے فرعون کا عبرتناک واقعہ سنایا گیا کہ رسول کو جھٹلانے اور ان کی ہدایت و رہنمائی سے اپنے آپ کو دور رکھنے اور رد کردینے سے اس کا کتنا بُرا حشر ہوا اور اس بات کو بھی واضح کردیا گیا کہ فرعون اپنی چالبازیوں سے وقت کے رسول کا کچھ بگاڑ نہ سکا بلکہ وہ خود اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوکر رہا۔ لہٰذا آج رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی طرف تمہیں بلارہے ہیں

ان کے ساتھ اگر تم بھی وہی رویہ اختیار کروگے جو فرعون کرچکا ہے تو تمہیں بھی اس سے عبرت "Nemesis" حاصلِ کرنا چاہئے کہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا، یعنی "اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی: آیت ۲۶" (بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے) بتانا مقصود یہ ہے کہ جس بندے کے دل میں اللہ کا ڈر خوف Awe of Allah ہے وہی شخص دنیا کی بھلائی اور آخرت کی کامیابی کے بارے میں غور فکر سے کام لیتے ہوئے اپنے رسول کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہوجائے گا۔ اس طرح سب لوگوں کو خبردار کیا گیا۔ آیت ۲۷ میں آسمان کی نشانیوں سے استدلال دیتے ہوئے بتلایا گیا کہ دیکھو! "کیا تمہارا بنانا زیادہ آسان ہے یا آسمان کا؟" مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، "فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ مرنے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہوجانے کے بعد تم دوبارہ کس طرح زندہ کئے جاسکتے ہو تو سوچو کہ یہ عظیم آسمان جو تمہارے سروں پر پھیلا ہوا ہے، اس کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا تمہارا پیدا کیا جانا؟ اگر اس کائنات کا خالق اس آسمان کے بنانے پر قادر ہوسکتا ہے تو دوسرا کون سا کام ہے جو اس سے زیادہ مشکل ہے کہ وہ اس پر قادر نہ ہوسکے!" تدبر قرآن۔ پھر آگے آیت ۲۸ میں آسمان کی بلندی کا ذکر کیا گیا کہ " اسکی چھت خوب اونچی اٹھائی پھر اس کا توازن قائم کیا" آیت ۲۹ میں پھر آسمان کی طرف، رات اور دن کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا" اور ڈھانک دیا اسکی رات کو: اور اسکا دن نکالا: یعنی،" رات اور دن کو آسمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ آسمان کا سورج غروب ہونے سے ہی رات آتی ہے اور اسی کے طلوع ہونے سے دن نکلتا ہے۔ رات کے لئے ڈھانکنے کا لفظ اس معنی پر چھاجاتی ہے جیسے اوپر سے پردہ ڈال کر ڈھانک دیا گیا ہو"۔ (اقتباس: ت ق) آیت ۳۰ میں زمین کے بچھانے کا ذکر ہوا: "اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا ہے" امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، " وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا" اس آیت میں زمین کو پھیلانے اور ہموار کرنے کا ذکر ہے، خلق یعنی (پیدا کرنا) اور چیز ہے، اور دحی (پھیلانا) اور چیز ہے، زمین کا مادہ تخلیق آسمان سے پہلے پیدا کیا البتہ زمین کو ہموار، تخلیق آسمان کے بعد کیا اور پھیلانے کا مطلب صرف ہموار کرنا ہی نہیں ہے بلکہ زمین کو رہائش کے قابل بنانا اور اس پر رہنے بسنے والوں کے لئے تمام ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرنا ہے" (تفسیر جلالین) پہلے زمین کی پیدائش ہوئی یا آسمان کی پیدائش؟ اس کی تشریح فرماتے ہوئے، مولانا مودودی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ "اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن میں کہیں زمین کی پیدائش کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور آسمانوں کی پیدائش کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، جیسے سورہ بقرہ آیت ۲۹ ہے۔ اور کسی جگہ آسمان کا ذکر پہلے اور زمین کی پیدائش

کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، جیسے ان آیات میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ دراصل تضاد نہیں۔ ان مقامات میں سے کسی جگہ بھی مقصود کلام یہ بتانا نہیں ہے کہ کسے پہلے بنایا گیا اور کسے بعد میں، بلکہ جہاں موقع محل یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالی کی قدرت کے کمالات کو نمایاں کیا جائے وہاں آسمان کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور زمیں کا بعد میں، اور جہاں سلسلہ کلام اس بعد کا تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو ان نعمتوں کا احساس دلایا جاے۔ جو انہیں زمین پر حاصل ہورہی ہیں وہاں زمین کے ذکر کو آسمانوں کے ذکر پر مقدم رکھا جائے۔ (تفہیم القرآن حاشیہ ۱۶) آیت ۳۱ میں زمین سے (پینے کھانے کی نعمتوں) پانی چارہ نکالنے کا ذکر کیا گیا جس سے بشمول انسان اللہ کی ہر مخلوق مستفید ہوتی ہے۔ چنانچہ "چارہ سے مراد اس جگہ صرف جانوروں کا چارہ نہیں ہے بلکہ تمام نباتات مراد ہے جو انسان اور حیوان دونوں کی غذا کے کام آتے ہیں" اقتباس۔ آیت ۳۰ میں پہاڑوں کو زمین پر جما دینے، گاڑ دینے کا ذکر ہوا۔ علامہ عبدالکریم اسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں " اللہ تعالی کے نشانات میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اس نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑدیا۔ گویا زمین پانی پر لنگر انداز کردی گئ۔ (عروۃ الوثقی)۔ یعنی ان پہاڑوں کی وجہ سے زمین دبی رہتی اور ہچکولے کھانے سے محفوظ رہتی ہے۔ آیت ۳۳: فرمایا مَتَاعًا لَّکُمۡ وَلِاَنۡعَامِکُمۡ سب کام تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے کئے۔! پھر آخرت اور حیات بعد الموت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور آخرت کے برپا کئے جانے کی ضرورت کو واضح کیا گیا کہ آخر یہ زندگی بعد الموت کیوں ہے۔ ایک عرب مفسر علامہ سید قطب شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں جسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔ "یہ حقائق کہ یہ کائنات ایک خاص نظم، تدبیر اور منصوبے کے مطابق بنائی گئی ہے اور

قیامت ایک حقیقت ہے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ انسان سے حساب و کتاب لیا جائے گا اور اس کے اعمال پر اسے جزاء و سزا دی جائے گی۔ اگر اس کائنات اور اس میں انسانی زندگی کی تخلیق ایک حکیمانہ انداز کے مطابق ہے تو پھر لازماً انسان اس نتیجے تک پہنچے گا کہ ایک دن اس زندگی کا خاتمہ ہوگا اور انسان اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے دوچار ہوگا۔ یہ بات انتہائی غیر معقول، اور غیر منصفانہ ہوگی کہ اس زندگی کا خاتمہ ایسا ہی ہو کہ ظالم، بدکار سزا پانے سے بچ جائیں اور مظلوم دنیا میں مشکلات جھیلنے کے بعد یونہی ختم کردیئے جائیں۔ اس قسم کے عقائد و نظریات اس حکمت، اس منصوبہ بندی اور اس تدبیر کے خلاف ہیں جو اس کائنات کی تخلیق اور تعمیر میں عیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حقائق کے بعد اب سورت کے مرکزی مضمون یعنی قیام قیامت کو لیا جاتا ہے یعنی وہ ہنگامہ عظیم جو برپا ہوگا اور پھر اس جہاں کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس سے قبل ذہنوں کو اس عقیدے کے قبول کرنے کے لئے تیار کرلیا گیا تھا۔ ذہن قبولیت کے لئے تیار تھا۔ لہٰذا یہ ذکر نہایت ہی مناسب وقت میں ہوا۔ (فی ظلال القرآن) آیت ۳۴ تا ۴۱ میں اس بات کو کھول کر بیان فرمادیا گیا کہ قیامت جب برپا ہوگی تو اسوقت انسان کی دائمی و ابدی زندگی اور مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کون حدود اللہ کی پابندی کرتے رہا اور کون اپنے نفس کی بندگی اختیار کرتے ہوئے ناجائز خواہشات کو پورا کرتے رہا اور کس نے اپنے خدا کے حضور جوابدہی کے احساس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے نفس کی ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے احتراز واجتناب کیا۔ دراصل یہی دو چیزیں ہیں جو آخرت کی فلاح و کامیابی، خسران و ناکامی کا سبب ہوتی ہیں۔ آخری آیات میں سب سے پہلے کفار و مشرکین کے اس سوال کا جواب ہے کہ "قیامت کب آئے گی؟" کیونکہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ سوال پوچھتے تھے کہ آپ جس قیامت کی بات کررہے ہیں، آخر وہ کب آئے گی ذرا اس کی تاریخ بھی بتاؤ؟ مطالعہ قرآن کے موقع پر یہ بات خوب یاد رکھنی ہے کہ کفار مکہ، نبی برحق، مخبر صادق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے متعلق جو سوال کرتے رہے تھے، یہ اپنی اصلاح کرلینے اور اپنے رویہ میں صالح تبدیلی لانے اور قیامت کی سختیوں سے بچنے کی فکر میں نہیں کرتے تھے بلکہ ان منکرین آخرت کا اصل مقصود صرف یہ تھا کہ اس کا مذاق اُڑایا جائے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا جواب بڑے ہی بلند انداز میں ارشاد فرمایا کہ اے میرے حبیبؐ اس (قیامت) کی تاریخ بیان کرنا آپ کے فرائض میں داخل نہیں ہے اور حکمت الٰہی کا تقاضہ بھی یہی کہ اسے صیغہ راز میں رکھا جائے کلام کے اختتام پر حضور کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروائی گئی کہ آپؐ کا کام صرف یہ ہے کہ خواب غفلت میں زندگی گزارنے والوں کو جگائیں، انہیں دعوت حق سنائیں، تاکہ لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرکے اپنی زندگی سنوار لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی پر عمل پیرا ہوکر قیامت کی سختیوں سے بچ جائیں، حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے لوگوں کو خبردار فرمارہے ہیں اس کا فائدہ صرف وہی لوگ اُٹھائیں گے جو

ایک مخلص دوست و بڑے بھائی سے ملاقات! احسانِ خداوندی اور محبت کا حسین احساس

سید شاہ خرم حسین منواری

زندگی کی سب سے قیمتی دولت نہ مال و زر ہے، نہ شہرت اور نہ ہی منصب، بلکہ وہ مخلص انسان ہیں جو ہر حال میں انسان کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ بہت سے تعلقات ماند پڑ جاتے ہیں، لیکن خلوص، محبت اور احترام پر قائم رشتے زمانے کی گردش سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی رشتے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور اس کے خاص فضل کی علامت ہوتے ہیں۔

چند روز قبل ایک طویل عرصے کے بعد میرے نہایت عزیز دوست، بزرگ بھائی، معروف صحافی، ادیب، محقق اور روحانی و تہذیبی موضوعات کے سنجیدہ قلم کار ٹی ایم ضیاء الحق سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے محبت، اخوت، انسان دوستی اور صوفیانہ افکار کے فروغ میں مصروفِ عمل ہیں۔ ان کی شخصیت علم، انکسار، خلوص اور اخلاق کا حسین امتزاج ہے، اور یہی اوصاف انہیں دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

یہ ملاقات محض دو افراد کا باہمی ملنا نہیں تھی، بلکہ محبت، اعتماد، اپنائیت اور بیتے ہوئے خوبصورت لمحات کی بازیافت تھی۔ برسوں کا فاصلہ چند لمحوں میں سمٹ گیا اور یوں محسوس ہوا جیسے وقت نے کبھی ہمارے تعلق کو کمزور ہی نہیں ہونے دیا۔

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جنہیں الفاظ مکمل طور پر بیان نہیں کرسکتے۔ ان کی اصل پہچان ان کا کردار، ان کا خلوص اور دوسروں کے لیے ان کی بے لوث محبت ہوتی ہے۔ ٹی ایم ضیاء الحق بھی انہی خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کے لہجے میں مٹھاس، گفتگو میں وقار، رویّے میں انکساری اور دل میں دوسروں کے لیے بے غرض محبت موجزن ہے

۔ ان سے ملاقات ہمیشہ انسان کے دل کو سکون اور ذہن کو تازگی عطا کرتی ہے۔

آج کے اس مادّی دور میں، جہاں اکثر تعلقات مفادات کے گرد گھومتے ہیں، ایسے مخلص اور باوفا لوگ کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سچی دوستی وہی ہے جو خوشیوں میں مسکرائے، غموں میں سہارا بنے، خاموشی کی زبان سمجھے، حوصلہ دے اور انسان کو اس کی خوبیوں اور کمزوریوں سمیت قبول کرے۔ یہی وہ رشتے ہیں جو زندگی کو خوبصورت اور بامعنی بنادیتے ہیں۔

اس ملاقات نے ایک بار پھر یہ احساس تازہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان پر خاص فضل فرماتا ہے تو اسے ایسے مخلص دوست عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر مرحلے پر محبت، اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کے شانہ بشانہ رہتے ہیں۔ ایسے لوگ واقعی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہیں، اور ان کی قدر کرنا دراصل اس نعمت پر شکر ادا کرنا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ میرے عزیز دوست اور بڑے بھائی ٹی ایم ضیاء الحق کو صحتِ کاملہ، درازئ عمر، عزت، کامیابی اور اپنی بے شمار رحمتوں سے نوازے، ان کے قلم کو مزید اثر و قبول عطا فرمائے، اور ہماری اس محبت، اخلاص اور بھائی چارے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

بلاشبہ، زندگی کی اصل کامیابی دولت جمع کرنے میں نہیں، بلکہ ایسے مخلص دلوں کو پانے میں ہے جو انسان کو بے غرض محبت، احترام اور اخلاص کا احساس دلاتے ہیں۔ یہی وہ سرمایہ ہے جو انسان کو ہر دور میں مالا مال بنادیتا ہے۔

آمین یارب العالمین۔

ہریانہ میں انڈیا قرآن ایوارڈ "کھوج سفر" مہم کا والہانہ خیر مقدم

حفظ و تجوید اور حُسن قراءت کے میدان میں طلبہ کی صلاحیت

کالی کٹ، دہلی (عبدالکریم امجدی)

کھوج سفر" قرآن ایوارڈ مہم ۲۰۲۶ کے وفد نے ہریانہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے معاشرے کے تمام شعبوں میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔ اس موقع پر دینی، سائنسی اور جدید تعلیم کی ضرورت اور اس کے فروغ کے حوالے سے عوام کو بیدار کیا گیا۔ وفد نے ہریانہ کے کسانوں اور صنعتی شعبے سے وابستہ افراد کے ساتھ نہایت مفید اور تعمیری تبادلۂ خیال کیا، جس میں تعلیم، سماجی ترقی اور قومی ہم آہنگی جیسے اہم موضوعات زیرِ بحث آئے۔ اسی سلسلے میں مرکز فروغِ اسلام برکاتِ اشفاق، ٹین، ضلع نوح (میوات) کے طلبہ کے لیے ایک خصوصی ورثہ ہیریٹیج ورکشاپ کا بھی انعقاد کیا گیا، جس میں ہندوستانی تہذیبی ورثے، تعلیمی شعور اور قومی یکجہتی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ پروگرام کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر زبیر امجدی کے مطابق انڈیا قرآن ایوارڈ محض ایک مقابلہ نہیں بلکہ ایک پائیدار قومی منصوبہ ہے، جو قرآنِ کریم اور اہلِ قرآن کی خدمت کے لیے وقف ہے، اور ایسے باشعور قرآنی نسل کی تعمیر کا عزم رکھتا ہے جو کتابِ اللہ کے پیغام کو علم و عمل دونوں کے ساتھ آگے بڑھائے۔ انہوں نے بتایا کہ اس سلسلہ میں ملک گیر پیمانہ پر کھوج سفر" کی تشہیری مہم جاری ہے۔ جس میں طلبہ، اساتذہ اور ارباب

مدارس و مساجد کے ملاقات اور قرآن ایوارڈ کا تعارف، مختلف ریاستوں کے درمیان اخوت و محبت، ہم آہنگی اور اتحاد کو فروغ دینا ہے۔ انڈیا قرآن ایوارڈ مسابقہ میں حفظ و تجوید اور حُسنِ قراءت کے میدان میں طلبہ کی صلاحیت کو نکھارنا ہے۔

اس موقع پر موجود اہم شخصیات کے اسماء سید احمد کبیر البخاری (ڈائریکٹر، جامعہ معدن) ذوالفقار علی ثقافی، منیجر جامعہ معدن عمر میلموری، ڈائریکٹر، گلوبل ریلیشنز بشیر سعدی، کیرالا، ڈائریکٹر حفظ انسٹی ٹیوشنز جامعہ معدن کھوج سفر کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر زبیر امجدی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)- محمد شفیع، کیرالا- محمد نسیم عدنی، محمد جنید عدنی۔

فوٹو کیپشن: انڈیا قرآن ایوارڈ کی تشہیری مہم ضلع نوح میوات مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق کے موقع پر شرکاء-----

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہندوستان کے عظیم شاعر تابشؔ ردولوی سے ایک خصوصی مکالمہ

تابشؔ ردولوی

ڈاکٹر محمد عادل فرازؔ

شعر وادب کو زندگی کی طرح جیو
ڈاکٹر محمد عادل فرازؔ (علی گڑھ)

محمد عادل فراز: آپ کی پیدائش، خاندانی پس منظر اور ردولی کی تہذیبی فضانے آپ کی شخصیت کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا؟

تابش ردولوی: ۵ اگست ۱۹۷۷ محلہ پورہ بساون ردولی میں پیدا ہوا۔ والدِ گرامی الحاج عظیم اللہ مرحوم جو ایک صوفی منش انسان تھے، اُن کے مطابق چار پیڑھی قبل غالباً میرے نگڑ دادا (صنف برہا) کے ایک معروف شاعر ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں کئی مقابلے بھی جیتے۔ چونکہ ردولی دورِ قدیم سے ہی علم و ادب اور ثقافت کا گہوارہ رہی ہے۔ استاد یوسف اثر، اسرار الحق مجاز، فوق ردولوی، پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر خورشید احمد نعمانی، پروانہ ردولوی، یہ تمام شعراءوادباءاسی زمین پر پیدا ہوئے۔ ان تمام شعراءوادباء کا مجھ پر خاصہ اثر رہاہے۔

محمد عادل فراز: شاعری کی طرف آپ کا پہلا رجحان کیسے پیدا ہوا؟ کیا کسی شخصیت یا واقعے نے اس ذوق کو مہمیز دی؟ بھی جیتے۔ چونکہ ردولی دورِ قدیم سے ہی علم و ادب اور ثقافت کا گہوارہ رہی ہے۔ استاد یوسف اثر، اسرار الحق مجاز، فوق ردولوی، پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر خورشید احمد نعمانی، پروانہ ردولوی، یہ تمام شعراءوادباءاسی زمین پر پیدا ہوئے۔ ان تمام شعراءوادباء کا مجھ پر خاصہ اثر رہاہے۔

محمد عادل فراز: شاعری کی طرف آپ کا پہلا رجحان کیسے پیدا ہوا؟ کیا کسی شخصیت یا واقعے نے اس ذوق کو مہمیز دی؟

تابش ردولوی: دورانِ تعلیم جب میں درجہ نہم کا طالب علم تھا، سماج شاشتر کے استاد محترم نند کمار پانڈے جی جو بچّو کے ادب پر نظمیں کہا کرتے تھے، اُنہیں کے کہنے پر پہلی نظم "ودیا" لکھی جو ایک ہندی اخبار "نوبھارت ٹائمز" کے گوشہء (چنی منی) میں شائع ہوئی۔ تبھی سے باقاعدہ شعر وشاعری کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔

محمد عادل فراز: آپ نے کن اساتذہء سخن سے اصلاح لی؟ ان کی صحبت نے آپ کے فن کو کس طرح نکھارا؟

تابش ردولوی: ماہرِ علم عروض و بلاغت محترم شمیم حیدر صاحب ردولوی میرے استاد ہیں۔ شعر و سخن کی تمام باریکیاں اُنہیں سے سیکھی۔ ان کے علاوہ پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، پروفیسر انیس اشفاق، والی آسی لکھنوی، منور رعنا، صغیر اشرف اور محترمہ قمر جمالی حیدرآباد جنہیں میں ہمیشہ "ماں" کہا کرتا تھا اور وہ بھی مجھے اپنا بیٹا مانتی تھیں، ان سبھی کی رہنمائی نے شعر و ادب کو اور جِلا بخشی۔

محمد عادل فراز: آپ کے نزدیک شاعری محض جذبے کا اظہار ہے یا ایک سماجی اور فکری ذمہ داری بھی؟

تابش ردولوی: جذبات کا اظہار تو ایک غیر پڑھا لکھا شاعر بھی کرسکتا ہے۔ پڑھا لکھا شاعر اپنے وسیع مطالعے کے ساتھ اپنے گرد وپیش کی خبر بھی رکھتا ہے جسے وہ آئینہ بناکر پیش کرتا ہے۔

محمد عادل فراز: آپ کی شاعری میں کلاسیکی روایت اور جدید حسیت ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اس امتزاج کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

تابش ردولوی: کلاسیکی روایت اور جدید فکروفن کی ہم آہنگی اُسی شاعر کے کلام میں ممکن ہے جس نے قدیم اساتذہءفکرِوفن اور اپنے عہد کا مطالعہ کیاہو۔

محمد عادل فراز: آپ کی شعری کائنات کے بنیادی موضوعات کیاہیں؟ عشق، انسان دوستی، تہذیب، روحانیت یاعصری مسائل میں کس پہلو کوزیادہ اہمیت دیتے ہیں؟

تابش ردولوی: خاکسار کی شعری کائنات میں اُن تمام موضوعات کی کار فرمائی ہے جو زندگی اور سماجیات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ویسے عصری مسائل میری ترجیحات میں سرِاوّل ہیں۔

محمد عادل فراز: آپ کی تخلیقی زندگی میں کن شعراء اور ادباء کا اثر نمایاں رہا؟

تابش ردولوی: میر تقی میر، میر انیس، مرزااسد اللہ خاں غالب، مولانا حسرت موہانی، یاس یگانہ چنگیزی، مولانا الطاف حسین حالی، پروفیسر شارب ردولوی

محمد عادل فراز: غزل کے موجودہ منظرنامے کو آپ کس زاویے سے دیکھتے ہیں؟ کیا آج کی غزل اپنے کلاسیکی معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے؟

تابش ردولوی: عہدِ قدیم سے دورِ جدید تک اُردو غزل کے وقار پر کوئی فرق نہیں آیاہے، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ جدید شاعروں نے کچھ فرسودہ خیالات کی عکاسی کرتے ہوئے غزل کے وقار کو مجروح کیا ہے۔

محمد عادل فراز: آپ کے نزدیک ایک کامیاب شاعر کے لیے مطالعہ، مشاہدہ اور ریاضت کی کیا اہمیت ہے؟

تابش ردولوی: مطالعہ، مشاہدہ، اور ریاضت کے بغیر کوئی شاعر کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد عادل فراز: آپ مشاعرے اور کتابی شاعری میں کس فرق کو محسوس کرتے ہیں؟

تابش ردولوی: آج کل کے مشاعرے مصنوعی آرائش اور گلے باز شاعروں کی آماجگاہ ہے جبکہ کتابی شاعری کلام کی پختگی، الفاظ کا در و بست، حُسنِ تاثیر، فصاحت و بلاغت، صنائع بدائع سے مزین ہوتا ہے۔ کتابی شاعری سے ہی شعر وادب کو حیات حاصل ہے۔

محمد عادل فراز: ردولی نے اردو ادب کو کئی نامور شخصیات عطا کی ہیں۔ اس ادبی روایت کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

تابش ردولوی: ردولی کی نامور ہستیوں میں یوسف اثر، فوق ردولوی، جامی ردولوی، مجاز ردولوی، جعفر مہدی، باقر مہدی، چرکین ردولوی، خان عزمی، پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر خورشید نعمانی، پروانہ ردولوی، واصف ردولوی اور خاکسار (تابش ردولوی)

محمد عادل فراز: آج کے نوجوان شعراء میں آپ کون سی خوبیاں اور خامیاں دیکھتے ہیں؟

تابش ردولوی: آج کے نوجوان شعراء نام زیادہ چاہتے ہیں اور کہنے پر بھی مطالعہ کی طرف راغب نہیں ہوتے جبکہ کچھ شاعر جو مطالعہ پر زور دیتے ہیں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

محمد عادل فراز: سوشل میڈیا کے دور میں شاعری کی اشاعت اور مقبولیت کے بدلتے ہوئے رجحانات پر آپ کی کیارائے ہے؟

تابش ردولوی: اشاعتی نقطہء نظر سے سوشل میڈیا ایک بہترین پلیٹ فارم ہے اور مقبولیت کا ایک اہم ذریعہ بھی۔ اس کے منفی اثرات بھی ہیں، نوجوان نسل کے شعراء نے کتابوں کا مطالعہ لگ بھگ بند کر دیا ہے۔

محمد عادل فراز: آپ کے نزدیک تنقید شاعر کی تعمیر کرتی ہے یااس کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے؟

تابش ردولوی: تنقید کا مطلب ہے کسی فن پارے کی اصل قدر و قیمت متعین کرنا یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ وہ فن پارہ نامکمل ہے جو تنقیدی نقطہء نظر سے نہ دیکھا جائے۔

محمد عادل فراز: آپ کی ادبی زندگی کا سب سے یادگار لمحہ کون سا ہے؟

تابش ردولوی: میری ادبی زندگی کا سب سے یادگار لمحہ اُس وقت پیش آیا جب میں لکھنؤ یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ شعبہء اُردو میں ایک ادبی تقریب کا انعقاد "جون ایلیا" کے نام سے کیا گیا۔ اس تقریب میں میں بھی شریک تھا۔ جب میں نے اپنا کلام پیش کیا تو جون ایلیا سر بہت محظوظ ہوئے اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں اور کہا کہ:
"تابش ردولوی کی شعری پرواز بہت بلند ہے جو وقت کے ساتھ مزید بڑھتی جائے گی۔"

محمد عادل فراز: آپ کی کون سی تصنیف یا شعری مجموعہ آپ کے دل کے سب سے زیادہ قریب ہے، اور کیوں؟

تابش ردولوی: ایک شعری مجموعہ "سُخن ساز" زیر ترتیب ہے۔ میری ایک نظم "اُردو کی کہانی اُردو کی زبانی" مجھے بہت عزیز ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ پر میری یہ پہلی نظم ہے۔ اس سے پہلے شاید کسی نے کہی ہو۔

محمد عادل فراز: آپ کی نظر میں اردو زبان کو درپیش سب سے بڑے مسائل کیاہیں، اور ان کے حل کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

تابش ردولوی: آج کل کے والدین اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم دلاتے ہیں، اُنہیں چاہیے انگریزی اور دیگر سبجیکٹ کے ساتھ اُردو کی تعلیم پر بھی زور دیں تاکہ اُن کے بچّوں کے ساتھ اُردو کا مستقبل بھی سنور سکے۔

محمد عادل فراز: آپ اپنی تخلیقی زندگی کے کسی ایسے واقعے کا ذکر کرنا چاہیں
گے جس نے آپ کے فن کو نئی سمت عطا کی ہو؟

تابش ردولوی: میری ایک نظم ہے "اعتراف" جو سورہءیٰسین کا عکسی ترجمہ ہے جسے ایک مشاعرے میں پڑھنے کے بعد شعری افکاروفن کو ایک نئی سمت عطا ہوئی۔

محمد عادل فراز: نئی نسل کو شاعری کے میدان میں آنے کے لیے آپ کیا رہنمائی دینا چاہیں گے؟

تابش ردولوی: نئی نسل کے شاعروں کے لئے میرا یہی مشورہ ہے کہ اس میدان میں آئیں ساتھ ہی اساتذہء شعر و سخن کا اچھی طرح مطالعہ بھی کریں اور اُردو کی اصناف اور اس کی ہیئت کو پہچانے، تبھی اچّھی شاعری ممکن ہے۔

محمد عادل فراز: آپ کی آئندہ ادبی منصوبہ بندی کیا ہے؟ کیا کوئی نیا شعری مجموعہ یا تحقیقی کام زیرِ تکمیل ہے؟

تابش ردولوی: فی الحال تو ایک نظموں کا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ "سُخن ساز" ایک نظم کا تصور اُبھر رہا ہے وہ بھی مرزا محمد رفیع سودا کی شایانِ شان۔

محمد عادل فراز: اگر آپ کو اپنی پوری شعری زندگی کو ایک جملے میں بیان کرنا ہو تو وہ جملہ کیا ہو گا؟

تابش ردولوی: شعر وادب کو زندگی کی طرح جیو۔

محمد عادل فراز: آخر میں اپنے قارئین، اہلِ قلم اور اردو ادب کے چاہنے والوں کے لیے آپ کا خصوصی پیغام۔

تابش ردولوی: قارئین، اہلِ قلم اور اُردو ادب کے چاہنے والوں کے لئے میرا یہی مشورہ ہے کہ اُردو کی جو اہمیت و عظمت و افادیت قائم ہے، اُسے قائم رکھیں اور اُردو کی ترویج واشاعت میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر محمد عادل فرازؔ
ہلال ہاؤس ۴/ ۱۱۴ انگلہ ملاح علی گڑھ
موبائل: ۸۲۷۳۶۷۲۱۱۰

تعلیم کا اصل سوال: معیار یا نئی شناخت؟

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

تعلیم کسی بھی مہذب معاشرے کی فکری، سماجی اور معاشی ترقی کی بنیاد ہوتی ہے۔ قوموں کی تعمیر و ترقی میں تعلیم کا کردار محض خواندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ایسی نسل تیار کرتی ہے جو علم، شعور، تنقیدی فکر، آئینی اقدار اور سماجی ذمہ داری کے احساس سے آراستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی حکومتی سطح پر تعلیمی شعبے میں کوئی اہم تبدیلی یا نئی پالیسی نافذ کی جاتی ہے تو اس کی بازگشت صرف درس گاہوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے معاشرے میں ایک سنجیدہ مکالمے کا آغاز ہو جاتا ہے، کیونکہ تعلیم محض ایک شعبہ نہیں بلکہ قوموں کے مستقبل کی تشکیل کا بنیادی ذریعہ ہے۔

بہار کے وزیر اعلیٰ سمراٹ چودھری کی ہدایت پر ریاست کے ۵۵۱ ماڈل اسکولوں کو سرسوتی ودیا نکیتن کا نام دینے اور ان کی عمارتوں کو بھگوا رنگ میں رنگنے کے فیصلے نے ایک نئی بحث کو ہوا دی ہے۔ حکومت اسے تعلیمی اصلاحات کی ایک اہم کڑی قرار دے رہی ہے، جب کہ اپوزیشن اور متعدد سماجی حلقے اسے تعلیم کی "زعفرانیت" سے تعبیر کر رہے ہیں۔ تاہم اصل سوال یہ نہیں کہ کون درست ہے اور کون غلط، بلکہ یہ ہے کہ کیا نام اور ظاہری شناخت کی یہ تبدیلی واقعی تعلیمی معیار میں مطلوبہ انقلاب لا سکتی ہے یا یہ محض ایک سیاسی اقدام ہے؟

اس معاملے میں سب سے پہلے ایک غلط فہمی کی وضاحت ضروری ہے کہ حکومت نے ۵۵۱ نئے اسکول قائم نہیں کیے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نئے تعلیمی ادارے نہیں بلکہ وہی ماڈل اسکول ہیں جنہیں نتیش کمار کی حکومت نے گزشتہ برسوں میں معیاری تعلیم کے مراکز کے طور پر فروغ دیا تھا۔ اب انہی اسکولوں کو نئی شناخت دی گئی ہے۔ بعد ازاں جنتا دل (یو) کے اعتراضات کے بعد حکومت نے یہ وضاحت بھی کی کہ ماڈل اسکولوں کی سابقہ شناخت، مقامی شخصیات اور زمین عطیہ کرنے والوں کے نام بھی برقرار رہیں گے اور نیا نام ان کے ساتھ استعمال کیا جائے گا۔ اس وضاحت سے اگرچہ سیاسی تنازع کی شدت میں کچھ کمی آئی، لیکن بنیادی سوال بدستور اپنی جگہ برقرار ہے۔

اگر مقصد صرف معیاری تعلیم کا فروغ ہے تو پھر نام کی تبدیلی اور عمارتوں کو بھگوا رنگ دینے کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی؟ اگر یہ صرف علامتی اقدام ہے تو کیا اس سے تعلیم کو درپیش بنیادی مسائل کا حل نکل آئے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے واضح اور عملی جواب کا انتظار صرف اپوزیشن ہی نہیں بلکہ تعلیمی حلقے اور عام شہری بھی کر رہے ہیں۔

حکومت کا کہنا ہے کہ ان اسکولوں میں اسمارٹ کلاس روم، جدید تدریسی سہولتیں، سائنس لیبارٹریاں، ڈیجیٹل تعلیم، لائیو کلاسز اور JEE و NEET جیسے مسابقتی امتحانات کی تیاری کا مؤثر انتظام کیا جائے گا تاکہ دیہی اور پسماندہ علاقوں کے طلبہ بھی بڑے شہروں کے طلبہ کے مساوی مواقع حاصل کر سکیں۔ اس مقصد سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ بہار کے لاکھوں طلبہ آج بھی معیاری تعلیم اور مہنگی کوچنگ کی سہولتوں سے محروم ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر حکومت واقعی ان اسکولوں کو جدید تعلیمی سہولتوں سے آراستہ کرنے، ڈیجیٹل تعلیم کو فروغ دینے اور قومی سطح کے مسابقتی امتحانات کے لیے مؤثر ماحول فراہم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اس کے مثبت اثرات دور رس ہوں گے۔ غریب اور دیہی علاقوں کے باصلاحیت طلبہ کو وہ مواقع میسر آئیں گے جو اب تک صرف بڑے شہروں یا مہنگے نجی اداروں کے طلبہ کو حاصل رہے ہیں۔ کسی بھی فلاحی ریاست کا اصل مقصد بھی یہی ہونا چاہیے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان اسکولوں کا بنیادی ڈھانچہ تقریباً وہی ہے، تدریسی عملہ بھی وہی ہے اور انتظامی نظام میں بھی کوئی نمایاں تبدیلی سامنے نہیں آئی۔ جن اساتذہ نے کل تک ماڈل اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، آج انہی پر "سرسوتی ودیا نکیتن" میں جدید اور معیاری تعلیم کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اساتذہ کی تربیت، تدریسی وسائل، نصابی اصلاحات اور تعلیمی نگرانی میں بنیادی تبدیلی نہیں کی گئی تو محض نام بدلنے سے نتائج کیسے بدل جائیں گے؟

بہار کا سرکاری تعلیمی نظام آج بھی متعدد بنیادی مسائل سے دوچار ہے۔ ہزاروں اسکول اساتذہ کی قلت، بنیادی سہولتوں کے فقدان، غیر فعال سائنس لیبارٹریوں، کمزور لائبریریوں، ڈیجیٹل وسائل کی کمی اور ناقص تعلیمی نتائج کا سامنا کر رہے ہیں۔ کئی اسکولوں میں ایک ہی استاد متعدد جماعتوں کی تدریس پر مجبور ہے، کہیں سائنس کے اساتذہ دستیاب نہیں تو کہیں ریاضی اور انگریزی کے ماہرین کی کمی ہے۔ ایسے حالات میں اگر حکومت واقعی تعلیمی انقلاب کی خواہاں ہے تو اس کی ترجیح ناموں کی تبدیلی نہیں بلکہ نظامِ تعلیم کی اصلاح ہونی چاہیے۔

صرف عمارتوں کو نیا رنگ دے دینا یا نئے بورڈ نصب کر دینا تعلیمی انقلاب کی ضمانت نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے کامیاب تعلیمی نظام اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ معیاری تعلیم کی بنیاد تربیت یافتہ اساتذہ، جدید نصاب، تحقیقی ماحول، سائنسی مزاج، تعلیمی آزادی، مؤثر نگرانی اور طلبہ کی ہمہ جہت شخصیت سازی پر استوار ہوتی ہے۔ اگر یہ عناصر کمزور ہوں تو جدید عمارتیں بھی اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتیں۔

یہ معاملہ آئینی نقطۂ نظر سے بھی غور طلب ہے۔ ہندوستان کا آئین ایک سیکولر ریاست کی بنیاد فراہم کرتا ہے، جہاں سرکاری اداروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر مذہب، ہر زبان اور ہر طبقے کے لیے یکساں اعتماد، مساوات اور غیر جانب داری کی علامت ہوں۔ اسی لیے

تہذیبی علامت کو نمایاں کیا جاتا ہے تو فطری طور پر سوالات اٹھتے ہیں اور مختلف آرا سامنے آتی ہیں۔

البتہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ملک میں متعدد سرکاری ادارے تاریخی شخصیات، قومی رہنماؤں اور ثقافتی علامتوں کے نام سے منسوب ہیں۔ اس لیے صرف نام کی بنیاد پر کسی ادارے کے کردار کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں۔ اصل کسوٹی اس کی تعلیمی کارکردگی، علمی ماحول، انتظامی شفافیت اور نتائج ہیں۔

تعلیم بنیادی طور پر اعتماد کا نام ہے۔ والدین اپنے بچوں کو سرکاری اسکول اس امید کے ساتھ بھیجتے ہیں کہ وہاں انہیں ایسی تعلیم ملے گی جو انہیں بہتر انسان، باشعور شہری اور کامیاب پیشہ ور بنائے۔ اگر تعلیمی ادارے سیاسی یا نظریاتی کشمکش کا مرکز بن جائیں تو سب سے زیادہ نقصان انہی بچوں کا ہو گا جن کا مستقبل ان اداروں سے وابستہ ہے۔

بہار کی زمینی حقیقت یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں نوجوان NEET، JEE، UPSC، BPSC اور دیگر مسابقتی امتحانات کی تیاری کے لیے پٹنہ، کوٹا، دہلی اور دوسرے شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ ہزاروں خاندان اپنی محدود آمدنی کا بڑا حصہ کوچنگ پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر حکومت واقعی ان ۵۵۱ اسکولوں کو ایسا معیار فراہم کر دے کہ ایک غریب گھر کا طالب علم بھی وہیں سے قومی سطح کے امتحانات میں کامیابی حاصل کر لے تو یہ بہار کی تعلیمی تاریخ میں ایک سنگِ میل ثابت ہو گا۔

لیکن اس کے لیے صرف نئے بورڈ نصب کرنا یا عمارتوں کو نئے رنگ میں رنگ دینا کافی نہیں ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر اسکول میں تربیت یافتہ اساتذہ، جدید لیبارٹریاں، فعال لائبریریاں، ڈیجیٹل سہولتیں، باقاعدہ تعلیمی نگرانی، شفاف احتساب اور نتائج پر مبنی نظام کو یقینی بنایا جائے۔ معیاری تعلیم کا تعلق علامتوں سے نہیں بلکہ کارکردگی سے ہوتا ہے۔

اگر یہی اسکول آئندہ برسوں میں انجینئرنگ، میڈیکل، سول سروسز اور دیگر قومی امتحانات میں نمایاں نتائج دیں گے تو ان کی نئی شناخت خود بخود عوام کے دلوں میں جگہ بنالے گی۔ لیکن اگر نتائج جوں کے توں رہے تو یہ سوال بدستور قائم رہے گا کہ تبدیلی صرف نام کی تھی یا نظام کی بھی؟

جمہوری نظام میں حکومتوں کو اپنی ترجیحات طے کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن تعلیم ایسا شعبہ ہے جسے سیاسی تبدیلیوں اور نظریاتی کشمکش سے حتیٰ الامکان محفوظ رکھا جانا چاہیے۔ حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں، پالیسیاں بدلتی رہتی ہیں، مگر تعلیمی اداروں کی غیر جانب داری، علمی وقار اور سماجی اعتبار ہمیشہ برقرار رہنا چاہیے۔ ترقی یافتہ معاشروں نے بھی اسی اصول کو اختیار کیا ہے کہ تعلیم کو سیاست سے زیادہ قومی ترقی اور انسانی وسائل کی تعمیر کا ذریعہ بنایا جائے۔

بہار کے ان ماڈل اسکولوں کا اصل امتحان بھی آنے والے برسوں میں ہو گا۔ اگر یہ ادارے دیہی علاقوں کے بچوں کو قومی سطح پر کامیابی دلانے، سائنسی مزاج پروان چڑھانے، تحقیقی رجحان پیدا کرنے اور معیاری تعلیم کی مثال بننے میں کامیاب ہوتے ہیں تو یقیناً حکومت کا یہ اقدام قابلِ تحسین ہو گا۔ لیکن اگر بنیادی ڈھانچہ، تدریسی معیار، اساتذہ کی تربیت اور تعلیمی نگرانی میں مطلوبہ بہتری نہ آئی تو صرف نئی شناخت عوام کی توقعات پوری نہیں کر سکے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس پوری بحث کا محور "سرسوتی ودیا نکیتن" یا "ماڈل اسکول" کا نام نہیں بلکہ تعلیم کا معیار ہونا چاہیے۔ قومیں ناموں سے نہیں، علم، تحقیق اور انسانی وسائل کی مضبوطی سے ترقی کرتی ہیں۔ عمارتوں کے رنگ نہیں بلکہ اساتذہ کی صلاحیت، طلبہ کی محنت، جدید نصاب، تحقیقی ماحول، سائنسی مزاج اور فکری آزادی کسی بھی تعلیمی نظام کی حقیقی شناخت ہوتے ہیں۔ اگر حکومت ان ۵۵۱ اسکولوں کو واقعی مثالی تعلیمی اداروں میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اقدام اپنی افادیت خود ثابت کر دے گا اور اس کی کامیابی پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن اگر تبدیلی صرف ناموں، بورڈوں اور رنگوں تک محدود رہی تو نہ صرف یہ بحث اپنی معنویت کھو دے گی بلکہ بہار کا تعلیمی نظام اپنے بنیادی مسائل کے ساتھ جوں کا توں کھڑا رہے گا۔ تاریخ ہمیشہ نعروں، علامتوں اور ظاہری تبدیلیوں سے نہیں بلکہ نتائج، کارکردگی اور قومی تعمیر میں تعلیم کے حقیقی کردار کی بنیاد پر اپنا فیصلہ سناتی ہے۔ یہی وہ اصل معیار ہے جس پر بہار کے ان نئے نام یافتہ ماڈل اسکولوں کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہو گا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

اُردو زبان کی زبوں حالی کے ذمہ دار کون؟

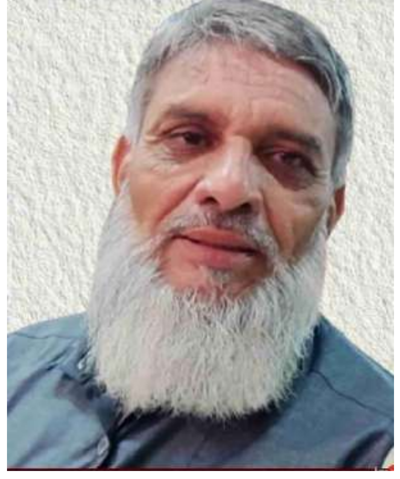

محمد مسلم کبیر، لاتور

(آئینی ضمانتوں، تاریخی حقائق اور سماجی ذمہ داریوں کا تحقیقی جائزہ)

اُردو برصغیر کی صرف ایک زبان نہیں بلکہ صدیوں پر محیط ایک مشترکہ تہذیب، ادبی روایت اور قومی ورثہ ہے۔ یہ زبان دہلی، دکن، لکھنؤ اور شمالی ہند کی مختلف بولیوں کے امتزاج سے پروان چڑھی اور بعد ازاں ہندوستان کی آزادی کی تحریک، صحافت، عدلیہ، تعلیم اور ادب کی اہم زبان بن گئی۔ میر تقی میر، مرزا غالب، سر سید احمد خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال، پریم چند اور حسرت موہانی جیسے مفکرین نے اسی زبان کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔

آزادی کے بعد اگرچہ اُردو کو ہندوستان کے آئینی ڈھانچے میں مناسب تحفظ حاصل ہوا، لیکن عملی سطح پر اس زبان کی ترقی وہ رفتار حاصل نہ کر سکی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ آج سوال یہ ہے کہ اُردو کی موجودہ زبوں حالی کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا صرف حکومت؟ یا پھر خود اُردو سماج، تعلیمی ادارے، اساتذہ، مدارس، ادبی انجمنیں اور والدین بھی اس کے ذمہ دار ہیں؟

@ آئینی ضمانتیں اور عملی صورتِ حال-

ہندوستان کا آئین لسانی اقلیتوں کے حقوق کو واضح طور پر تسلیم کرتا ہے۔ آئین کے آرٹیکل ۲۹ اور ۱۳۰ اقلیتوں کو اپنی زبان، تہذیب اور تعلیمی اداروں کے تحفظ کا حق دیتے ہیں، جبکہ آرٹیکل A۳۵۰ ریاستوں کو ہدایت کرتا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے بچوں کو ابتدائی تعلیم مادری زبان میں فراہم کرنے کے لیے مناسب سہولتیں مہیا کی جائیں۔ آرٹیکل B۳۵۰ کے تحت لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے خصوصی افسر (Special Officer for Linguistic Minorities) کا تقرر بھی آئینی ذمہ داری ہے۔

اس کے باوجود بیشتر ریاستوں میں اُردو میڈیم اسکولوں کی حالت، اساتذہ کی کمی، درسی کتابوں کی تاخیر اور سرکاری دفاتر میں اُردو کے محدود استعمال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آئینی ضمانتوں پر مکمل عمل درآمد نہیں ہو سکا۔

@ مردم شماری کے اعداد و شمار کیا کہتے ہیں؟

۲۰۱۱ کی مردم شماری کے مطابق تقریباً ۵٫۰۸ کروڑ افراد نے اُردو کو اپنی مادری زبان قرار دیا، جو ملک کی کل آبادی کا تقریباً ۴٫۲ فیصد بنتا ہے۔ اس اعتبار سے اُردو ہندوستان کی بڑی زبانوں میں شامل ہے اور آٹھویں شیڈول کی تسلیم شدہ زبان بھی ہے۔ چونکہ ۲۰۲۱ کی مردم شماری تاحال مکمل طور پر شائع نہیں ہوئی، اس لیے یہی اعداد و شمار سرکاری حوالہ تصور کیے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت اس تصور کی نفی کرتی ہے کہ اُردو چند علاقوں تک محدود زبان ہے۔ مہاراشٹر، تلنگانہ، کرناٹک، بہار، اتر پردیش، دہلی اور جموں و کشمیر سمیت کئی ریاستوں میں اُردو بولنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔

@ آزادی کی تحریک میں اُردو کا کردار-------

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آزادیِ ہند کی تحریک میں اُردو صحافت نے نمایاں کردار ادا کیا۔ الہلال، البلاغ، زمیندار، کامریڈ اور دیگر اخبارات نے آزادی، قومی یکجہتی اور استعماری نظام کے خلاف عوامی شعور بیدار کیا۔

اسی طرح عدالتوں، دفتری نظام اور تعلیم میں بھی انیسویں صدی تک اُردو کا وسیع استعمال ہوتا رہا۔ اس لیے اُردو کو کسی ایک مذہب یا فرقے کی زبان قرار دینا تاریخی اعتبار سے درست نہیں بلکہ یہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیبی روایت کی زبان ہے۔

@ حکومتی پالیسیوں کی کمزوریاں-----

آئینی تحفظ کے باوجود متعدد ریاستوں میں اُردو کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا۔ ہزاروں اساتذہ کی اسامیاں برسوں خالی رہتی ہیں۔ اُردو میڈیم اسکولوں کی تعداد مسلسل کم ہو رہی ہے۔ سرکاری ویب سائٹس، نوٹیفکیشنز اور عوامی خدمات میں اُردو کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ صورتِ حال اس بات کی متقاضی ہے کہ حکومتیں آئینی ذمہ داریوں کو محض کاغذی وعدوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ عملی اقدامات کریں۔

@ اُردو تعلیمی اداروں کا محاسبہ----

دوسری طرف خود اُردو تعلیمی اداروں کو بھی اپنی کارکردگی کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ہو گا۔ اکثر اُردو اسکول جدید سائنسی تعلیم، انگریزی، کمپیوٹر، مصنوعی ذہانت (AI)، ڈیجیٹل مہارت اور روزگار پر مبنی تعلیم میں خاطر خواہ پیش رفت نہیں کر سکے۔ نتیجتاً والدین نے بہتر مستقبل کی امید میں اپنے بچوں کو دوسرے میڈیم کے اسکولوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اگر اُردو اسکول معیاری تعلیم، جدید لیبارٹریاں، ڈیجیٹل کلاس روم اور مسابقتی ماحول فراہم کریں تو والدین کا اعتماد بحال کیا جا سکتا ہے۔

@ اُردو اساتذہ کی ذمہ داری----

استاد کسی بھی زبان کا حقیقی محافظ ہوتا ہے۔ بعض اُردو اساتذہ نے تدریس کو صرف سرکاری ملازمت سمجھ لیا ہے۔ مسلسل مطالعہ، تحقیق، نئی کتابوں سے واقفیت، ڈیجیٹل ذرائع کا استعمال، تخلیقی تحریر اور طلبہ میں مطالعے کا ذوق پیدا کرنے پر مطلوبہ توجہ نہیں دی جاتی۔ حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ریاست بھر میں ہزاروں اُردو اداروں کو صد فی صد اور چند اسکول تقریباً مالی امداد فراہم کر کے اُردو اسکولوں کا جال بچھا دیا ہے۔ جہاں ہزاروں اساتذہ کی روزی روٹی سے جُڑے ہیں۔ لیکن چند اساتذہ چھوڑ دیں تو نوے فیصد اساتذہ میں اُردو زبان سے عملی دلچسپی کا فقدان ہے حتٰی کہ اپنی اولاد کو بھی انگریزی یا مراٹھی اسکولوں میں داخلے دلواتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو اساتذہ خود، اُردو اخباروں اور جرائد کا مطالعہ، کتب بینی کا شوق، جدید تحقیق، ٹیکنالوجی اور عالمی ادبی رجحانات سے واقف ہوں تاکہ نئی نسل زبان کو مستقبل سے جوڑ کر دیکھے، صرف ماضی سے نہیں۔

@ مدارس کا کردار------

مدارس نے اُردو زبان کی بقا میں تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی لاکھوں طلبہ مدارس میں اُردو لکھنا اور پڑھنا سیکھتے ہیں، اور دینی علوم کا بڑا سرمایہ اُردو میں محفوظ ہے۔ تاہم وقت کا تقاضا ہے کہ مدارس اپنے نصاب میں کمپیوٹر، انگریزی، ریاضی، سماجی علوم، تحقیق اور جدید ابلاغی مہارتوں کو بھی شامل کریں تاکہ طلبہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔

@ ادبی انجمنیں اور سماجی تنظیمیں---

اکثر ادبی انجمنیں صرف مشاعروں اور رسمی تقریبات تک محدود ہو گئی ہیں۔ نوجوان نسل کے لیے آن لائن کورسز، کتاب بینی کی تحریک، ڈیجیٹل لائبریری، تحقیقی ورکشاپ، ادبی مقابلے اور سوشل میڈیا پر معیاری مواد تیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ادبی انجمنیں نئی نسل تک نہیں پہنچیں گی تو اُردو صرف یادگار بن کر رہ جائے گی، زندہ زبان نہیں۔

@ والدین کی ذمہ داری-----

کسی بھی زبان کا پہلا مدرسہ گھر ہوتا ہے۔ آج بہت سے تعلیم یافتہ والدین گھروں میں اُردو بولنے سے گریز کرتے ہیں۔ بچوں کو انگریزی ضرور سکھائیں، لیکن اپنی مادری اور تہذیبی زبان سے محروم نہ کریں۔ دو یا تین زبانیں سیکھنا ذہنی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے، اس لیے اُردو اور انگریزی ایک دوسرے کی مخالف نہیں بلکہ تکمیل کرنے والی زبانیں ہیں۔

@ ڈیجیٹل دور میں اُردو-----

آج علم کا بڑا حصہ انٹرنیٹ پر منتقل ہو چکا ہے۔ اگر اُردو کو زندہ رکھنا ہے تو مصنوعی ذہانت، ای بکس، آڈیو بکس، آن لائن جرائد، ڈیجیٹل لغات، موبائل ایپس، یوٹیوب، پوڈکاسٹ اور سوشل میڈیا پر معیاری اُردو مواد تیار کرنا ہو گا۔ زبانیں صرف ماضی کے کتب خانوں میں نہیں بلکہ مستقبل کی ٹیکنالوجی میں بھی زندہ رہتی ہیں۔ اُردو زبان کی زبوں حالی کا ذمہ دار صرف حکومت نہیں، بلکہ مجموعی طور پر ہمارا پورا سماج ہے۔ حکومت اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرے، تعلیمی ادارے معیار بلند کریں، اساتذہ تحقیق و تدریس میں جدت لائیں، مدارس عصری علوم کو اپنائیں، ادبی انجمنیں نوجوان نسل تک پہنچیں اور والدین اپنے گھروں میں اُردو کو زندہ رکھیں۔

اُردو کا مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں، بلکہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب، ثقافتی تنوع اور آئینی اقدار کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم نے آج سنجیدگی سے اس کی حفاظت نہ کی تو آنے والی نسلیں ایک عظیم ادبی اور تہذیبی سرمایہ کھو دیں گی۔ "زبانیں حکومتوں کے سہارے زندہ نہیں رہتیں، بلکہ اپنے بولنے والوں کے شعور، محبت، عمل اور مسلسل جدوجہد سے زندہ رہتی ہیں۔"

محمد مسلم کبیر، لاتور
۸۲۰۸۴۳۵۴۱۴

کب تک بیٹیاں رشتوں کے انتظار میں بیٹھی رہیں گی؟

محمد عادل ارریاوی

ہمارے معاشرے کا ایک نہایت ہی دردناک اور دل دہلا دینے والا دل سوز المیہ یہ ہے کہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں بیٹیاں شادی کی آس لیے اپنی عمر کا قیمتی حصہ انتظار میں گزار رہی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق بیس سے پینتیس سال کی عمر کے ایک کروڑ سے زائد لڑکیاں مناسب رشتے کی منتظر ہیں جبکہ ان میں لاکھوں ایسی ہیں جن کی عمر معاشرتی پیمانے کے مطابق شادی کی حد سے آگے نکل چکی ہے۔ اسی طرح لاکھوں بیوائیں بھی موجود ہیں جن کی دوسری شادی نہ صرف ممکن ہے بلکہ شریعت بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے مگر معاشرے کی بے جا رسمیں غلط سوچ اور خود ساختہ معیار ان کی راہ میں دیوار بنے ہوئے ہیں۔

آج رشتہ تلاش کرنے کا انداز اس قدر مادہ پرستانہ اور ظالمانہ ہو چکا ہے کہ لڑکی کی دینداری اخلاق کردار اور تربیت کو پس پشت ڈال کر اس کے خاندان دولت رہائش ظاہری معیار اور بے شمار غیر ضروری چیزوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر لڑکی بیوہ ہو تو گویا اس کے لیے دروازے مزید بند کر دیے جاتے ہیں، اور اگر عمر تیس سال سے بڑھ جائے تو اسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے چاہے وہ ہر اعتبار سے بہترین کیوں نہ ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہزاروں بیوائیں ایسی بھی ہیں جن کے لیے نہ کوئی مضبوط سرکاری سہارا موجود ہے اور نہ ہی کوئی مؤثر سماجی نظام۔ شوہر کے انتقال کے بعد بعض اوقات انہیں جائیداد کے جائز حق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ انہیں اپنے ہی گھر سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ایک تنہا عورت اپنے بچوں سمیت زندگی کا بوجھ کیسے اٹھائے گی اور کن مشکلات کا سامنا کرے گی۔

رشتوں میں غیر معمولی تاخیر کی ایک بڑی وجہ ہماری بڑھتی ہوئی مادہ پرستی اور مفاد پرستی بھی ہے۔ آج شرافت حسنِ اخلاق دین داری اور اچھے کردار سے زیادہ بینک بیلنس نوکری بنگلہ گاڑی اور ظاہری آسائشوں کو دیکھا جاتا ہے۔ معمولی معمولی باتوں کو بنیاد بنا کر بہترین رشتے ٹھکرا دیے جاتے ہیں۔ کبھی یہ اعتراض سامنے آتا ہے کہ لڑکی والوں کا گھر کرائے کا ہے کبھی گلی تنگ ہونے پر ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے کبھی علاقے کو بہانہ بنایا جاتا ہے اور کبھی اس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ خاطر خواہ پروٹوکول نہیں ملا۔

یہ رویے نہ صرف افسوسناک ہیں بلکہ اس بات کی علامت بھی ہیں کہ ہم نے نکاح جیسے مقدس رشتے کو آسان بنانے کے بجائے انتہائی مشکل بنا دیا ہے۔

تعلیم بھی بعض اوقات اس مسئلے کا ایک پہلو بن جاتی ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی تعلیم یافتہ بیٹی کے لیے اسی معیار کا رشتہ ملے جبکہ دوسری طرف بعض لوگ زیادہ پڑھی لکھی لڑکی کو یہ سوچ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ شاید وہ بد مزاج یا نافرمان ہو گی۔ حالانکہ تعلیم انسان کو شعور سمجھ اور بہتر اخلاق عطا کرتی ہے، نہ کہ غرور۔

اگر کوئی تعلیم یافتہ یا ملازمت پیشہ خاتون حالات کے جبر یا معاشرتی ناانصافی کی وجہ سے تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے تو ہمارا معاشرہ اس کی مدد کرنے کے بجائے اس کے کردار پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیتا ہے۔ افسوس کہ ہم اس کے دکھ کو سمجھنے کے بجائے اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حالانکہ اس کی تنہائی کے ذمہ دار بھی اکثر ہم خود ہی ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کا ایک اور عجیب تضاد یہ ہے کہ جب اپنی بیٹی کے لیے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے تو انسان اچھے اخلاق دین داری اور ذمہ دار لڑکا چاہتا ہے لیکن جب اپنے بیٹے کے لیے بہو ڈھونڈی جاتی ہے تو معیار یکسر بدل جاتا ہے۔ اس وقت خوبصورتی کم عمری دولت اور بے شمار غیر ضروری شرائط سامنے آ جاتی ہیں۔

مزید افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ اگر ایک مرد عمر رسیدہ ہو بیوہ ہو یا کئی بچوں کا باپ بھی ہو تب بھی اس کے لیے کم عمر کنواری لڑکی تلاش کی جاتی ہے جبکہ اسی عمر کی غیر شادی شدہ لڑکی یا بیوہ کو قبول کرنے کے لیے لوگ تیار نہیں ہوتے۔ یہ کھلا ہوا دوہرا معیار ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ذرا ان والدین کے دل کی کیفیت کا تصور کیجیے جن کی بیٹیاں برسوں سے رشتوں کی منتظر ہیں۔ ہر آنے والا دن ان کے لیے نئی امید اور ہر گزرتا ہوا سال نئی بے بسی لے کر آتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کی دعائیں کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر معاشرے کی بے جا رسمیں اور غیر ضروری مطالبات ان کی راہ میں رکاوٹ بنے رہتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نکاح کو آسان بنائیں غیر ضروری رسم و رواج جھوٹی انا مادہ پرستی اور بے بنیاد مطالبات کو ترک کریں بیوہ خواتین اور عمر رسیدہ غیر شادی شدہ خواتین کے ساتھ عزت و احترام کا رویہ اختیار کریں اور ہر انسان کو اس کا جائز مقام دیں۔

یاد رکھیے کسی بیٹی کی عزت اس کی عمر دولت یا ظاہری حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے کردار دین داری اور انسانیت سے ہوتی ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ اس حقیقت کو سمجھ لے تو نہ جانے کتنے گھر آباد ہو جائیں کتنی ماؤں کی دعائیں قبول ہوں اور کتنی بیٹیوں کی آنکھوں سے انتظار کے آنسو ہمیشہ کے لیے خشک ہو جائیں۔

یہ مسئلہ کسی ایک گھر ایک خاندان یا چند افراد کا نہیں، بلکہ پوری امت اور پورے معاشرے کا مشترکہ درد ہے۔ جب تک ہم اپنی سوچ اپنے معیار اور اپنے رویوں کو نہیں بدلیں گے تب تک نہ جانے کتنی بیٹیوں کی جوانیاں انتظار کی نذر ہوتی رہیں گی کتنے والدین حسرتوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتے رہیں گے اور کتنے گھر صرف ہماری بے جا شرطوں اور خود ساختہ رسموں کی وجہ سے آباد ہونے سے محروم رہیں گے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم نکاح کو آسان کردار کو معیار اور دین کو ترجیح دیں کیونکہ اسی میں فرد خاندان اور معاشرے کی حقیقی فلاح پوشیدہ ہے۔

اپنے بچوں کی شادیاں جلد ہی کرو کیونکہ جب انسان کو بھوک لگتی ہے اور جب اسے حلال رزق نہیں ملتا تو وہ حرام کھانا شروع کر دیتا ہے نکاح اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک پاک رشتہ ہے شادی ایک ضرورت ہے کسی بھی نوجوان مرد اور عورت کے لئے باپ جہیز جمع کرتے بوڑھا ہو جاتا ہے اور بیٹی تیس سال گھر پر بیٹھی رہ جاتی ہے بیٹا گھر بناتے بناتے ۳۵ سال کا ہو جاتا ہے اور اسی بے وجہ رسم و رواج نے سُنّت نکاح کو مشکل بنا دیا ہے اور زنا کو آسان آج کی نوجوان نسل زنا کی دَل دَل میں پھنستی جا رہی ہے۔ خدارا والدین اس بات کو سمجھیں اور اپنے بچوں کا نکاح جلد از جلد اور سادگی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ تمام غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں بیوہ خواتین اور ان کے والدین کی پریشانیاں دور فرمائے انہیں نیک صالح اور مناسب رشتے عطا فرمائے اور ہمارے معاشرے کو نکاح آسان بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

صحبت سے عادت تک: انسان کی خاموش تعمیر کا سفر

بختیار برکاتی دارالحکومت دہلی ہند

انسان اس دنیا میں خالی تختی بن کر نہیں آتا، بلکہ استعدادوں، رجحانات اور امکانات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد زندگی اس پر اپنے نقوش ثبت کرتی ہے۔ ان نقوش کو بنانے والے عوامل بے شمار ہیں، مگر ان میں چند ایسے ہیں جو خاموشی سے انسان کی پوری شخصیت کا رخ متعین کر دیتے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں صحبت، ماحول، عادت، وقت اور مقصد ہیں۔

عام طور پر لوگ تقدیر کو کسی پراسرار قوت کا نام سمجھتے ہیں، حالانکہ زندگی کا ایک بڑا حصہ انہی چھوٹے چھوٹے عوامل سے تشکیل پاتا ہے جو روزانہ ہمارے گرد و پیش میں موجود ہوتے ہیں۔

صحبت: شخصیت کا پہلا معمار

انسان فطری طور پر ایک سماجی مخلوق ہے۔ وہ اپنے ماحول سے سیکھتا ہے، دوسروں کو دیکھ کر رویے اختیار کرتا ہے اور غیر محسوس انداز میں اپنے گرد موجود لوگوں کی عکاسی کرنے لگتا ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

"انسان اپنے دوستوں کے دین اور طریقے پر ہوتا ہے۔"

صحبت محض لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا نام نہیں بلکہ ہر وہ چیز صحبت ہے جس سے انسان مسلسل متاثر ہو رہا ہو۔ آج کے دور میں کتابیں، اساتذہ، موبائل فون، سوشل میڈیا، ویڈیوز اور نظریات بھی صحبت کی جدید شکلیں ہیں۔

جس ماحول میں خیر کا چرچا ہو وہاں نیکی آسان محسوس ہوتی ہے، اور جہاں برائی معمول بن جائے وہاں گناہ بھی عام نظر آنے لگتا ہے۔

ماحول: خاموش استاد

صحبت افراد سے تعلق رکھتی ہے جبکہ ماحول ایک وسیع تر دائرہ ہے۔

بیج اگر زرخیز زمین میں بویا جائے تو پھلتا پھولتا ہے، اور اگر بنجر زمین میں ڈال دیا جائے تو اس کی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ یہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔

ایک طالبِ علم کا مطالعہ پسند ماحول، ایک تاجر کا دیانت دار بازار، اور ایک سالک کی پاکیزہ مجلس اس کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

اسی لیے اصلاحِ فرد کے ساتھ اصلاحِ ماحول بھی ضروری ہے۔

عادت: کردار کی بنیاد

صحبت خیالات پیدا کرتی ہے، خیالات اعمال کو جنم دیتے ہیں، اور اعمال جب بار بار دہرائے جائیں تو عادت بن جاتے ہیں۔

ابتدا میں انسان عادت بناتا ہے، پھر عادت انسان کو بنانے لگتی ہے۔

دنیا کے اکثر بڑے کارنامے کسی ایک دن کے جوش کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ مستقل مزاجی کی عادت کا ثمر ہوتے ہیں۔

ایک دن کا مطالعہ علم نہیں بناتا، لیکن روزانہ کا مطالعہ عالم پیدا کر دیتا ہے۔

ایک دن کا صبر انسان کو بردبار نہیں بناتا، لیکن مسلسل صبر ایک مضبوط کردار کی بنیاد رکھتا ہے۔

وقت: سب سے بڑا سرمایہ

عادتیں وقت کے بطن میں پروان چڑھتی ہیں۔ وقت ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر انسان کو برابر ملتا ہے، مگر اس کے استعمال کا فرق نتائج میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ جو شخص وقت کو ضائع کرتا ہے، درحقیقت وہ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتا ہے۔ وقت کا حسن یہ ہے کہ وہ خاموشی سے ہر چیز کو بڑھاتا ہے: نیکی ہو تو نیکی کو، اور برائی ہو تو برائی کو۔

مقصد: سمت کا تعین

صحبت، ماحول، عادت اور وقت سب اہم ہیں، لیکن اگر مقصد واضح نہ ہو تو یہ تمام قوتیں منتشر ہو جاتی ہیں۔

جہاز خواہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، اگر منزل متعین نہ ہو تو سمندر میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس لیے جی رہا ہے، کس سمت جانا چاہتا ہے، اور اس کی زندگی کا حاصل کیا ہے۔ مقصد انسان کے اعمال کو معنی دیتا ہے اور اس کی عادتوں کو سمت عطا کرتا ہے۔

تجربہ اور تجزیہ

زندگی صرف کرنے کا نام نہیں بلکہ سمجھنے کا نام بھی ہے۔ تجربہ انسان کو واقعات دیتا ہے، جبکہ تجزیہ ان واقعات سے حکمت اخذ کرنا سکھاتا ہے۔ جو شخص تجربات سے سبق حاصل نہیں کرتا وہ بار بار ایک ہی جگہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ اور جو شخص ہر تجربے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی بصیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

تزکیہ: اندرونی اصلاح کا عمل

انسان کی اصل جنگ بیرونی دنیا سے کم اور اپنے نفس سے زیادہ ہوتی ہے۔

تزکیۂ نفس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیا چھوڑ دے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات، عادات اور رجحانات کو ایک اعلیٰ مقصد کے تابع کر دے۔

دل صاف ہو تو علم نور بنتا ہے، ورنہ معلومات کا بوجھ رہ جاتا ہے۔

حاصلِ کلام

اگر انسانی تعمیر کا مکمل نقشہ ایک جملے میں بیان کرنا ہو تو یوں کہا جا سکتا ہے:

صحبت ماحول بناتی ہے، ماحول خیالات پیدا کرتا ہے، خیالات اعمال کو جنم دیتے ہیں، اعمال عادت بنتے ہیں، عادت کردار بناتی ہے، کردار زندگی کا رخ متعین کرتا ہے، اور یہی رخ انسان کی تقدیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنی زندگی بدلنا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے اپنی صحبت، اپنا ماحول، اپنی عادتیں، اپنے وقت کا مصرف اور اپنے مقصدِ حیات کا جائزہ لینا چاہیے۔

کیونکہ درخت کو بدلنے کے لیے پھل نہیں، جڑوں کی اصلاح کرنا پڑتی ہے۔

* صداقت، صحافت اور نیتِ خیر کا روشن سفر: "نیپال اردو ٹائمز" کے سو (۱۰۰) شمارے *

* تحریر: * (بختیار برکاتی دہلی دارالحکومت ہند)

صحافت صرف خبریں پہنچانے کا نام نہیں، بلکہ یہ قوموں کے شعور کی آبیاری، حق و صداقت کی پاسداری اور زبان و ادب کی بقا کا ایک مقدس ذریعہ ہے۔ نیپال کی سرزمین سے اردو صحافت کا پرچم بلند کرنے والے معروف ہفت روزہ "نیپال اردو ٹائمز" نے دیکھتے ہی دیکھتے کامیابی اور مقبولیت کی جو منزلیں طے کی ہیں، وہ نہ صرف قابلِ تحسین ہیں بلکہ برصغیر میں اردو زبان کے روشن مستقبل کی ضامن بھی ہیں۔

آج جب میں "نیپال اردو ٹائمز" کا ۹۹واں شمارہ اپنے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں، تو دل مسرت و تشکر کے جذبات سے لبریز ہے۔ اخبار کی تحریری ٹیم اور انتظامیہ کا یہ اعلانِ مسرت ہر قارئین اور قلم کار کے لیے باعثِ فخر ہے کہ ادارہ اپنا "۱۰۰واں (سواں) شمارہ" ایک خصوصی و یادگار ضمیمے کے طور پر شائع کرنے جا رہا ہے۔

حق اور بیباک صحافت کا نقیب

> "حق، صداقت اور غیر جانبدار صحافت کے ساتھ" ——یہ صرف نیپال اردو ٹائمز کا نعرہ یا سطر نہیں، بلکہ اس کا بنیادی مقصد اور لائحہ عمل رہا ہے۔

چیف ایڈیٹر مولانا عبدالجبار علیمی صاحب اور ان کی پوری متحرک ادارتی ٹیم (مفتی کلام الدین نعمانی، محمد حسن سراقہ رضوی، و دیگر معاونین) نے جس محنت، خلوص اور عزم کے ساتھ اس صحافتی سفر کو استوار کیا ہے، وہ بلاشبہ قابلِ مبارک باد ہے۔ دشوار گزار حالات اور محدود وسائل کے باوجود کسی ہفت روزہ کو مسلسل، باقاعدگی اور معیار کے ساتھ شائع کرنا اور ۱۰۰ شماروں کا سنگِ میل عبور کرنا ایک عظیم تاریخی کارنامہ ہے۔

* اہلِ قلم کا بہترین ترجمان *

ایک قلم کار ہونے کے ناطے، میرے لیے یہ بات نہایت ہی اطمینان اور اعزاز کی باعث ہے کہ اس پر وقار اخبار کے صفحات پر ہماری تحریریں اور مضامین بھی باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

نیپال اردو ٹائمز نے ہمیشہ نئے اور معتبر اہل قلم، اہل علم، دانشوروں اور کالم نگاروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس اخبار نے نہ صرف نیپال بلکہ عالمی سطح پر اردو کے قارئین اور ادیبوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا ہے جہاں فکر و خیال کی پاکیزگی اور تعمیری صحافت کو اولیت دی جاتی ہے۔

* ۱۰۰واں شمارہ: ایک نیا عزم اور یادگار لمحہ *

اخبار کا سواں شمارہ (۱۰۰th Issue) محض ایک عدد نہیں، بلکہ مسلسل محنت، قارئین کے اعتماد اور قلمی معاونین کی محبتوں کا نچوڑ ہے۔ ادارتی ٹیم کی جانب سے اس شمارے کو جامع، معلومات سے بھرپور اور تاریخی بنانے کا عزم اس بات کا ثبوت ہے کہ ادارہ اپنے قارئین کو بہترین سے بہترین مواد فراہم کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہے۔

اس پر مسرت موقع پر، میں * "نیپال اردو ٹائمز" * کی پوری ٹیم، ایڈیٹرز، صحافیوں، کالم نگاروں اور تمام قارئینِ کرام کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے طفیل اس صحافتی کاروان کو مزید وسعت، مقبولیت اور دوام عطا فرمائے اور یہ جریدہ حق و صداقت کی آواز بن کر یونہی درخشندہ رہے۔

نیپال کی سرزمین پر محدود وسائل نامساعد حالات میں سو شمارہ شایع کرنا ہتھیلی پر سرسوں جمانا ہے

نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر حضرت علامہ عبد الجبار علیمی صاحب و تمام ادارتی صحافتی ٹیم کی جدوجہد پر خراجِ تحسین و مبارکباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نیپال کی سرزمین پر جہاں محدود وسائل مواصلاتی چیلنجز اور نامساعد حالات قلمی سفر کی راہ میں اکثر رکاوٹ بنتے ہیں، وہاں آپ کا نیپال اردو ٹائمز کے ۱۰۰ ویں شمارے کی کامیاب اشاعت تک پہنچنا کسی کرامت اور عظیم صحافتی جرات سے کم نہیں آپ کی اس تاریخی کامیابی پر ہم پوری ادارتی ٹیم اور چیف ایڈیٹر صاحب کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں

نیپال میں صحافت کا پرچم بلند رکھنا ایک کٹھن آزمائش ہے اہل نیپال خصوصاً علما کی ٹیم میں دور دور تک تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ نیپال میں اخبار بھی شائع کیا جایے گا دو چار سال پہلے ہم کسی اخبار میں اپنے نیپال کی رپورٹ دیکھ لیتے تھے تو خوشی کی انتہا نہیں ہوتی تھی کبھی شان سدھارتھ کی ادارتی ٹیم شفقت فرماتی تھی کبھی راشٹریہ سہارا گورکھپور کے بے باک مشہور صحافی نازش فکر و قلم حضرت قاری نور الہدی مصباحی صاحب قبلہ شفقت فرماتے اور ملک نیپال کی رپورٹ اخبار میں لگاتے کیا معلوم تھا کہ قطر میں بیٹھا شخص صرف ملازمت یا اپنی فیملی کے لیے نہیں گیا ہے بلکہ اس ملک میں جہاں ہر ایک چیز کرنے کا وقت متعین ہے وقت کی قلت اس قدر ہوتی ہے کہ اہل خانہ سے گفتگو کرنے کے لیے وقت کا تعین کرنا ہوتا ہے ایسے میں اس قدر محنت و لگن جذبہ و شوق ملت کی ہمدردی ہے کہ مکمل وقت اخبار کے لیے نکال کر ہفت روز پر وقت سے شایع کرنا یقینا یہ ایک مجاہد کا ہی کام ہے ہم نے سوچا بھی نہیں تھا خواب و خیال بھی نہیں کیا تھا کہ ایسے کرامت کا ظہور ہوگا لیکن آپ کی ٹیم نے ثابت کر دیا کہ اگر عزم پختہ ہو تو وسائل کی کمی کبھی راہ کی دیوار نہیں بن سکتی

چیف ایڈیٹر کی باصلاحیت قیادت نے جس صبر استقلال اور بے باکی کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہوئے اخبار کے معیار کو گرنے نہیں دیا، وہ تمام قلمکاروں کے لیے مشعلِ راہ ہے ادارتی ٹیم کی بے لوث محنت و لگن قوم کے تئیں ہمدردی ملت کی خیر خواہی محدود سہولیات اور وسائل کی کمی کے باوجود ادارتی ٹیم کے ہر رکن نے جس لگن کے ساتھ خبروں کی صداقت اور زبان و ادب کی پاسداری کی وہ لائقِ صد تحسین ہے

تمام تر چیلنجز کے باوجود نیپال میں عوامی مسائل اور حق و صداقت کی آواز کو زندہ رکھنا آپ کی صحافتی پاسداری کا منہ بولتا ثبوت ہے وسائل کی کمی ان کے راستے نہیں روک سکتی جن کے عزائم پہاڑوں سے بھی بلند ہوتے ہیں

اس اخبار کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ملک ہند کے مشہور و معروف خانقاہ خانقاہ برکاتیہ کے صاحب سجادہ حضور رفیق ملت سید نجیب حیدر میاں صاحب قبلہ نے اس اخبار کی اشاعت پر بمعرفت سیاح ایشیا و یورپ حضرت علامہ نور محمد خالد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کو مبارک بادی اور دعاؤں سے نوازا اور اسی اخبار کی رونمائی کا خوبصورت کارنامہ علامہ خالد مصباحی صاحب کے ذریعے ملک ہند کی عظیم دینی درسگاہ فیض الرسول براؤن شریف کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں ہوا وہاں بھی علما کی دعائیں چیف ایڈیٹر کو ملیں اسی طرح خطیب البراہین صوفی نظام الدین علیہ الرحمۃ کے عرس سراپا قدس میں علما کے ذریعے اور موجودہ سجادہ نشین کے ذریعے اخبار کی رونمائی کی گئی اور خوب دعاؤں سے نوازا گیا

یقینا علامہ علیمی صاحب قبلہ نے اخبار کے لیے کلیجہ کلیجی سب دے چکے ہیں

جہاں تک میری معلومات کے مطابق کبھی اس اخبار کی اشاعت کے لیے اپنی محنت کا اپنے وقت کا آپ نے اجرت نہیں طلب کیا بلکہ وقت ضرورت مدد بھی فرمائی اور بلا طمع کے آپ نے اس کام کو بحسن و خوابی انجام دیا

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کا یہ قلمی و صحافتی سفر نیپال میں اسی طرح آب و تاب کے ساتھ جاری رہے اللہ تعالیٰ آپ کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا فرمائے اور یہ اخبار سو ویں شمارے سے آگے بڑھ کر ہزاروں شماروں کی منزلت حاصل کرے

آپ کی اس عظیم کاوش پر ایک بار پھر دلی مبارکباد

زندگی گلزار ہے پھر بھی ڈپریشن کا وار ہے

ثناء وقار احمد (بی ایڈ، ایم اے] سائیکالوجی [، ایم اے] انگریزی [، ایم اے] اردو [نواب پورہ، اورنگ آباد

ثناوقار

نواب پورہ، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

سفر کو جب کسی داستان میں رکھنا
قدم یقین میں منزل گمان میں رکھنا

"ڈپریشن" یہ ایک ذہنی بیماری ہے۔ ڈپریشن کا مرض ہمارے معاشرے میں ہر طرف پھیل چکا ہے۔ اِس مرض کو کبھی بھی غیر سنجیدگی سے نہ لیں۔ ڈپریشن کو سائلنٹ کلر کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جو صحت، ازدواجی زندگی اور کیریئر کو بیک وقت متاثر یا ختم کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بظاہر خوش باش کامیاب اور مالی طور پر آسودہ انسان بھی اندر سے بیزار، اداس یا زندگی سے مایوس ہوسکتا ہے۔ ڈپریشن سے دماغی اور ذہنی صلاحیتیں بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ذہن باقاعدہ اور صحیح کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے ذہن میں آتے ہیں۔ اس طرح ذہنی تفکرات پیدا ہوتے ہیں اور سوچنے کی صلاحیت بھی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ڈپریشن اور افسردگی کے مسلسل دورے، ناامیدی کا باعث بنتے ہیں۔ ناامیدی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اعصابی تناؤ اور ڈپریشن سے منفی خیالات جنم لیتے ہیں اور خوداعتمادی کا فقدان پیدا ہوجاتا ہے۔ انسان کے فیصلہ کرنے کی قوت بھی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ المختصر ڈپریشن سے زندگی کی تمام رنگینیاں اور خوشیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ جس سے مجموعی طور پر صحت تباہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ ڈپریشن کوئی مذاق نہیں ہے۔ ایک گہری اداسی جس میں انسان ہر ایک کام میں اپنی دلچسپی کھو دیتا ہے۔ اسے اپنی زندگی کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ منفی سوچ اس کا گھیراؤ کرلیتی ہے۔ ایسے شخص کی زندگی میں سکون ختم ہوجاتا ہے۔ زندگی کے معاملات بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔ زیادہ سوچنے والے لوگ اکثر ڈپریشن کا شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ اِن کا دماغ وہ مسئلہ بھی create کرلیتا ہے جو حقیقت میں موجود بھی نہ ہوں۔ ماہر نفسیات کے مطابق ہم جو بولتے ہیں جو سوتے ہیں اس کا ہماری باڈی سیلز پر ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔ منفی سوچنا اور بولنا ہمارے امیون سسٹم کو کمزور کرتا ہے۔ ہم انسان خود کو ڈاؤن اور بیمار محسوس کرتے ہیں۔ ڈپریشن کسی کو کسی بھی وقت ہوسکتا ہے لیکن بعض لوگوں کو ڈپریشن ہونے کا خطرہ اور لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ہماری شخصیت بھی ہوسکتی ہے اور بچپن کے حالات و تجربات، معاملاتِ زندگی بعض تکلیف دہ واقعات جیسے کسی قریبی عزیز کا انتقال، طلاق یا نوکری ختم ہوجانے کے بعد کچھ عرصہ اداس رہنا، عام سی بات ہے۔ کچھ ہفتوں تک ہم لوگ اس کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور بات کرتے رہتے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہم اس حقیقت کو تسلیم کرلیتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں واپس آجاتے ہیں لیکن بعض لوگ اس اداسی سے باہر نہیں نکل پاتے اور ڈپریشن کی بیماری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ڈپریشن اگر زیادہ مدت تک رہے تو خطرناک صورتحال اختیار کرسکتا ہے۔

ڈپریشن کی علامات ہر وقت یا زیادہ تر وقت اداس اور افسردہ رہنا، جن چیزوں اور کاموں میں پہلے دلچسپی ہو، ان میں دل نہ لگنا، کسی چیز میں مزانہ آنا، جسمانی یا ذہنی کمزوری محسوس کرنا، زیادہ تھکاوٹ محسوس کرنا، روزمرہ کے کاموں یا باتوں پہ توجہ نہ دے پانا، اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلے کمتر سمجھنے لگنا، خوداعتمادی کم ہوجانا، ماضی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے اپنے آپ کو الزام دیتے رہنا، اپنے آپ کو فضول اور ناکارہ سمجھنا، مستقبل سے مایوس ہوجانا، خودکشی کے خیالات آنا یا خودکشی کی کوشش کرنا اور بھوک میں زیادتی یا کمی، بے چینی لاحق رہتی ہے، وزن میں کمی، چڑچڑاپن اور کاہلی، بے خوابی، معدے کی کارکردگی بھی بری طرح متاثر ہوتی ہے، افسردہ افراد عام طور پر دل کے امراض کا بھی شکار ہوتے ان کے دل کے اعصاب کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ بلڈ پریشر بھی معمول سے گر جاتا ہے۔ اکثر اوقات دائمی ڈپریشن کے شکار افراد ہارٹ اٹیک سے جان کھو بیٹھتے ہیں کیونکہ ڈپریشن سے مجموعی طور پر صحت متاثر ہوتی ہے، جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے، کسی سے بھی ملنا اور بات کرنا پسند نہیں کرتے، مایوسی وغیرہ علامات یا مضر اثرات لاحق ہوتے ہیں۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین ڈپریشن کا زیادہ شکار ہوتی ہیں جس کی اہم وجہ بائیولوجیکل اور ہارمونل تبدیلی ہے۔

امریکی تحقیق کے مطابق ڈپریشن کے مریضوں میں اس تعداد میں سفید خلیے تیار نہیں ہوپاتے جو انفکشن کے خلاف مزاحمت کرسکیں۔ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ ۵۷ فیصد بوڑھے افراد اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی شدید ڈپریشن کا شکار رہتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کم عمری میں ہونے والے ڈپریشن کے اثرات زیادہ مہلک ہوتے ہیں جو ساری زندگی ساتھ رہتے ہیں۔ کہنے کو تو ذہنی تناؤ، ڈپریشن محض ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے لیکن دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اس مرض یا پریشانی میں مبتلا ہے۔ ایسے لوگوں کو وقت اور توجہ دیجئے، اس مرض میں مبتلا لوگوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ ذہنی مریض کی باتوں کو اِگنور کرنا اس مرض کو مزید بڑھانے کا سبب بنتا ہے جو نئی بیماریوں کی راہ ہموار کرتا ہے۔ آج کے جدید دور میں معاشرتی، سماجی مسائل اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے۔ ڈپریشن کا مرض اتنا عام ہوچکا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ڈپریشن سے محفوظ ہو۔ ڈپریشن زیادہ ہوجائے تو اس کا نتیجہ خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔ خودکشی کی سب سے بڑی وجہ ڈپریشن کو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بڑے بڑے کامیاب لوگ جن کی زندگی ہر لحاظ سے قابل رشک ہوتی ہے وہ بھی ڈپریشن کا شکار نظر آتے ہیں۔ ڈپریشن میں انسان خود کو لاچار اور بے بس محسوس کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی سہارا ڈھونڈھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں ڈپریشن دور کرنے والی اینٹی ڈپریشنسٹ ادویات اور کیمیکلز کی مقدار دماغ میں بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ڈپریشن کا علاج (سائیکو تھراپی) کے ذریعے سے بھی کیا جاسکتا ہے (سائیکولوجسٹ) کی مدد سے ڈپریشن اس مرض کا حل ممکن اور فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔

ڈپریشن، اسٹریس اور دیگر ذہنی، نفسیاتی امراض کے متعلق سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ روزمرہ کی اچھی عادات، متوازن غذا، روزانہ چہل قدمی، ورزش، اچھا ماحول اور سب سے اہم عبادت ہر نوعیت کی دماغی، نفسیاتی، جسمانی اور دیگر بیماریوں کو ختم کردیتی ہے۔ اچھی سرگرمیاں جب شروع ہوتی ہیں تو دماغ کے اندر ایک خاص طرح کا کیمیکل پیدا ہوتا ہے، جس سے دباؤ اور ڈپریشن کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح ڈپریشن سے نجات اور سکون حاصل کیا جائے۔

اسلام نے ڈپریشن، اسٹریس اور ذہنی دباؤ سے نجات کا بہت ہی زبردست حل بتایا ہے۔ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کے متعلق اسلام نے انسان کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ ڈپریشن بھی انہی بیماریوں میں سے ایک ہے جس کا انتہائی آسان علاج ہمیں بتایا گیا۔

میڈیکل ریسرچ کہتی ہے کہ دل پورے جسم کو خون سپلائی کرتا ہے لیکن دماغ دل سے اوپر ہونے کی وجہ سے خون پورے پریشر سے دماغ تک نہیں پہنچتا اور یہ کمی دماغی کمزوری اور ڈپریشن کی وجہ بنتی ہے۔ ریسرچ میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان دن میں ایک مرتبہ بھی ایسی پوزیشن میں آئے کہ اس کا دماغ اس کے دل سے نیچے ہو تو خون درست طرح دماغ تک پہنچتا ہے اور انسان ڈپریشن، دماغی کمزوری جیسی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سائنس دانوں نے اس پوزیشن کے کچھ ایکسرسائز بتاتی ہے لیکن اگر آپ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز کے دوران جب نمازی سجدہ کرتا ہے تو اس حالت میں خون درست طریقہ سے دماغ تک پہنچتا ہے اور خون کا یہ بہاؤ دل و دماغ کو طاقت پہنچاتا ہے یعنی نماز کی پابندی ڈپریشن اور ذہنی کمزوری کا بہترین علاج ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ڈپریشن مرض کا علاج اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین قرار دیا ہے۔ وَتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیلاً (سورہ النساء: ۸۱) ذہنی دباؤ، مایوسی اور ڈپریشن کا واحد حل اللہ پر بھروسہ ہے جو انسان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے وہ کبھی ڈپریشن کا شکار نہیں ہوگا۔ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھیں اور ہر وقت اللہ کا شکر ادا کیجئے جس رب نے ہم تمام انسانوں کو جسمانی، دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اگر کوئی ایک نعمت چھن گئی ہے تو اللہ کی رحمت سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی رضا میں راضی ہونا چاہئے، ڈپریشن اور اینگزائٹی جیسی کیفیات کا بہترین علاج یہ ہے کہ انسان روحانیت کی طرف توجہ دے اور اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ دل لگائیں، قرآن نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کردیا ہے کہ اَلَا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب "اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون پہنچتا ہے۔"

* ہفت روزہ اخبار نیپال اردو ٹائمز * کے ایک سال مکمل ہونے پر، ہم اپنے قارئین اور علما و عوام کی خدمت میں چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

ہے تجھ پر فضلِ رب چشمِ نبی نیپال اردو ٹائم
ہے شہرت چار سو تیری بڑی نیپال اردو ٹائم

رسول پاک کے صدقے، رضا کے فیض سے ہر سو
تجھے مقبولیت حاصل ہوئی نیپال اردو ٹائم

سبھی اہل قلم، فکر و نظر اکثر یہ کہتے ہیں
ہے قاری کی تمنائے دلی نیپال اردو ٹائم

ہمالے کے افق سے خوشبوئے اردو ادب بن کر
ہے مہکاتا ادب کی ہر گلی نیپال اردو ٹائم

تری شہرت، تری رفعت، ترقی دیکھ کر ہر دم
مخالف میں مچی ہے کھلبلی نیپال اردو ٹائم

گلِ نیپال اور ہندوستاں کے گل کی ہر ہفتہ
نکھارا کرتا ہے تو دلکشی نیپال اردو ٹائم

ترے باعث بنی زرخیز جو ویران تھی پہلے
صحافت کی زمیں نیپال کی نیپال اردو ٹائم

ترقی علمی حلقوں میں تری ہوگی ہر اک لمحہ
ترے ارکان سارے ہیں قوی نیپال اردو ٹائم

یقیناً ہیں ترے بانی، ایڈیٹر قابل تعریف
زباں کہتی ہے یہ نعمانؔی کی نیپال اردو ٹائم

= از فکر و قلم۔ =
محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
= نائب ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز